

نمبر ۲۳

اشاعت اسلام

اس کتاب میں

واقعات کے ذریعہ سے اشاعت اسلام کا فلسفہ بتایا گیا ہے اور
دکھایا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن سے دنیا کو اس
مقدس مشن نے بالآخر خود جذب کرلیا

از

ماسٹر شیر علی خان بی اے

۱۹۱۰ء

مطبوعہ نول کشور سٹیم پریس لاہور

قیمت ۸/

منتخب اور مقبول لٹریچر

وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر کی علمی و ادبی جدید کتابیں

نام کتاب	نام مصنف
سیاحت ہند	حافظ عبدالرحمٰن سیاح بلاد اسلامیہ
تاریخ عرب قدیم	مولانا عمادی
عیسیٰ اور صلیب	نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم
اسلام	نواب محسن الملک مرحوم
حقیقت السحر	سرسید و نواب اعظم یار جنگ مرحوم
خطبات احمدیہ	سرسید مرحوم
حضرت ہاجرہ رضی	مولانا عنایت رسول چڑیاکوٹی و نواب اعظم یار جنگ
غذائے انسانی	مولانا عبدالماجد
تعلیم نسواں	شیخ مشیر حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لا
اسلامی تمدن کا اثر ہندوستان پر	مولانا شبلی
آثار خیر	منشی سعید احمد
احسان عام	نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم

اشاعتِ اسلام

بعض عیسائی مشنریوں نے اسلام کے متعلق بہت سے جھوٹے الزام پھیلائے ہیں ان جھوٹے الزامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ عیسائی مصنفوں نے بھی بار بار اس کی زور سے تردید کی ہے لیکن جب عیسائی مشنری ایک بات لکھ دیتے ہیں تو کوئی دلیل ایسی نہیں جو ان کو یقین دلا سکے کہ ان کا اعتراض بیہودہ اور لغو محض ہے اور وہ اس کو واپس لے سکیں عیسائی واعظین کے اس اصرار کی وجہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے یہ ان کا اپنی غلطی پر ہٹ کرنا ان کے اغراض میں داخل ہے کیونکہ ان کے الزامات انصاف پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ جس چیز اور جس بات کو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کے کام میں مدد دے گی اس کو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی تنقید کے لے لیتے ہیں ان کا اصلی کام عیسائیت کا وعظ کرنا ہے لیکن

وہ اسباب اور سامان وہ اپنی اس غرض کو پورا کرنے کے لئے استعمال کر سکے ہیں بہت ہی تھوڑے اور قلیل ہیں مذہب عیسائی میں قابل وعظ باتیں بہت ہی کم ہیں وہ انسانوں سے یسوع کی خدائی منوانا چاہتے ہیں لیکن دنیا میں انسانی خداؤں کا ذخیرہ آگے ہی بہت ہے۔ اور اب دنیا کا یہ میلان بالکل نہیں رہا کہ وہ اس روشنی کے زمانے کے آخری درجہ میں بھی خداؤں کی فہرست میں ایک اور خدا داخل کر دے سچ تو یہ ہے کہ عیسائیت میں صداقت بہت ہی کم ہے بلکہ ہے ہی نہیں عیسائی مشنری کا مذہب صرف اتنے مقولے میں آجاتا ہے کہ "یسوع خدا تھا جو صلیب پر مر گیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان لائیں کفارہ ہو" پس اس طرح اس کے وعظ کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے لابد ہے کہ اس کے مشغول رکھنے کے لئے کوئی چیز ہو۔ پس جب کہ اس کے اپنے مذہب میں کوئی خوبی کی بات نہیں ہے جس کو وہ دوسروں کے سامنے پیش کر سکے تو وہ اپنا وقت دوسرے مذاہب کی عیب جوئی میں صرف کرتا ہے گویا کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے مذہب کی عیب جوئی ہی عیسائیت کی صداقت قائم کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

اسلام سے مشنریوں کو خاص کینہ ہے کیونکہ وہ اسلام کو اپنا بڑا دشمن سمجھتے ہیں دوسرے مذاہب میں ان کو اعتراض کرنے کے لئے کافی سامان مل سکتا ہے کیونکہ ان کے عقائد میں بہت سی

ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو کہ اعتراضات کا مورد بن سکتی ہیں۔ لیکن اسلام کی اعلےٰ صداقتیں اور اس کے عقائد حقہ عیسائی مشنری کی آنکھوں کو اپنی روشنی اور ضیا کے ساتھ چندھیا دیتے ہیں وہ اصول ایسے قابل تعریف ہیں کہ ایک عیسائی مشنری کو بھی (جو دوسروں کی غلطیوں کے معلوم کرنے میں بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتا ہے) کوئی موقع نہیں ملتا کہ وہ ان کے برخلاف ایک لفظ ہی منہ سے نکال سکے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کے اصول حقہ پر اعتراض کرنے کے قابل بالکل نہیں ہے تو وہ اعتراض کرنے کی اور راہ اختیار کرتا ہے چونکہ مذہب اسلام کے عقائد حقہ انسانی عقل اور درایت کے برخلاف نہیں ہیں اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جن پر عقل انسانی اعتراض کر سکے تو وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش تو نہیں کرتا۔ کہ اسلامی تعلیم عقل کے برخلاف ہے بلکہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات یہود اور نصاریٰ سے لی ہیں اور اس لئے اسلام ایسی پاک اور اعلےٰ تعلیم کے شائع کرنے کا حق نہیں لے سکتا وہ ان تعلیمات کو جو قرآن مجید میں مندرج ہیں عیسائیت اور یہودیت کے چشموں سے نکلی ہوئی بتاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس نے قرآن شریف کے الہامی ہونے کے دعوے پر سخت حربہ چلایا ہے۔

گویا کہ اس کے نزدیک الہامی کتاب ہونے کا معیار محض نئی بات کا پیش کرنا ہے اس کی نگاہ میں قرآن شریف صرف اس وقت الہامی کتاب ہوسکتا تھا اگر وہ نجات کی کوئی ایسی خود تراشیدہ تجویز پیش کرتا جیسی کہ عیسائیت نے پیش کی ہے چونکہ قرآن شریف نجات کے لئے پہلے نبیوں سے کوئی نئی راہ نہیں بتلاتا جیساکہ قرآن مجید کے نزدیک نجات کسی انسانی خدا کی قربانی پر موقوف نہیں ہے اس لئے قرآن شریف مسیحی واعظ کے رائے میں خدا کا کلام نہیں ہوسکتا یہ بات کہ قرآن شریف کی تعلیمات انبیاء سابقین کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں عیسائی مشنری کے نزدیک اس کے جعلی ہونے کا ایک کافی ثبوت ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور انبیاء سابقین کی تعلیمات کو بالکل مشابہ ثابت کرنیسے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اپنی بے خبری میں شہادت دیئے جاتا ہے اس جگہ میری یہ غرض نہیں ہے کہ میں بتاؤں کہ خود قرآن شریف اپنے الہامی ہونے کی بڑی عظیم الشان اور لاجواب شہادت پیش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی تعلیمات اپنے حسن و خوبی میں ان تمام تعلیمات کو جو کسی انسان کو دی گئی ہوں بہت بڑھی ہوئی ہیں اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ میں ناظرین کی توجہ کو اس طرف مبذول کروں کہ مسیحی مشنری کی حاسد آنکھ کو بھی اتنا موقع نہیں ملتا کہ وہ قرآن شریف کی پاک

اور مدلل تعلیمات میں نقص نکال سکے اور صرف انبیاے سابقین
کی تعلیمات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مشابہت
ثابت کرنے اور اس الزام کے لگانے سے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے اس زمانے کے یہودی اور نصارے کی تعلیمات
سے اپنی تمام مقدس تعلیمات کو اخذ کیا تھا مسیحی مشنری اسلامی
صداقت پر ایک بالواسطہ شہادت قایم کرتا ہے حالانکہ یہود اور
نصارے کے اسلام قبول کرنے کی وجہ صرف یہ بیان کی جاتی ہے
کہ ان کی اعتقادی حالت خراب ہوگئی تھی اور وہ بالکل بگڑ گئے
تھے اس لئے انھوں نے اسلام کی ستھری تعلیم کو قبول کر لیا۔
جب ان کی اپنی حالت بگڑی ہوئی تھی تو پھر وہ لوگ کس
طرح اسلام کی پاک تعلیم کا سرچشمہ کہلا سکتے ہیں اور کیوں روم
اور شام کے عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا
جب کہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام تعلیمات مسروقہ ہیں (نعوذ
باللہ من ذلک) لیکن انصاف پسند عیسائی مصنفین نے
کھلے الفاظ میں اس بات کی شہادت دی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کی تعلیم عین عقل اور انسانی فطرت کے مطابق
ہے کچھ عرصہ گزرا ہے کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے لائق عیسائی
ایڈیٹر نے لکھا کہ یہ غالباً ناممکن بات تھی کہ انگریزی تعلیم ایک
ہندو کے مذہبی خیالات میں تغیر وتبدل پیدا نہ کرے۔ لیکن

ایک مسلمان یورپین اور انگریزی تعلیم کی وجہ سے اپنے اسلامی عقائد میں متزلزل نہیں ہو سکتا۔ **ایک سائنسدان کے نزدیک بھی اسلام کے قبول کرنے میں کوئی عقلی مشکلات نہیں ہیں** اور انگریزی داں طالب علموں میں اسلامی فرائض کی عدم پابندی ایک دنیاوی کالج کی زہریلی ہوا کی وجہ سے ہے اور یہ عدم پابندی اس لئے نہیں ہے کہ سائنس اور مسلمان طالب علم کے مذہبی عقائد میں کوئی تعارض ہے۔ اس کی شہادت اس طرح پر مل سکتی ہے کہ ایک ہندوستانی کے کالج کے مسلمان طلبا کی کثیر التعداد پر بداعتقادی کا زمانہ نہیں آتا۔ جو کہ بہت سے انگلینڈ کے کالجوں کے طالب علموں کو تجربہ کرنا پڑتا ہے انگریزی خوان مسلمان صرف مذہب کی طرف سے بے توجہ ہو جاتے ہیں دوسرے معاملات ہیں۔ رجیسے پالٹیکس تمدنی اصلاح یا ترقی قوم ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں اور مذہب کی طرف ان کی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح عالم مصنف کے نزدیک جو اپنے تئیں عیسائی مذہب کا پیرو تسلیم کرتا ہے دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنے عیسائیت ہندومت اور اسلام میں سے صرف موخر الذکر ہی ایک ایسا مذہب ثابت ہوا ہے جو کہ ایک سائنس داں کے لئے بھی کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں کرتا اس لائق

مضمون نگار کی راے میں ایک ہندو پر مغربی تعلیم کا بد اثر لابدی تھا
تھا یعنے یہ ضروری تھا کہ ایک ہندو کے عقائد پر مغربی سائنس حملہ
کرتی اور اس کے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلی کر دیتی لائق مضمون
نویس اس بد اعتقادی اور دہریت کی کشمکش کے زمانے کی
طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ جس میں بہت سے عیسائی طالب علم
انگلستان کے کالجوں میں مبتلا ہوتے ہیں مگر وہ ساتھ یہ بھی
بتاتا ہے کہ ہندوستان کے کالجوں میں مسلمان طلباء اس وبا
سے محفوظ رہتے ہیں اس کا سبب اظہر من الشمس ہے یہ اسلئے
ہے کہ عیسائی مذہب کے اصول سائنس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔
اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہ ایک سائنس
داں کو بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی تعلیم کے معقول ہونے کا
اقرار کرے۔ اور اس سے انکار نہ کر سکے حالانکہ سائنس اور علوم
حقہ ہندومت یا عیسائی مذہب کے پیرووں کا اعتقاد اور ایمان
تزلزل میں ڈال دیتے ہیں ایک دنیاوی اخبار کے ایک عالم
عیسائی ایڈیٹر کی یہ رائے جو اپنے مذہب کے خلاف اسلام کے
حق میں ظاہر کرتا ہے اور اپنا فیصلہ کن عندیہ بتاتا ہے بالکل
انصاف اور حق پرستی پر مبنی سمجھنی چاہیئے کیونکہ سچی فضیلت
وہی ہوتی ہے ماشہدت بہ الاعداء یعنے جس کی دشمن
بھی گواہی دیں اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نہ صرف عیسائی

مشنری ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو گذشتہ انبیاء کی تعلیم سے مطابق ثابت کرنے سے اسلامی صداقت کی شہادت دیتا ہے بلکہ اس کے ہم مذہب جو مشنری پیشہ نہیں رکھتے کھلے الفاظ میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو ایک سائنس داں بھی قبول کر سکتا ہے۔

نہ صرف اسلامی تعلیمات کی خوبی نے ہی مسیحی واعظ کی آنکھوں کو چندھیا دیا ہے بلکہ اس تیزی کو مسیحی مشنری دیکھ کر ششدر اور حیران رہ گیا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ دنیا نے اپنے پرانے عقائد فاسدہ کو ترک کر کے اس نئے مذہب یعنے اسلام کو خوش آمدید کہا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس تعجب خیز کامیابی کو اسلام کی حقانیت اور اس کی حقیقی روحانی طاقت کی طرف منسوب کرے اس نے اس کامیابی کو جسمانی طاقت کی طرف منسوب کیا ہے۔ جو اس کے زعم میں اہل دنیا پر مسلمانوں نے استعمال کی تاکہ دنیا کو اسلام قبول کر لینے پر مجبور کریں عیسائی مشنریوں کا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ جبر کا استعمال قرآن شریف نے بتایا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ طریق جابرانہ اختیار کیا گیا اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس حکم کی فرماں برداری میں بڑے زور سے کوشاں رہے اس سے بڑھ کر اور کوئی بے انصافی کی بات نہیں ہو سکتی۔

کہ قرآن شریف یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی تعلیم منسوب کی جاوے یا یہ کہ آپ کے صحابہ نے لوگوں کو زور سے مسلمان کرنے کے لئے تلوار سے کام لیا تھا مندرجہ ذیل صفحات میں میرا کام صرف یہی ہے کہ میں ثابت کروں اور یہ بتاؤں کہ یہ الزام محض افترا ہے اور اس میں اصلیت رائی بھر بھی نہیں ہے قرآن شریف اس بات سے بالکل پاک ہے کہ وہ حکم دے۔ کہ اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار سے کام لیا جاوے بلکہ وہ ایسے گندے طریق کو ایک جرم قرار دیتا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (النحل)، یعنے تو اپنے رب کی راہ کی طرف بلا ساتھ حکمت اور اچھی نصیحت کے اور ان سے ایسی تدبیر کے ساتھ مباحثہ کر جو خوبی سے بھری ہوئی ہو پھر اللہ تعالے اہل کتاب یعنے یہود و نصاریٰ کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن (عنکبوت) اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے مباحثہ مت کرو مگر بڑی نرمی اور رافت سے اور سورہ آل عمران میں فرماتا ہے قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ط کہدے اے اہل کتاب آؤ طرف ایک بات کی جو برابر ہے تمہارے درمیان اور ہمارے

درمیان یہ کہ ہم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور کوئی ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ تعالےٰ کے سوا رب نہ بناوے پس اگر یہ لوگ (اہل کتاب) پھر جاویں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو بتحقیق ہم فرماں بردار ہیں۔

ان مذکورۃ الصدر آیات میں ہم مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہل کتاب سے بہت ہی نرمی سے بحث کریں جتنا کہ ممکن ہو سکتا ہے اور اگر وہ ہمارے دلائل اور حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے مستفید نہ ہوں تو ہمیں صرف یہ حکم ہے کہ کہدیں تم مانو یا نہ مانو مگر تم گواہ رہو کہ ہم اللہ تعالےٰ کے فرماں بردار ہیں پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علٰی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (سورۃ یوسف) کہدے یہ میری راہ ہے میں اللہ تعالےٰ کی طرف بلاتا ہوں کامل بصیرت اور یقین تام سے اور میرے متبعین بھی کامل بصیرت اور یقین تام سے اس راہ کی طرف بلاتے ہیں۔

پھر سورہ نحل میں فرماتا ہے وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون اور ہم نے تجھپر اس لئے کتاب نازل کی ہے کہ تو ان کو کھول کر سنا دے وہ مسائل جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لئے۔ پھر سورۂ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن اور تو میرے

بندوں کو کہدے کہ ان کو چاہئیے کہ بڑی عمدگی اور احسن طور سے گفتگو کیا کریں یہ تمام آیات صفائی سے بتا رہی ہیں کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم اسلام کی اشاعت بڑی نرمی اور حکمت سے کیا کریں دلائل اور بینات سے اسلام کی خوبیاں ظاہر کریں اور سخت کلمات کے استعمال سے پرہیز کریں اور تمام ایسے امور سے احتراز کرتے رہیں جن سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو دُکھ یا تکلیف پہنچے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ یعنے ان کو گالیاں مت دو جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے بتوں کو پکارتے ہیں مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالےٰ نے ہمیں بڑی صفائی سے وہ قاعدہ بتا دیا ہے جس کا ہمیں اسلامی صداقت پر وعظ کرتے ہوئے پابند رہنا چاہئیے ہمیں بڑے زور سے یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ ہم ملائمت اور صبر اور تحمل سے کام لیں یہ حکم اس قول سے کہ قرآن شریف تلوار کے ساتھ اسلام پھیلانے کی تعلیم دیتا ہے بالکل مخالف ہے خدا تعالےٰ نے صریحاً منع فرماتا ہے کہ کوئی کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ کیا جاوے یہ صریح حکم مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے لا اکراہ فی الدین "مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ اور اس کی دلیل کہ کیوں اسلام میں جبر نہیں اسی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے قد تبین الرشد من الغیّ یعنے "ہدایت اور گمراہی کا راستہ کھلم کھلا بیان کر دیا گیا ہے۔"

اس لئے ہر ایک انسان کو آزادی حاصل ہے کہ جو راستہ چاہے چن لے۔ میں نہیں جانتا کہ کسی مذہبی کتاب نے ایسی صراحت کے ساتھ دین میں جبر کرنے سے منع کیا ہو جیسا کہ قرآن شریف نے پُرزور الفاظ میں جبر واکراہ سے منع فرمایا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام کتب مقدسہ میں سے صرف قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے پیرووں کو مذہب کے پھیلانے کے لئے جبر واکراہ کا حکم دیا ہے۔

محولہ بالا آیت میں صراحت سے بتایا گیا ہے کہ دین کے لئے کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے اور اس آیت کریمہ کا یہ منشا ہے کہ ہمارا رستہ صاف طور سے بتا دیا گیا ہے۔ اور اس لئے جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے پیچھے اس کے کہ اس کے لئے ہدایت کی راہ کھول کر بیان کر دی گئی ہے اس سے خدا تعالےٰ خود پوچھ لے گا۔ قرآن شریف میں اور کئی جگہ . . . پر آیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا یا نہ قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے اور نبی کا صرف اتنا فرض ہے کہ وہ کھلے الفاظ میں لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچا دے۔ میں ذیل میں چند آیات پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آیات ناظرین کو اس نتیجہ تک پہنچا دیں گی کہ قرآن شریف اس سے پاک ہے کہ وہ یہ حکم دے کہ مذہب کے پھیلانے کے لئے تلوار کو استعمال کیا جاوے بلکہ قرآن شریف

ہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی اور اُس کے متبعین کو لازم ہے۔ کہ وہ لوگوں کی مرضی پر اسلام کی قبولیت کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ ان ھذہ تذکرة ط فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا یعنے یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے (سورہ مزمل رکوع اوّل سورہ دہر رکوع ۲) کلا انہ تذکرة فمن شاء ذکرہ ہرگز نہیں یہ قرآن شریف ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے فائدہ اُٹھاوے (سورہ مدثر رکوع ۲)

(۳) وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر یعنے اور تو کہہ دے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پس جو چاہے اس کو مانے اور جو چاہے اس کو نہ مانے (سورۃ کہف رکوع ۴)

(۴) وان اتلوا القران فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فقل انما انا من المنذرین اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں قرآن کو پڑھ کر سنا دوں پس جو ہدایت پا گیا اس کا فائدہ اسکے نفس کو ہی پہنچے گا اور جو گمراہ ہو گیا پس کہہ دے میں تو ڈرانے والا ہوں (سورہ نمل رکوع ۷)

۵۔ قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ۔ کہہ دے میں خالص اللہ کی عبادت کرتا ہوں پس تم عبادت کرو جس کی تم چاہو اس کے سوا (سورہ زمر رکوع ۲)

۶۔ قل یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدی

فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل کہہ اے لوگو! تحقیق آ گیا ہے حق تمہارے رب کی طرف سے پس جو ہدایت پاتا ہے پس اس کا فائدہ اس کی جان کو پہنچتا ہے اور جو سچی راہ چھوڑ دیتا ہے اس کا نقصان اسی کو پہنچتا ہے۔ اور میں کوئی تم پر کارساز نہیں (سورہ یونس رکوع ۱۱)

۷ من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخری یعنے جو ہدایت پا گیا وہ اپنی جان کو ہی فائدہ پہنچائے گا۔ اور جو سیدھی راہ سے دور چلا گیا اسکا وبال اسی پر پڑے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲

بہت سی آیتیں لکھی جا سکتی ہیں جن میں خدا تعالےٰ نے بجائے اس کے کہ وہ مومنوں کو حکم دے کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلاؤ یہ حکم دیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا جائے۔ وہ صراحت فرماتا ہے فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر یعنے جس کی مرضی ہو مانے اور جس کی مرضی ہو نہ مانے کیا یہ آیت کریمہ اس خیال کی جڑ نہیں اکھیڑتی جسکا ماحصل یہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنے متبعین کو حکم دیا ہے کہ اسلام کو پھیلانے کے لئے سخت ذرائع استعمال کئے جاویں قرآن شریف تو یہاں تک نبی کریم کو حکم دیتا ہے کہ نبی کریم اپنی تبلیغ کو حد سے زیادہ نہ لے جائیں اور صاف لفظوں میں آپ کو فرماتا ہے کہ آپکا

فرض صرف پیغام الہیٰ کا پہنچا دینا ہے اور اگر کفار آپ کی وصایا
کی طرف توجہ نہ کریں تو آپ کو چاہئیے کہ آپ ان کو ان کے حال پر ہی
چھوڑ دیں کیونکہ آپ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ آپ جبر سے اور
زور سے اسلام منوائیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ونحن اعلم بما یقولون
وما انت علیہم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید یعنے
ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تو ان پر کوئی جبار نہیں۔ تو
قرآن کے ساتھ وعظ کرتا رہ۔ ان لوگوں کو۔ جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں
(سورۂ ق رکوع ۳) یہ آیت صاف طور سے بتاتی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم اس لئے نہیں بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں سے زبردستی
اسلام منوائیں بلکہ آپ کے آنے کی غرض صرف یہی تھی کہ آپ ان کو
وعظ کر دیں جو خدا سے ڈرتے تھے اور آپ کی باتیں سننے کے لئے
آپ کی طرف متوجہ ہوتے تھے آپ کو بار بار فرمایا گیا کہ آپ ان
لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں جو آپ کی وصایا سننا نہیں
چاہتے۔ مندرجہ ذیل چند آیات لکھی جاتی ہیں جن میں آپ کو یہ
فرمائش کی گئی ہے کہ آپ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ ان
لوگوں کے لئے جو آپ کے وعظ سننے سے انکار کرتے تھے۔

۱۔ ما علی الرسول الا البلٰغ۔ نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا
دینا (سورہ مائدہ رکوع ۴)

۲۔ و اعرض عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا و

وما جعلناك عليهم حفيظا وما انت عليهم بوكيل - اور تو اعراض کر مشرکوں سے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان نہیں بنایا - اور تو ان کا کارساز نہیں ہے (سورۃ انعام رکوع ۱۳)

۳- ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شئ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئہم بما کانوا یفعلون - تحقیق وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ کیا اور فرقے فرقے ہوگئے تجھے ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ان کا معاملہ خدا کے حضور پیش ہے اور انکو ان کے افعال سے خبر دے گا (سورہ انعام رکوع ۲۰)

۴- فذکر انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر تو نصیحت کر تیرا کام نصیحت کرنا ہے - اور تو ان پر کوئی داروغہ نہیں (سورہ غاشیہ)

۵- فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا - تو اس سے منہ پھیر لے جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہ چاہا (سورہ نجم رکوع ۲)

۶- فتول عنہم فما انت بملوم و ذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین تو ان سے ہٹ جا تجھے کوئی ملامت نہیں - اور تو نصیحت کرتا رہ کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ بخشتی ہے - (سورۃ ذاریات رکوع ۳)

۷- فذرھم یخوضوا ویلعبوا حتیٰ یلٰقوا یومہم الذی یوعدون

تو ان کو چھوڑ دے جھگڑے کرتے ہوئے اور بے حقیقت بات کرتے ہوئے یہاں تک کہ وہ اپنے دن کو ملیں جن کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے (سورۃ معارج رکوع ۲)

حضرت نبی کریمؐ کو سخت رنج ہوتا تھا جب وہ لوگوں کو گمراہی میں پھنسا ہوا دیکھتے تھے اور آپ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ لوگ صراط مستقیم کی طرف آ جائیں اس غم کا جو آپ کے دل کو اپنے ہم وطنوں کو ضلالت اور بدیوں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر ہوتا تھا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے اور آپ سے اللہ تعالےٰ نے کئی دفعہ فرمایا کہ آپ ان تفکرات میں نہ پڑیں اور اپنے دل کو غمزدہ نہ ہونے دیں اللہ تعالےٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے غم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے لعلک باخع نفسک علےٰ آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا۔ شاید تو اپنے آپ کو اس غم سے ہلاک کر دے گا انکے پیچھے کہ کیوں وہ خدا کی اس بات کو نہیں مانتے (سورہ کہف رکوع ۱) پھر خدا آپ کی لگاتار نصیحتوں کو اور وعظوں کو جو آپ کفار کو سنایا کرتے تھے ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا۔ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام زمین والے مومن بن جاتے۔ کیا تو لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتا ہے (سورۃ یونس رکوع ۱۰) یہاں اللہ تعالےٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ حد

سے بڑھ کر کسی کے پیچھے پڑنا اچھا نہیں تیرا کام سنا دینا ہے اور بس (بر رسولاں بلاغ باشد و بس) جب کہ خدا تعالے کا یہ حکم ہے تو کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے، کہ خدا تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے پھیلانے کے لئے تلوار استعمال کرنے کا حکم دیا ہو صرف خالص ایمان ہی کو خدا قبول کرتا ہے اور خالص ایمان دل سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ تلوار کے ڈر سے خدا تعالے نفاق اور جھوٹے ایمان کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے اور فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمومنین تحقیق وہ لوگ جو سچے طور سے ایمان نہیں لاتے بلکہ ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے اور زبانوں پر کچھ اور ایسے لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور آخری دن کے ساتھ حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان دلی یقین کا نام ہے۔ لیکن تلوار کی حکومت صرف زبان پر ہو سکتی ہے دل پر حکومت صرف خدا کی ہے۔ لیکن کیا تلوار لوگوں سے سوائے اس منافقانہ ایمان کے اور کچھ لے سکتی ہے کیا تلوار دل کو اطمینان دے سکتی ہے منافقین کی نسبت اللہ تعالے نے فرمایا ہے بشر المنافقین بان لھم عذابا الیما۔ منافقوں کو خبر دے دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (سورۃ نساء رکوع ۲۰)

ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جھنم جمیعا۔ تحقیق اللہ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو جہنم میں جمع کرے گا (سورۃ نسا رکوع ۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کا جنازہ پڑھنے سے ممانعت کی گئی ولا تصل علے احد منھم مات ابدا ولا تقم علے قبرہ (سورۃ توبہ میں آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ان منافقوں کے لئے اگر وہ مرجائیں کبھی دعا نہ مانگنا۔ نہ ان کی قبر پر جاکر کھڑے ہونا ۔ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ منافق ان دفاعی جنگوں میں کبھی شریک نہ ہوں جو مسلمانوں کو مجبوراً اپنے بچاؤ کے لئے کفار عرب سے کرنی پڑتی تھیں خدا فرماتا ہے فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا (سورہ توبہ رکوع ۱۱) تو ان منافقوں کو کہدے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نکل نہیں سکتے۔ اور کبھی بھی میرے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ان کو یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان کے صدقے قبول نہیں کئے جائیں گے قل انفقوا طوعًا او کرھًا لن یتقبل منکم انکم کنتم قومًا فاسقین کہدے خوشی سے خرچ کرو یا کراہت سے۔ تمہارے صدقے منظور نہیں کئے جائیں گے تحقیق تم بدکار لوگ ہو (سورۃ توبہ رکوع ۷) وما منعھم ان تقبل منھم نفقاتھم الا انھم کفروا باللہ و برسولہ ولا یاتون الصلوۃ الا وھم کسالی ولا ینفقون الا وھم کارھون - اور وہ کیا چیز ہے جو ان کے صدقوں کے قبول

ہونے کو روکتی ہے مگر یہی کہ اللہ اور رسول سے انکار کرتے ہیں اور نماز پڑھنے میں بڑے سست ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کراہت کرتے ہیں (سورہ توبہ رکوع ۷) قرآن شریف کا کوئی صفحہ پڑھو اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ صرف خالص ایمان ہی اللہ تعالےٰ قبول کرتا ہے اور نفاق اور جھوٹے ایمان کو خدا بڑے غضب کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن کیا وہ آدمی۔ جو خلاف اپنی مرضی کے کسی اعتقاد کے ماننے کے لئے مجبور کیا گیا ہو خالص مومن کہلا سکتا ہے؟ کیا یہ مسلّمہ امر نہیں ہے؟ کہ جو آدمی اپنی مرضی کے برخلاف کسی اعتقاد کو مانے تو وہ منافق ہے تو پھر یہ خیال کیسا... بخیر معقول ہے؟ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو زبردستی مسلمان بنا کر منافقوں اور فاسقوں کے گروہوں سے اسلام کو بھر دیں خدا تعالےٰ بار بار فرماتا ہے کہ صرف خدا ہی ہے جو انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف رہ نمائی کرتا ہے ایمان اور یقین کا محل دل ہے اور دل کو سچائی کی طرف صرف خدا ہی رہ نمائی کر سکتا ہے کہ اور جبتک دل تک راہ نہیں پا سکتی انسانوں کو سچے راہ کی طرف رہ نمائی کی بابت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فے القبور ان انت الا نذیر (سورہ فاطر رکوع ۳) تحقیق اللہ تعالےٰ سنواتا ہے جس کو چاہتا ہے تو ایسے لوگوں کو نہیں سنوا سکتا۔ جو قبروں میں مردوں کی طرح پڑے ہیں تیرا کام صرف ڈرا دینا

ہے فان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون ومنہم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولوکانوا لایعقلون ومنہم من ینظر الیک افانت تھدی العمی ولو کانوا لایبصرون ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسہم یظلمون اور اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہدے میرے لئے میرے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل تم بری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں - اور میں بری ہوں اس سے جو تم کرتے ہو بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری بات بظاہر سنتے ہیں کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے اگرچہ ان میں کچھ بھی عقل نہ ہو اور بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں کیا تو اندھوں کو راہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ بصیرت نہ رکھتے ہوں تحقیق اللہ تعالےٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (سورہ یونس رکوع ۵) پھر قرآن شریف میں فرماتا ہے لیس علیک ھداہم ولکن اللہ یھدی من یشاء تجھ پر انکی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے (سورہ بقر رکوع ۳۷) ایسے ہی الفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو فرمائے گئے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یاایھاالذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم - اے ایمان والو! تم اپنا خیال رکھو تم کو کوئی ضرر نہیں دے سکے گا - جو گمراہ ہو گیا جب تم ہدایت پر ہوگے۔

میں نے بہت سی آیات قرآن شریف سے پیش کرکے یہ دکھایا ہے
کہ قرآن شریف کہیں بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ
کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ حکم نہیں دیتا کہ اسلام کی اشاعت
کے لئے زور اور تلوار کو استعمال کیا جاوے برخلاف اس کے قرآن
شریف یہ نصیحت کرتا ہے کہ اسلام کی طرف انسانوں کو بڑے تلطف
اور حلم سے مدعو کیا جاوے اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن اور
خوبیاں بیان کی جاویں اور ان کے معتقدات پر کسی قسم کا سخت حملہ
نہ کیا جاوے قرآن شریف صراحت سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتاتا ہے کہ ان کا
فرض صرف یہ ہے کہ وہ پیغام الٰہی کو پہنچا دیں اور ان کو اس میں ذرا
بھی دخل نہیں کہ وہ پیغام قبول کیا گیا ہے یا نہیں کیونکہ پیغام الٰہی
منوانا ان کا فرض نہیں ہے ان کا کام صرف سنا دینا ہے "ان انت
الا نذیر" تو صرف ایک ڈرانے والا ہے" اللہ تعالےٰ جلشانہ رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم
اجمعین کو فرماتا ہے علیکم انفسکم "تم اپنے نفسوں کے ذمے دار
ہو" اس صریح تعلیم کے ہوتے ہوتے یہ کہنا کہ قرآن شریف نبی
کریم و صحابہ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے کہ تلوار پکڑ لو اور جبر
سے اسلام دنیا میں پھیلاؤ یہ ایک ایسا بڑا جھوٹ ہے جو کبھی کسی
انسان کے منہ سے نہیں نکلا اور ہمیں افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا

ہے کہ اس تمام کذب کے ذمہ وار عیسائی مشنری ہیں اور پھر افسوس پر افسوس آتا ہے کہ باوجود اس کے کہ بار بار ان کو جتایا گیا ہے۔ کہ قرآن شریف کے برخلاف یہ الزام جھوٹ پر مبنی ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں پھر بھی اپنی غلطی اور شرارت پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور اپنے اس مجرمانہ اصرار سے توبہ نہیں کرتے ؛؛

خود اسلام کا لفظ جس کے معنے ہیں اللہ تعالےٰ کے احکام کے آگے گردن ڈال دینا اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا صاف طور سے اس بات کو رد کرتا ہے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ جائز ہے اللہ تعالےٰ بالتصریح فرماتا ہے کہ اسلام میں تب ہی انسان داخل سمجھا جاتا ہے کہ جب وہ شرح صدر سے حکومت الہیہ کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (سورۃ انعام رکوع ۱۵) جس کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

بڑی دلیل جو عیسائی مشنری اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات موجود ہیں جو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دیتی ہیں لیکن ان آیات کا مطالعہ صاف بتلاتا ہے کہ عیسائی واعظ نے قرآن شریف کے متعلق بڑی سخت بے انصافی کا ارتکاب کیا ہے جو ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتا ان آیات میں جن میں تلوار ہاتھ میں لینے کی اجازت

دی گئی ہے صاف اور کھلے الفاظ میں وہ وجوہ اور دلائل بتائے گئے ہیں جن کی وجہ سے مومنوں کو لڑنے کی اجازت ملی ہے۔ یہ امر صاف بتا رہا ہے کہ مشنری منتقد کے خیالات اور ارادے دیانت داری کے اغراض سے پیدا نہیں ہوئے۔کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ مسلمانوں کو اسلام کے ابتدائی ایام میں کیسے کیسے عذاب اور تکالیف شدید دئے گئے تھے لیکن خدا تعالےٰ نے انکو حکم دیا تھا کہ صبر اور تحمل سے ان مصائب شدید کو برداشت کرلو جو ان کا بے رحم دشمن ان کو پہنچا رہا تھا اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ واتبع مایوحی الیک واصبر حتیٰ یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین اور تو پیروی کر اس کی جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ بہتر ہے فیصلہ کرنے والوں میں سے (سورۃ یونس رکوع ۱۱) واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ط ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون اور تو صبر سے کام لے اور تیرا صبر صرف اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے اور تو ان پر غم نہ کھا اور تنگی میں مت ہو اس سے جو وہ تیرے برخلاف منصوبہ بازی کرتے ہیں۔ اللہ ان کے ساتھ ہے جو اللہ کے حکم پر چلتے ہیں اور وہ اس طرح نیکی کرتے ہیں کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہیں اور خدا انہیں دیکھ

رہا ہے (سورۃ نحل رکوع ۱۶) قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (سورۃ جاثیہ رکوع ۲) قل یا عباد الذین امنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وارض اللہ واسعۃ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (سورۃ زمر رکوع ۲) ترجمہ تو کہہ دے ایمان والوں کو کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کرتے رہیں جو اللہ کے نعم اور نقم کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ان کو جزا دے ان کی کمائیوں کے موافق تو کہہ دے اے میرے مومن بندو تم اپنے رب سے ڈرتے رہو وہ لوگ جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیکی ہے اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے صابروں کو بے شمار اجر ملے گا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ مومنوں کو فرماتا ہے کہ وہ کفار کے عذابوں کو صبر سے برداشت کریں اور دوسرے ملکوں میں ہجرت کر جاویں اگر انکی جانیں ان کے اپنے وطن میں ان پر دوبھر ہوگئی ہیں کیونکہ خدا کی زمین وسیع ہے چنانچہ ان ایام میں مسلمانوں کو سخت مصائب صبر سے جھیلنے پڑے اور آخرکار اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہنا پڑا اور اجنبی ملکوں میں پناہ لینی پڑی آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبار ابی سینیا (حبشہ) کی طرف بھاگنا پڑا لیکن ان کے مخالفین کا غضب یہاں تک بڑھا ہوا

تھا کہ وہ وہاں تک بھی بغیر تعاقب کئے رہ نہ سکے ایک سفارت اس
ملک کے عیسائی بادشاہ کی طرف بھیجی گئی کہ یہ لوگ ان کو دئے جاویں
گر وہ ناکام پھرے۔ قریشی سفیروں کی یہ ناکامی اور بھی مغرور دشمن
کے سخت غضب بھڑکنے کا باعث ہوئی اور اس نے دوگنے جوش
کے ساتھ مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کو تکلیف دینی شروع کی۔
آخر کار جب مدینے کے چند لوگوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو آپ نے یہ دیکھ کر کہ اب قریش کا ظلم
اور تعدی بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کو فرمایا کہ تم اب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ
اللہ تعالے نے تمہارے لئے اس مقدس شہر میں اپنے۔ بھائی
بنا دئے ہیں اور تمہیں وہاں ایک گھر دیا ہے۔ جہانکہ تم آرام پا سکتے
ہو اس لئے قدوسیوں کی جماعت آکر آہستہ آہستہ دو دو تین
تین کرکے اپنے اپنے پناہ گاہ کی طرف ہجرت کرکے چلی گئی کفار
مکہ نے بڑے مصمم ارادے سے یہ سازش کی کہ رسول کریم صلے اللہ
علیہ وسلم کی جان مبارک پر حملہ کریں لیکن اللہ تعالے نے آپ کو
ان کی سازش سے اطلاع دے دی اس لئے آپ کو آپ کے
صحابہ کے پیچھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی اس طرح
سے کفار مکہ کے ظلم سے تنگ آکر تمام مسلمان اپنے عزیز وطن
کو ترک کرکے پردیس میں بھاگ گئے سوائے چند آدمیوں کے

جو یا تو کفار کے قبضے میں تھے یا ان کے قیدی تھے یا ایسے ضعیف تھے کہ وہ بھاگنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے لیکن ٹھیک جیسا کہ ان کی دشمنی اور مخالفت سے پہلے مہاجروں کا تعاقب حبشے تک کیا تھا ویسا ہی انھوں نے اس دفعہ بھی ان نئے مہاجروں کا تعاقب مدینہ طیبہ تک کیا مہاجرین کے اس نئے گروہ کو مدینے گئے ہوئے ایک سال بھی نہیں گذرا تھا جب کہ دشمن کی متفقہ فوج مکہ سے روانہ ہوئی تاکہ وہ مسلمانوں کا اس نئے پناہ گاہ میں کام تمام کر دے ایسے نازک وقت میں خدا نے ان کو محض دفاع کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت بخشی وہ آیت شریف جس میں دفاع کی اجازت بخشی گئی یہ ہے۔

ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ط ان اللہ لقوی عزیز (سورۃ الحج رکوع ۶)

تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے دفاع کرتا ہے اللہ کو خائن اور ناشکر گذار لوگ پسند نہیں ہیں اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو

جن سے لڑائی کی جاتی ہے کیونکہ وہ بہت مظلوم ہیں اور اللہ انکی مدد کرنے پر بڑی قدرت رکھتا ہے وہ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اس لئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ اس طرح بعض کا بعض سے دفاع نکرتا رہے تو یہ راہبوں کے تکیے گرجے اور یہودیوں کے معبد خانے اور مساجد مسمار کر دیے جائیں حالانکہ ان مکانوں میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے اللہ بڑی قوت والا اور بڑی عزت والا ہے۔ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے تلوار اس لئے نہیں اٹھائی تھی کہ وہ کفار کو جبراً مسلمان کریں یہ صرف اس لئے تھا کہ وہ بغیر اپنے کسی جرم کے ناحق ستائے جاتے تھے صرف اتنی بات پر کہ وہ ایک خدائے قادر مطلق پر ایمان لائے تھے اور اس لئے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب اور گھروں سے نکالے گئے تھے اس لئے کہ خواہ مخواہ ان سے جنگ کی جاتی تھی اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلامیوں نے تلوار اٹھانے میں ابتدا نہیں کی ہاں انہوں نے اُس وقت تلوار اٹھائی جب انکے برخلاف ہتھیار اٹھائے گئے تھے۔ اور وہ بھی اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بعد لیکن چونکہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کافی نہ تھی کہ وہ دشمن کی متفقہ افواج کا مقابلہ کر سکتی اس لئے اللہ تعالےٰ نے خود مدد دینے کا وعدہ فرمایا اور پھر

خدا فرماتا ہے کہ اگر خدا لوگوں کا دفاع نہ کرتا رہے بعض کا بعض سے تو یہ تمام معبد خانے جس میں خدا کا مبارک نام لیا جاتا ہے۔ بالکل تباہ کر دیئے جائیں" اس آیت سے بھی کھلے طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا مسلمانوں کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا تاکہ دیگر مذاہب کے معبدوں کو منہدم کریں یہ تعلیم اس قول کے کھلے طور پر تردید کرتی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تلوار اس غرض سے اٹھانے کا حکم دیا کہ تلوار کے ذریعے سے اسلام کی اشاعت کیجاوے اور جبرًا لوگوں کو مسلمان کیا جاوے سب سے پہلی آیت میں جس میں لڑنے کی اجازت دی گئی مسلمانوں کو سکھلایا گیا کہ ہر مذہب کے متبعین کو یہ اجازت دی جاوے کہ وہ خدا کی عبادت کریں جس طرح چاہیں اور ان کے عبادت گاہوں کی عزت کیجاوے پھر یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے لڑنے کی اجازت اس لئے دی کہ جبرًا دوسرے مذاہب کے پیروں کو مسلمان بنایا جاوے دفاع کی اجازت صرف اس لئے دی گئی تھی کہ دشمن اسلام اسلام کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتا تھا اور اگر اس کا دفاع نہ کیا جاتا یعنے اس کو اس بد ارادے سے روکنے کی کوشش نہ کیجاتی تو مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت بالکل دنیا سے نابود ہو جاتی۔ قران شریف اس کی شہادت دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا

(سورۃ بقرہ رکوع ۲۷) اور تم سے ہمیشہ وہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو کافر بنائیں اگر وہ طاقت پاسکیں یہ امر کہ تلوار صرف ظلم کرنے والوں کے مقابل میں اٹھائی گئی تھی قرآن شریف کی اور آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم (سورۃ توبہ رکوع ۲) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑتے جنھوں نے اپنے عہد و پیمان کا کچھ پاس نہ کیا اور اس کو توڑ دیا اور انھوں نے رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنسا والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا (سورۃ النساء رکوع ۱۰) اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ہو اور ضعیف مرد اور عورتیں اور بچے جو ہر وقت یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہم کو اس گاؤں سے نکال دے ان کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے تو اپنے حضور سے ہمارا مددگار بنا دے " نیز مسلمانوں کو جو ترغیب مندرجہ بالا آیات میں دی گئی ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے خونی دشمن سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ

بلحاظ تعداد اور قوت کے ان سے بہت بڑھا ہوا تھا اور اگر خدا کا
حکم اور متواتر مدد کا وعدہ نہ ہوتا تو مسلمان اپنے عظیم الشان
دشمن کا مقابلہ کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتے یہی امر اور آیات
سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف فرماتا ہے۔
واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان
غیر ذات الشوکۃ تکون لکم (سورۃ الانفال رکوع ۱۱) اور جب
اللہ تعالےٰ تم کو وعدہ دیتا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک
تمہارا ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ وہ گروہ وہ ہو جس کے پاس
ہتھیار نہ ہوں کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قلیل
جماعت جو حسب آیات قرآنی ابتداء میں عظیم الشان دشمن
کے ساتھ لڑنے سے ڈرتی تھی . . . .
. . . . اس نے اپنے خونی دشمنوں کو جبراً مسلمان
کرنے کے لئے تلوار اٹھائی یہ امر کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے
کے لئے تلوار نہیں اٹھائی گئی اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ
مسلمانوں کو صرف ایسے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت
دی گئی تھی جو ان کے ساتھ جنگ کریں ہر ایک کافر کے
ساتھ جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور وہ کفار جو مسلمانوں کو
تکلیف نہیں دیتے تھے اور ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے
ایسے کفار سے صرف لڑنا ہی منع نہ تھا بلکہ ان سے دوستانہ

تعلقات رکھنے کی بھی اجازت تھی اور ان سے عہد و سلوک کرنے
کی اجازت تھی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے اور ان سے بھی حد سے
آگے بڑھنا ہرگز جائز نہیں رکھا گیا تھا اور اگر وہ لڑائی سے باز آجاویں
تو پھر ان سے بھی لڑنا ہرگز جائز نہ تھا لڑائی صرف اس وقت تک
جاری رہ سکتی تھی جب تک دوسری جماعت ان سے لڑتی۔
اور اگر دوسرا فریق لڑائی سے دست کش ہو جاتا۔ تو اسلامیوں
کو بھی فوراً لڑائی بند کرنے کا حکم تھا اور اثنائے جنگ میں بھی
مسلمانوں کو قوانین انصاف کی پابندی لازمی تھی یہ سب امور
قرآن شریف کے مندرجہ ذیل آیات میں مفصل بیان کئے گئے
ہیں۔ ۱۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔
ان اللہ لا یحب المعتدین لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے
جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے آگے مت گزرو۔ اللہ تعالےٰ کو
حد سے تجاوز کرنے والے پسند نہیں ہیں۔ (سورہ بقر رکوع ۲۴)
۲۔ فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ
علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین پس جو کوئی
تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر
زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرو اللہ متقیوں کے ساتھ ہے (سورہ
بقر رکوع ۲۴) فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم
فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلاً اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار

کرلیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیام بھیج دیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں رکھی یعنے تمہارے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ ان سے لڑائی کرو (سورۃ النساء رکوع ۱۲)

۴- فان لم یعتزلوکم و یلقوا الیکم السلم و یکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم و اولئکم جعلنا لکم علیھم سلطٰناً مبیناً اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور نہیں صلح کا پیام نہ دیں اور تم سے اپنے ہاتھوں کو بند نہ کریں تو ان کو پکڑو اور ان سے لڑائی کرو جہاں تم ان کو پاؤ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ لڑنے کے لئے تم کو صاف حق پہنچتا ہے (سورۃ النساء رکوع ۱۲) (۵) قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف - تو کافروں کو کہدے اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آجاویں تو ان کی گذشتہ ظلموں کو معاف کر دیا جاوے گا (سورۃ انفال رکوع ۵) (۶)- وان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ اور اگر صلح کیطرف جھکیں تو تو بھی صلح کے لئے جھک جا اور اللہ پر بھروسہ کر وہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں تو اللہ ہی تجھ کو کافی ہوگا (سورۃ الانفال رکوع ۸) آخری آیت میں یہ حکم دیا کہ کافروں سے صلح کرلیں جب کبھی وہ صلح کی درخواست کریں اور یہ خیال کہ دشمن دھوکے سے صلح کرتا ہے اور جب کبھی

وہ موقع پا ئے گا تو پھر مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جائے گا رسول
کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو صلح کرنے سے مانع نہیں ہو سکتا تھا صلح
کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قدر مستعدی صاف
بتا رہی ہے کہ آپ کیسے صلح جو اور امن پسند تھے محولہ بالا آیت
کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ یہ لڑائیاں اسلام کی اشاعت کے لئے
نہیں تھیں بلکہ امن کے قایم رکھنے اور ایمان داروں کی جان بچانے
کی خاطر اللہ تعالے نے مومنوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا تھا۔
لیکن اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر ویر تلطف
سلوک کیا مگر وہ فیاض دلی جس کے ساتھ آپ دشمنوں کی پیش کردہ
صلح کی تجویز کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے آپ کے دشمنوں
سے کبھی ظہور میں نہیں آئی اللہ تعالے اُن کی دغابازی کی طرف
مندرجہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے (۱) کیف وان یظہروا
علیکم لا یرقبوا فیکم الًّا ولا ذمّۃً یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم
واکثرھم فاسقون ۝ اشتروا بایات اللہ ثمنا قلیلا فصدوا
عن سبیلہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر وہ تم پر غالب آ جاویں۔
تو وہ تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ تک
نہیں کرتے تمہیں اپنے مونہ کی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں
اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر فاسق ہیں انہوں
نے آیات اللہ کے بدلے دنیا مول لے لی ہے پس انہوں نے اللہ

کی راہ سے روک دیا (سورہ توبہ رکوع ۲) (۲) لا یرقبون فی مومن الاً ولا ذمۃً واولئک ھم المعتدون وہ مومن کے بارے میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں (سورہ توبہ رکوع ۱) (۳) ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلاً منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین تو ہمیشہ ان کی خیانت پر اطلاع پاتا رہے گا سوائے چند کے تو ان سے درگذر کر اور معاف کر اللہ تعالےٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ المائدہ رکوع ۳) یہ آیات وضاحت سے بیان کر رہی ہیں کہ کافر اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہتے تھے اور وہ ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پھر بھی یہ حکم تھا کہ آپ ان سے جہاں تک ممکن ہو درگذر فرماتے رہیں لہذا جب کبھی وہ صلح کی درخواست کرتے اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوراً تسلیم فرما لیتے اور ان کے گذشتہ قصوروں اور خطاؤں کو بالکل نسیاً منسیاً کر دیتے اور جب وہ عہد کو توڑ دیتے۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے اس لئے نہ لڑتے تھے کہ ان سے اسلام قبول کرایا جائے بلکہ اس لئے کہ وہ تعدی اور ظلم سے رک جاویں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون (سورہ توبہ رکوع ۲) اور

اگر وہ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ لڑائی کرو تحقیق ان کا عہد و پیمان نہیں شاید وہ باز آجائیں لیکن اگرچہ مسلمانوں کو صرف ان ہی کے ساتھ لڑنے کا حکم تھا جو ان کے ساتھ لڑتے تھے مگر پھر بھی ان کو انصاف کی پابندی کی سخت تاکید تھی خدا تعالے نے مسلمانوں کو فرمایا ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شديد العقاب (سورۃ مائدہ رکوع ۱) اور نہ ترغیب دے تم کو کسی قوم کی دشمنی اس لئے کہ اس نے روکا تھا تم کو مسجد حرام سے یہ کہ تم کو حد سے گذر جاؤ نیکی اور تقوے پر مدد کرو گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اللہ تعالے سے ڈرتے رہو اللہ سخت پکڑنے والا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم على ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوى واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (سورہ مائدہ رکوع ۲)۔
اے مومنو! ہو جاؤ کھڑے ہونے والے اللہ کے لئے گواہ ساتھ انصاف کے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ترغیب نہ دے اس بات کی کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ بہت قریب ہے تقوے کے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ تعالے تمہاری کرتوتوں کو جانتا ہے۔ بدی کرنے والوں کو سزا

دینے میں انصاف کی سخت پابندی کی جاتی تھی اور جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا نرمی اور معافی کو ترجیح دی جاتی تھی قرآن شریف فرماتا ہے وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہٖ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (سورہ نحل رکوع ۱۶) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی کہ تمھیں سزا دی گئی اور صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (سورہ حم۔ سجدہ رکوع ۵) عمدہ تدبیر سے برائی کو دور کرو پس ناگہاں وہ شخص کہ درمیان تیرے اور اس کے عداوت ہے گویا کہ وہ پکا اور گرم۔ دوست بن جائے یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے مخالفوں کی گذشتہ بیرحمیوں اور ظلموں کو معاف کرنے کے لئے طیار رہتے تھے اگر ذرا بھی شرارتوں سے باز رہنے کا میلان دکھاتے ۔۔۔ یہ امر کہ اسلامی لڑائیاں اس غرض سے اختیار نہیں کی گئیں تھیں کہ اسلام کا فروں میں جبراً پھیلایا جائے مندرجہ ذیل آیت سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذالک بانھم قوم لا یعلمون (سورۃ توبہ رکوع ۱) اور اگر کوئی مشرکوں میں سے پناہ مانگے تو ان کو پناہ دے دے ۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے پھر اس کو اس کی امن کی

تکبر چھپا دے یہ اس لئے ہے کہ وہ بے علم قوم ہے ۔ اُن کافروں
کی بابت جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے مسلمانوں
کو یہ حکم تھا کہ وہ ان سے حسن سلوک کریں قرآن شریف فرماتا
ہے کہ لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین
ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیہم
ان اللہ یحب المقسطین (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲) خدا تم کو منع
نہیں کرتا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں
کی مذہب کی خاطر اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے
نہیں نکالا یہ کہ تم ان سے نیکی کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ
برتو اللہ تعالے کو انصاف کرنے والے بہت پسند ہیں ۔
انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم
من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم و
من یتولھم فاولئک ھم الظالمون (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲)
تحقیق اللہ تعالے منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جنہوں نے
تم سے لڑائی کی دین کے معاملے میں اور انہوں نے تم کو
تمہارے گھروں سے نکال دیا اور انہوں نے تمہارے نکالنے
پر مدد دی ان کو اپنا دلی دوست مت بناؤ اور جو ان سے دوستی
گانٹھے گا وہ ضرور ظالم ہو جائے گا ۔
مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ عہد پر پکے رہیں جب تک

کافر عہد پر قائم رہیں مندرجہ ذیل آیت بتاتی ہے کہ بعض مسلمانوں پر عہد پر قائم رہنے والے کافروں کو ترجیح دی جاتی تھی۔
والذین امنوا ولم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شئی حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر (سورہ انفال رکوع ۱۰) اور وہ جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے ہجرت نہیں کی اور ایسوں سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے بارے میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے ہاں مگر اس قوم کے مقابلے میں تم ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ جس قوم سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ دیکھو کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرنے میں کیسی احتیاط کرنی پڑتی تھی۔

مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی جان محض اس کے برے عقائد کی بنا پر لینے کی اجازت نہ تھی خدا تعالے فرماتا ہے من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعًا (سورہ مائدہ رکوع ۵) جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے قتل کرتا ہے یا بغیر کسی فساد کے زمین میں تو گویا وہ تمام جہان کو قتل کرتا ہے۔

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعًا اور جو کوئی اس نفس کی جان بچاتا ہے پس گویا وہ تمام جہان کی جان بچاتا ہے (سورۃ مائدہ رکوع ۵)

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ اسلام کی اشاعت بذریعہ شمشیر نہیں ہوئی اور نہ اس غرض کے لئے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیاں کیں تلوار صرف ان کو روکنے کے لئے اُٹھائی گئی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف پہلے پہل تلوار اُٹھائی اور جن کو اگر روکا نہ جاتا تو وہ اسلام کے نام کو بھی صفحہ دنیا سے مٹا دیتے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ تلوار کو فوراً نیام میں داخل کر لیں اگر دشمن تعاقب سے باز آ جائے کافروں کو بار بار بتایا گیا تھا کہ مسلمان لڑنے سے باز آ جائیں گے اگر وہ اپنی تعدیوں سے رک جائیں مذکورہ بالا آیتیں بالکل صاف بتا رہی ہیں کہ عیسائی واعظ کا قرآن شریف پر یہ الزام لگانا کہ اس نے مسلمانوں کو بذریعہ شمشیر اسلام پھیلانے کا حکم دیا ہے پرلے درجے کی بے انصافی ہے۔ وہ عمداً ان آیات کے ذکر کو چھوڑتا ہے جو کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت کے وجوہ کھلے طور پر بیان کرتی ہیں اور صرف چند متفرق آیات کا ذکر کرتا ہے جن میں جنگوں کے لئے مسلمانوں کو تحریص دی گئی ہے اور پڑھنے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ گویا مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کافروں سے لڑیں یا ان کو تہ تیغ کریں یا وہ اسلام قبول

کرلیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس الزام کے بے بنیاد ہونے کا
کافی ثبوت ہو چکا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فتح
جو مسلمانوں کو نصیب ہوتی تھی وہ مسلمانوں کی طاقت کی وجہ
سے نہ تھی بلکہ وہ تائید الہیہ تھی جس کا ابتدا میں ہی ان سے
وعدہ ہو چکا تھا میں نے پہلے وہ آیات نقل کر دی ہیں جن میں
مسلمانوں کو فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے طاقت ور دشمن سے خوفزدہ
نہ ہوں کیونکہ خدا ان کو اپنی خاص تائید سے مدد دے گا اور یہ
وعدہ بڑی صراحت کے ساتھ پورا ہوا مسلمانوں کی فتح اُنکے
ہتھیاروں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالےٰ
نے ظاہر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دشمنوں پہ فتح دی۔
جیسا کہ اس نے انبیاے سابقین کو اُن کے دشمنوں پر فتح دی
تھی اور مومنوں کے سخت جانی دشمن ویسے ہی عذاب کا شکار
ہوئے جیسا کہ ان کے پہلے کذابین کا حال گزر چکا تھا فرعون کا
اور خدا کے دوسرے انبیا کے دشمنوں کا۔ اور اس طرح وہ پیشگوئیاں
پوری ہوئیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے
برخلاف ایسے وقت میں کی تھیں جب کہ آپ اور آپ کے صحابہ کی
قلیل جماعت مکہ کے بے رحم دشمن کی سختی کا تختۂ مشق ہو رہے تھے۔



مکہ معظمہ میں اسلام کا پھیلنا

مکہ معظمہ وہ شہر ہے جہاں اسلام پیدا ہوا اور جس طور سے اسلام اس مبارک شہر میں پھیلا۔ وہ صاف ثابت کر رہا ہے کہ اسلام دنیا میں اپنی قوت قدسیہ اور اپنی سچائی کے زور سے پھیلا نہ کسی اور ذریعے سے۔

عرب کی حالت اور خصوصاً مکہ معظمہ کی حالت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت ایسی تھی کہ اسلام کی قبولیت کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اہل عرب بت پرستی پر ایسے جمے ہوئے تھے اور شرک کی جڑیں عرب کی سرزمین میں ایسی گہری گڑی ہوئی تھیں کہ بنی اسرائیل کے نبی بھی اپنی قوم کے آگے اہل عرب کو بطور مثال کے پیش کرتے اور جب اُن کی قوم واحد خدا کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کی پرستش اختیار کرتی تو اُن کو ملامت کرتے کہ تم اپنے سچے خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو حالانکہ عرب کے ریگستان کی قوم بنی قیدار اپنے جھوٹے معبودوں پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ کوئی چیز اُن کو بت پرستی سے پھیر نہیں سکتی (یرمیاہ۔ باب ۲۔ ورس ۱۰-۱۲)۔

کئی انبیاء عرب کی حدود پر ظاہر ہوئے مگر اُن کی تعلیم کا اثر اہل عرب تک نہ پہنچا۔ عیسائیت کی لہر بھی دنیا کے ایک بڑے حصے پہ پھیل گئی مگر عرب کا ریگستان جو عیسائیت کے پڑوس میں واقع تھا وہ ایسا ہی خشک پڑا رہا جیسا پہلے تھا۔ سر ولیم میور اپنی کتاب لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے۔

"اگرچہ عیسائی ۵۰۰ سال تک ملک عرب میں عیسائیت کو پھیلانے کی کوشش کرتے رہے مگر پھر بھی سوائے ایک قلیل تعداد کے کسی نے عیسائی مذہب کو قبول نہ کیا۔ یہود نے بھی اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے بہت کوشش کی اور ان کی طاقت بھی عیسائیوں سے کہیں بڑھ کر تھی مگر آخر وہ بھی تھک کر رہ گئے"

پھر اپنی کتاب کے دیباچہ صفحہ ۷۸ پر لکھتا ہے "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور سے پہلے ملک عرب کی حالت جیسے ملکی اتحاد اور تمدنی اصلاح کے مخالف تھی ایسے ہی مذہبی اصلاح کے بھی مخالف تھی۔ عربوں کے مذہب کی بنیاد ایک نہایت ہی گہری بت پرستی پر قائم تھی جس پر شام اور مصر سے کئی حملے کئے گئے مگر صدہا سال تک اس نے ان حملوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور اس میں کوئی زوال یا کمزوری کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے" عرب کی حالت ہمیشہ سے ایسی چلی آتی تھی کہ وہاں کبھی اصلاح میں کامیابی حاصل کرنے کی کسی کو امید نہیں ہوئی۔ مگر

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حالت اور بھی ابتر تھی۔ چنانچہ سرولیم میور، اس امر کی شہادت دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جوانی کے زمانے میں جزیرہ نما عرب میں آبائی مذہب پر قائم رہنے کا میلان بڑے زور کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ اور شاید کسی پہلے زمانے میں اصلاح کی ایسی مایوسی کی حالت نہیں تھی جیسا کہ اس وقت تھی"۔

علاوہ ازیں اسلام ایک رنگ کی جمہوریت کی تعلیم دیتا تھا اور اسلام کے خدا کی نظر میں سب انسان ایک رنگ کی مساوات رکھتے تھے اور وہ تمام امتیاز جو قدیم سے اہل عرب میں چلا آتا تھا اسلام نے اس کو بالکل محو کر دیا تھا۔ اس لئے عرب کے قبائل کے نزدیک اسلام ایک انقلاب پیدا کرنے والا مذہب تھا اور اُن کو خطرہ تھا کہ وہ عرب کی دیرینہ رسوم اور پیاری یادگاروں کو مٹا دیگا۔ اہل مکہ کو خصوصاً خطرہ تھا کعبے کے بتوں کی پرستش اُن کے دلوں میں جاگزین تھی۔ اور کعبہ نہ صرف مکہ والوں کے لئے بلکہ کُل عرب کے لئے موجب فخر تھا۔ وہ گھر جو پہلے خدا (واحد) کی پرستش کے لئے کھڑا کیا گیا تھا اب اُس میں اس قدر بت تھے جتنے کہ سال میں دن ہوتے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے تمام اطراف سے لوگ جوق در جوق کعبے کی زیارت کے لئے آتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کو ایک خاص عزت اور اقتدار حاصل ہو گیا۔ وہ

کعبے کے بتوں کے محافظ اور چابی بردار تھے اور وہی کعبے میں پوجا کرانے کے پروہت تھے۔ ایک دوسرا فائدہ ان کو یہ تھا کہ کعبہ کل جزیرہ عرب کا مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے تمام عرب کا تجارتی مرکز بھی ہو گیا تھا اور اس طرح کعبے کی پوجا قائم رکھنے میں ان کا دنیاوی فائدہ بھی تھا۔ اور وہ کعبے کے بتوں کے قیام پر اپنا قیام منحصر سمجھتے تھے۔ اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بت پرستی کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کفار مکہ کو خوف تھا کہ اسلام کے پھیلنے سے نہ صرف ملک عرب میں ان کا رعب و اقتدار معدوم ہو جائے گا بلکہ اس تجارت کو بھی نقصان پہنچے گا جس پر ان کی معاش کا بہت کچھ انحصار تھا۔ اور اسلام کی کامیابی کے بعد ان کی ساری عظمت جاتی رہے گی اس لئے انھوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ اسلام مکہ معظمہ اور قبائل عرب میں پھیلنے نہ پائے تا قدیمی رواج قائم رہیں اور ان کی عزت اور عظمت میں کچھ فرق نہ آئے۔ نہ صرف مذہبی لحاظ سے وہ بتوں کی حمایت کرتے تھے بلکہ اپنی دنیاوی وجاہت اور حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے بھی وہ اسلام کی اشاعت کو روکنا ضروری سمجھتے تھے۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوے کیا تو جو لوگ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے وہ ایسے اشخاص تھے جو آپ کے حالات سے نہایت ہی گہری واقفیت رکھتے تھے۔

آپ کی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ آپ کی لڑکیاں۔ آپ کا چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اور آپ کے محرم راز دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اور آپ کے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ حضرت ابوبکر رضہ کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کے لئے نہیں بلایا جس نے کچھ تامل نہ کیا ہو سوائے ابوبکر رضہ کے کیونکہ جب مینے اُس کے آگے اسلام پیش کیا تو اس نے اُس کے قبول کرنے میں کچھ دیر نہ لگائی اور کچھ شک وشبہ نہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضہ کے متعلق ولیم میور لکھتا ہے کہ وہ جلدی سے یا جوش سے وہ کسی کام کو نہایں کرتے تھے۔ ہرایک کام وہ سوچ سمجھ کر اور اطمینان اور یقین کے ساتھ کرتے تھے۔ اُن کی رائے بڑی صائب اور انصاف پر مبنی ہوتی تھی۔ اُن کی تقریر نہایت ہی دلپذیر تھی اور اُن کے اخلاق نہایت ہی پسندیدہ اور دل کش تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش اُن کی مجلس اور مشورے کو بہت طلب کرتے تھے اور وہ تمام شہر بھر میں ہر دل عزیز تھے" (لائیف آف محمد صفحہ ۵۶) ان پہلے مومنین کا ایمان جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کے محرم تھے اور علاوہ ازیں نہایت سمجھ دار اور راستباز آدمی تھے ان کا ایمان لانا اور پھر صدق دل سے ایمان لانا اور

ہمیشہ جاں نثار رہنا اس امر کی ایک کھلی کھلی اور زبردست شہادت ہے کہ آپ کے دعوے کی بنا نہایت سچائی اور صداقت پر تھی۔ یہ ایسی صریح شہادت ہے کہ دشمن اسلام ولیم میور بھی اس شہادت کو تسلیم کرتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "یہ امر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا بڑے زور سے موید ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا وہ نہ صرف راست باز لوگ تھے بلکہ آپ کے محرم راز دوست یا آپ کے خاندان کے لوگ تھے۔ جو کہ آپ کی پرائیویٹ زندگی سے کامل آگاہی رکھتے تھے اور وہ اُس اختلاف سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے جو کہ ایک مفتری کی اندرونی اور بیرونی حالت میں لازمی طور پر ہوتا ہے" جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اُن میں آپ کا آزاد کردہ غلام زید بھی تھا۔ وہ چھوٹی عمر میں ایک لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور حضرت خدیجہ رضہ کے بھتیجے نے اُس کو خرید کر کے حضرت خدیجہ رضہ کو خدمت کے لئے دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضہ نے اُسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اُسے فوراً آزاد کر دیا مگر زید رضہ آپ کے حسن سلوک اور اعلےٰ اخلاق کو دیکھ کر آپ کا غلام ہو گیا اور اگرچہ اُس کے رشتہ دار اُس کا پتہ لگا کر مکہ معظمہ میں آئے اور اس کو واپس لے جانا چاہا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے جانے کی اجازت

دے دی مگر وہ آپ پر ایسا شیدا تھا کہ اس نے اپنے باپ کے ساتھ اپنے وطن مالوف میں جانا گوارا نہ کیا اور آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

جیسا حضرت ابوبکر رضؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوے سنتے ہی آپ کے دعوے کی تصدیق کی تھی اسی طرح ایک اور بزرگ یہ سنتے ہی کہ آپ کے پاس خدا کا فرشتہ کلامِ الٰہی لے کر آیا ہے پکار اُٹھا۔ قدوس قدوس۔ والذی نفس ورقة بیده لقد جاءه الناموس الاکبر الذی کان یاتی موسی وانه لنبی هذه الامة کہ یہ ناموس الاکبر ہے جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا اور آپ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ بزرگ ورقہ بن نوفل تھے۔ جو یہود اور نصارے کی کتابوں سے اچھی واقفیت رکھتے تھے اور ان پیشگوئیوں کا بھی اُن کو علم تھا جو ایک آنے والے نبی کے متعلق تھیں ورقہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ خدائے تعالےٰ نے آپ کو نبوت کے درجے کے لئے انتخاب کیا ہے۔ آپ کے پاس ناموس الاکبر آیا ہے۔ قوم آپ کی تکذیب کرے گی۔ اور آپ کو تکلیف دے گی اور آپ کے ساتھ جنگ کرے گی اور جب کبھی آپ جیسا نبی دنیا میں آیا تو ہمیشہ قوم نے اس کی مخالفت کی۔ کاش کہ میں بھی اُس وقت تک زندہ رہوں، اور

آپ کے لئے لڑوں۔

اوّل اوّل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر اپنے اقارب اور آشناؤں میں دعوت شروع کی چونکہ ابتداء سے ہی سخت مخالفت شروع ہوگئی تھی اسلئے آپ کھلے طور پر نماز ادا نہیں کرسکتے تھے اور ابتداء میں آپ اور آپ کے صحابہؓ تنہا مقامات میں نماز ادا کرنے جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اور حضرت علیؓ تنہائی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو طالب وہاں آنکلے اور پوچھا یا ابن اخی ماھذا الدین الذی اراک تدین بہ یعنی اے میرے بھتیجے۔ یہ کیا دین ہے کہ جس میں تجھے چلتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر نہایت ہی لطف سے اپنے چچا کو مندرجہ ذیل محبت آمیز الفاظ میں تبلیغ شروع کی۔ ای عم ھذا دین اللہ ودین ملئکۃ ودین رسلہ ودین ابینا ابراھیم۔ بعثنی اللہ بہ رسولا الی العباد وانت ای عم احق من بذلت لہ النصیحۃ ودعوتہ الی الھدی واحق من اجابنی علیہ واعاننی علیہ۔ اے میرے چچا۔ یہ دین ہے خدا کا۔ خدا کے فرشتوں کا اور خدا کے انبیاءؑ کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا۔ خدائے تعالےٰ نے مجھے اس دین کے ساتھ رسول بناکر دنیا کی طرف بھیجا ہے اور میرے چچا تو سب سے زیادہ اس بات کے لائق ہے کہ میں تجھے نصیحت کروں اور ہدایت کی طرف

بلاؤں اور لوگوں میں سے تو سب سے زیادہ اس بات کے لایق ہے کہ میری دعوت کو قبول کرے اور اس کام میں میرا مددگار ہو۔ اس پُرشفقت تبلیغ کے جواب میں ابو طالب نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے۔ میں اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں تجھے کوئی شخص تکلیف پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکیگا۔ پھر اپنے بیٹے علیؓ کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہے۔ علیؓ نے جواب دیا کہ اے میرے باپ۔ میں اللہ تعالےٰ اور اُسکے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اُس کی اتباع کرتا ہوں۔ اسپر ابو طالب نے کہا اما انہ لم یدعک الا الی الخیر فالزمہ۔ یعنی مجھے یقین ہے کہ وہ تجھے نیکی کی طرف بلائیگا پس تجھے اجازت ہے تو اُسکی اتباع کر۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین تھا اسی لئے اس نے بیٹے کو اجازت دی کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے مگر خود اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا پسند نہ کیا اسلئے نہیں کہ وہ اس مذہب کو سچا سمجھتا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ اُس کے باپ دادوں کا مذہب تھا اور اس میں وہ اپنی ہتک سمجھتا تھا کہ آبائی مذہب کو چھوڑکر لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا تبلیغ کا کام برابر جاری رکھا اور ان لوگوں کے بعد جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حضرت عثمانؓ بن عفان جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرے خلیفے تھے۔ عبد الرحمٰن بن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص فاتح ایران حضرت خدیجہؓ کا برادر زادہ حضرت زبیرؓ اور طلحہ مسلمان ہوئے پہلے تین سال کے عرصہ میں جن اشخاص نے برملا اسلام قبول کیا اور جن کے ناموں کا پتہ لگ سکتا ہے اُنکی تعداد چالیس کے قریب ہے۔ ممکن ہے کہ اصل تعداد اس سے زیادہ ہو مگر چالیس کے قریب آدمیوں کے اسلام قبول کرنیکا ذکر بالصراحت پایا جاتا ہے۔

کفار کی طرف سے ایذا رسانی ابتدا ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ اوّل اوّل مسلمان کھُلے طور پر نماز بھی ادا نہیں کرسکتے تھے۔ اور کفار کے خوف کی وجہ سے پہاڑیوں کی کھڈوں اور وادیوں میں جاکر نماز ادا کرتے تھے۔ بعد ازاں غالباً بعثت کے چوتھے سال میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت ایک صحابی ارقم کے مکان میں جو کعبہ کے قریب تھا دروازہ بند کرکے نماز پڑھنے لگے اور اُسی مکان میں لوگ جاکر اسلام قبول کرتے اور اسلامی تعلیم کو سنتے۔ اسی جگہ صحابہؓ جمع ہوتے تھے یہانتک کہ بعثت کے چھٹے سال کے اختتام کے قریب حضرت عمرؓ

سنے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی روز افزوں کامیابی دیکھکر کفار خوف زدہ ہوگئے اور انہوں نے باقاعدہ طور پر مسلمانوں کو ستانا اور طرح طرح کا عذاب دینا شروع کیا۔ اُس زمانہ میں کوئی سلطنت نہیں تھی جو مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کرتی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر سخت ظلم کئے گئے خصوصاً اُن غریب مسلمانوں پر جنکا کوئی مربی یا محافظ یا زبردست قبیلہ نہیں تھا جو اُن کی حمایت کرے۔ اور اکثر مسلمان اسی قسم کے لوگ تھے کئی مسلمان غلامی کی حالت میں تھے اور اُن کے مالک اُنکو ناقابل برداشت تکالیف پہنچاتے۔ غریب مسلمانوں کو کفار پکڑتے اور قید میں ڈال دیتے یا جب سورج نصف النہار پر ہوتا اُن کو لیجاکر وادیوں کے جلتے ہوئے سنگریزوں اور جلانیوالی ریت پر لٹا دیتے اور پیاس سے اُنکی زبانیں باہر آجاتیں اور ایسے بیہوش ہوجاتے کہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اور اُن کے سینوں پر تپی ہوئی پتھر کی بھاری بھاری سلیں رکھی جاتیں۔ بعض اپنی جان بچانے کے لئے بظاہر اسلام سے انکار بھی کر دیتے مگر اکثر باوجود ان تکالیف کے اسلام پر قایم رہتے۔ کس قدر سخت تکالیف مسلمانوں کو دی جاتیں اور کیسی استقامت سے بیچارے مسلمان ان ظلموں کو برداشت کرتے یہ حضرت بلالؓ کے قصّہ سے

بخوبی واضح ہوتا ہے۔ حضرت بلالؓ کو اُنکا مالک اُمیہ بن خلف
ہر روز بطحا میں لے جاتا جب کہ سخت گرمی کا وقت ہوتا اور اُن کو
جلتی ہوئی ریت اور سنگریزوں پر لٹاکر اور اُن کا منہ سورج
کی طرف کرکے اُن کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا اور
کہتا کہ تو اسی حالت میں پڑا رہیگا یہانتک کہ تو اسلام سے انکار
کرے مگر حضرت بلالؓ کی استقامت دیکھئے کہ جب بھاری پتھر
کی وجہ سے ان کا دم گھٹا ہوا ہوتا تھا اور سخت پیاس سے مرتے
ہوتے تھے وہ یہی جواب دیتے تھے کہ اَحَدٌ اَحَدٌ
یعنی ایک ہی خدا ہے ایک ہی ہے۔ ظالم کئی دن تک لگاتار
ایسا ہی کرتا رہا یہاں تک کہ وہ موت کے کنارہ پر پہنچ گئے۔
آخر حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو خرید کر اُس ظالم کے پنجہ سے اُنکو
نجات دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اور بھی کئی غلاموں کو خرید کر
طرح طرح کی تکالیف سے اُن کو مخلصی دی۔ بعض صحابہ
رضی اللہ عنہم دوسری نسل کے لوگوں کو اُن زخموں کے نشان
دکھایا کرتے تھے جو اُن کو مکہ کی زندگی میں ظالم کفار کے
ہاتھ سے پہنچے۔

بعض مسلمان ظالم قریش کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھا اُٹھا کر
شہید بھی ہو گئے۔ ابوجہل نے حضرت عمارؓ کی والدہ سمیہؓ کو
ایسی تکلیف دی جس سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اُس بیچاری کے اندام نہانی میں برچھے مارے مگر اُس بہادر مظلومہ کی استقامت حیرت انگیز ہے کہ اُس نے اس ہیبتناک قتل کو منظور کیا مگر اسلام سے مُنہ نہ پھیرا۔ حضرت عمارؓ کے والد یاسرؓ بھی اسی طرح سخت تکلیف کے ساتھ شہید کیئے گئے۔ اور خود حضرت عمار کو بھی خوفناک تکالیف دی گئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان تکالیف کا مشاہدہ کرتے اور جو دُکھ آپ کو اپنے صحابہؓ کی تکلیف دیکھکر پہنچتا تھا اُس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

اوّل اوّل ایسے صحابہؓ جو زبردست قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے اپنے قبائل کی عصبیت کی وجہ سے اُن تکالیف سے محفوظ رہے جو اکثر مسلمانوں پر وارد ہوئیں جن کا کسی طاقتور قبیلے سے تعلق نہ تھا لیکن جب کفار نے دیکھا کہ اسلام روزبروز ترقی کر رہا ہے تو انہوں نے زیادہ سخت تجاویز سے کام لینا شروع کیا اور چونکہ بعض مسلمان اپنی اپنی قوم کی حمایت کی وجہ سے ایک حد تک محفوظ تھے اس لیئے آئندہ بالاتفاق یہ تجویز ہوئی کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے سے روکے اور اپنے اپنے رشتہ کے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر اُن کو اسلام سے پھیرے۔ اور اسی طرح ہر ایک خاندان اپنے اپنے دائرہ کے اندر اسلام

کی بیخ کنی کر دے اس نئی تجویز کے مطابق ہر ایک قبیلہ نے اپنے اپنے دائرہ کے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا اور اپنے سرداروں کی اولاد تک کو نہ چھوڑا چنانچہ ولیم میور شہادت دیتا ہے کہ جب بنی مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو سزائیں دیں ان مسلمانوں میں اُنکے بوڑھے سردار کا بیٹا ولید بھی تھا۔ وہ اُس کے بھائی ہشام کے پاس گئے اور اُس سے اجازت چاہی۔ ہشام اسلام کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اُس نے اجازت دیدی کہ اُس کے حقیقی بھائی کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے پیٹا جائے یہانتک کہ وہ اسلام سے باز آجائے صرف اتنی شرط لگائی کہ اُس کو جان سے نہ مارا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ممتاز خادم جیسے حضرت ابوبکرؓ بھی کفار کی ایذا رسانی سے نہ بچے۔ آپ اپنے مکان پر بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے جس کی کشش سے کئی لوگ آپ کے پاس آکر قرآن شریف سنتے اور اُس سے متاثر ہوکر کئی اسلام کو قبول کرتے۔ کفار اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور فساد پر آمادہ ہوگئے اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ قتل کئے جاؤ گے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ وسلم سے مشورہ کیا اور چونکہ جان خطرہ میں تھی اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

اُن کو مکہ معظمہ سے چلے جانے کی اجازت دیدی ۔حضرت ابوبکر شہر سے نکل گئے ۔ پھرتے پھرتے ایک قبیلہ عرب کے سردار سے اُنکی ملاقات ہوئی جسپر کہ انہوں نے پہلے ایک احسان کیا تھا۔ جب اُس کو آپ کے مکہ سے نکلنے کا حال معلوم ہوا تو اُس نے سخت تعجب کیا اور کہا کہ میں نہیں مان سکتا کہ آپ جیسے انسان کو اہل مکہ شہر سے نکال دیں اور وہ آپ کو واپس مکہ میں لایا۔ چونکہ وہ ایک زبردست جتھے کا انسان تھا قریش کے لئے اُسکی بات کا رد کرنا آسان نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابوبکرؓ کو اس شرط پر رہنے کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ قرآن شریف بلند آواز سے نہ پڑھے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں اس شرط کو منظور نہیں کرسکتا ۔مگر چونکہ سردار مذکور ایک طاقتور شخص تھا اور اُس نے زور دیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو مکہ میں رہنے سے روکنا نہ چاہیے اس لئے آخر قریش کو لاچار منظور کرنا پڑا مگر پھر بھی حضرت ابوبکرؓ اُس ایذا رسانی سے کلی طور پر محفوظ نہ تھے جو مکہ کے مسلمانوں کو قریش کی طرف سے برداشت کرنی پڑتی تھی۔

اگرچہ ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی تھا مگر پھر بھی آپ دشمنوں کی تکلیف دہی سے بالکل محفوظ نہ تھے۔ کفار کی ایذا رسانی صرف الفاظ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ حقیقی تکلیف پہنچانے سے بھی باز نہیں رہتے تھے کعبہ میں آپ کو عبادت

کرنے سے روکتے اور جدھر آپ تشریف لے جاتے آپ کا تعاقب کرتے۔ نماز میں جب آپ سجدہ میں جاتے غلاظت کے بوجھ آپ کی پشت مبارک پر رکھتے بدچلنوں اور گنڈوں کو ایذا رسانی کے لئے اکساتے بعض دفعہ آپ کی جان بھی خطرہ میں ہو جاتی۔ ایک دفعہ آپ طواف کعبہ کر رہے تھے کہ قریش کی ایک جماعت آپ کو تنہا پا کر یک لخت آپ پر اکٹھے ہو کر ٹوٹ پڑی اور آپ کی چادر کو پکڑ کر گلا گھونٹنا چاہا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ اتفاق سے وہاں آنکلے آپ نے انکو ڈانٹ کر کہا کہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ کیا تم ایک آدمی کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ تب وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ کے بر ملا اسلام ظاہر کرنے کا باعث بھی یہی ایذا رسانی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صفا پر بیٹھے تھے کہ ظالم ابوجہل وہاں جانکلا اور آپ کو نہایت شرمناک گالیاں دیں۔ آپ نے نہایت صبر سے اُس کی بدزبانی کو سنا اور برداشت کیا اور خاموش ہو رہے۔ ایک لونڈی اس واقعہ کو دیکھ رہی تھی۔ ابوجہل کی سختی اور آپ کی بُردباری دیکھ کر اُس کا دل بھر آیا۔ آپ نے تو کسی کے پاس اس امر کا ذکر نہ کیا مگر اُس لونڈی نے حضرت حمزہؓ کے پاس جو شکار سے واپس آرہے تھے بیان کیا کہ ابوجہل نے آج میرے

بھتیجے کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ حضرت حمزہؓ کی غیرت کب ایسی ہتک کو برداشت کر سکتی تھی۔ سیدھے ابوجہل کے پاس آئے جو ایک جماعت کے ساتھ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اُس کے سر پر اپنی کمان ایسے زور سے ماری کہ اُس کا سر زخمی ہو گیا اور کہا اتشتمہ فانا علی دینہ اقول مایقول فرد ذٰلک علیّ ان استطعت کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا رہا ہے جبکہ میں بھی آپ کا پیرو ہوں۔ اگر تجھے جرأت ہے تو میرے اس حملہ کا جواب دے اس کے بعد آپ برملا مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بہادر پہلوانوں میں سے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ ایک دن تلوار ہاتھ میں لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف قتل کے ارادہ سے روانہ ہوئے مگر پیشتر اس کے کہ وہ اپنی تلوار چلائیں ایک اور تلوار آپ کا کام کر گئی۔ خدا تعالیٰ نے اپنا ہاتھ دکھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ جو تلوار لیکر قتل کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو مسلمان ہو کر پہنچا۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے ایک لمحہ میں ایک خونخوار قاتل کو جان نثار خادم بنا دیا۔ وہ قرآن شریف تھا جس نے حضرت عمرؓ میں یہ حیرت انگیز معجزانہ تغیر پیدا کیا۔ حضرت عمرؓ تلوار لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف

جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے اُنسے کہا کہ تو پہلے اپنے
گھر کی تو خبر لے۔ تیری بہن اور تیرا بہنوئی دونو اُس شخص کے پیرو
ہو چکے ہیں جسکے قتل کرنے کے لئے تو جا رہا ہے اسپر حضرت عمرؓ
کا غصہ بھڑکا اور سیدھے اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔
اُس گھر میں حضرت جنابؓ سورہ طٰہٰ۔ گھر والوں کو سنا رہے
تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت جنابؓ اُن کے
ڈر سے چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے۔ قرآن شریف
کے پڑھنے کی آواز تو وہ سن ہی چکے تھے جب اُن کو اُس خبر کی
تصدیق ہو گئی جو انہوں نے راستہ میں سنی تھی۔ انہوں نے اپنے
بہنوئی پر حملہ کیا۔ اُنکی ہمشیرہ نے اپنے خاوند کے بچانے کے لئے
مداخلت کی۔ اس کشمکش میں اُن کی ہمشیرہ کو زخم لگ گیا اور
خون بہنے لگا۔ آخر وہ بھی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ جواب
دیا۔ ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ اور اس کے
رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اب جو کچھ تو نے کرنا ہے کر لے۔
اپنی ہمشیرہ کا چہرہ خون سے آلودہ دیکھکر حضرت عمرؓ کا دل نرم ہو گیا اور
پوچھا کہ وہ کاغذ کہاں ہے جو تم پڑھ رہے تھے۔ اُنکی ہمشیرہ نے جواب
دیا کہ تم مشرک ہو۔ تمھارے ہاتھ ناپاک ہیں۔ ناپاک ہاتھ اُس صحیفہ
کو چھو نہیں سکتے۔ غسل کرو پھر تم اُس کاغذ کو دیکھ سکتے ہو۔ حضرت عمرؓ
نے غسل کیا۔ اُنکی ہمشیرہ نے صحیفہ نکال کر دکھایا۔ حضرت عمرؓ نے

اُس صحیفہ کو پڑھنا شروع کیا اور اُس صحیفہ نے آپ کے دل کو مسخر کرنا شروع کیا۔ جب آپ سورہ طٰہٰ کا ایک حصہ پڑھ چکے تو بول اُٹھے۔ کہ یہ کلام کیسا احسن اور اکرم ہے۔ یہ سنکر حضرت جناب بھی باہر نکل آئے۔ حضرت عمرؓ سیدھے ارقم کے مکان پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے مسلمان کفار کے خوف سے دروازہ بند کئے بیٹھے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت حمزہؓ اور دیگر صحابہؓ نے بند دروازہ میں جھانک کر دیکھا تو چونک کر پیچھے ہٹ گئے اور بولے کہ یہ عمر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دروازہ کھولدو اور جب حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو آپ نے اُن کا دامن اور تلوار کی پیٹی پکڑ کر فرمایا کہ تو کب تک ہمیں ستائیگا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا " میں شہادت دیتا ہوں کہ تو خدا کا رسول ہے "۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ اے خدا دو عمروں میں سے (یعنی ابو جہل جسکا نام عمر تھا اور عمر بن خطاب میں سے۔ جو دونوں مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے) ایک عمر مجھے دے۔ سو خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور یہ آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ معجزانہ رنگ میں ایمان لائے۔ دعا کی اس قبولیت کو دیکھکر سب مسلمانوں کا ایمان بڑھا اور اُس دن سے مسلمان کھلے طور پر نماز ادا کرنے لگے۔

جب مسلمان ہر رنگ میں ستائے جارہے تھے اور جب دشمن

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں تلا ہوا تھا۔ آپ خدا تعالے
کے حکم کی تعمیل میں استقامت سے تبلیغ میں مصروف تھے۔ نہ
صرف آپ فرداً فرداً لوگوں کو تبلیغ کرتے بلکہ اپنا پیغام پہنچانے
کے لئے ہر مجمع میں تشریف لیجاتے۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے
آپ کو حکم تھا فاصدع بما تومر یعنی جو کچھ تجھے حکم ہوتا ہے
اسکو کھولکر بیان کر اور آپ اپنے فرض کی ادائگی میں ہمہ تن مصروف
رہتے۔ ہر ایک موقع تبلیغ کا جو آپ کو ملتا آپ اس موقع سے فائدہ
اٹھاتے۔ جب قریش کعبہ کے صحن میں اکٹھے ہو کر بیٹھتے آپ ان کو
آنیوالے عذاب سے ڈراتے اور جو جو عذاب دوسری قوموں پر
انبیاء کی تکذیب اور ان کے مقابلہ کی وجہ سے نازل ہوئے تھے ان
سے ڈراتے اور ان کو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کے بتوں اور جھوٹے
معبودوں کی پرستش سے ان کو روکتے۔ جب آپ کو حکم ہوا کہ
وانذر عشیرتک الاقربین۔ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں
کو عذاب سے اور کفر شرک کے بد نتائج سے ڈرا۔ تو آپ
صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو گئے اور مختلف قبیلوں کے
نام لے لے کر بلانا اور انا النذیر العریان کہکر
پکارنا شروع کیا۔ عرب میں رسم تھی کہ جب کوئی خطرناک
مصیبت یا خوفناک دشمن کسی شہر پر حملہ کرنے والا ہوتا

تو جس شخص کو اس آنے والی مصیبت یا حملہ آور دشمن کا پتہ
لگ جاتا تو وہ اپنے کپڑے اُتار اونٹنی پر سوار ہوکر دوڑتا
اور اُس کا ننگا ہونا اس امر کی علامت تھی کہ کوئی غیر معمولی
مصیبت شہر پر وارد ہونیوالی ہے۔ اسی رسم کی طرف اشارہ
کرکے آپ نے پکارنا شروع کیا انا النذیر العریان
یعنی میں ایک سخت اور خطرناک مصیبت سے تمھیں ڈراتا ہوں
جب اس للکار کو سنکر سب لوگ پہاڑی کے نیچے جمع ہوگئے
تو آپ نے فرمایا اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک
لشکر عظیم ہے جو عنقریب تمھارے شہر پر حملہ کرکے تمھیں تباہ کردیگا
تو کیا تم میری بات پر یقین کروگے یا نہیں۔ سب نے کہا ماجربنا
فیك الکذب۔ یعنی ہم نے تیری ساری عمر میں کبھی تجھے
خلاف واقعہ بات کہتے ہوئے نہیں سنا۔ تو ہمیشہ سچ بولتا ہے۔
اسپر آپ نے اُن کو اس عذاب سے ڈرایا جو انپر آنیوالا تھا اور
جس سے وہ اپنے ہی قبول کرکے بچ سکتے تھے۔ اسپر ابولہب نے
جو آپ کا چچا تھا ایک پتھر اٹھایا اور کہا تبا لك لھذا دعوتنا
سائر الیوم کیا اسی بات کے لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا۔
دیکھئے کیسی جانفشانی سے اور کن کن تجاویز سے باوجود شدت
عداوت اہل مکہ کے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے تھے۔
اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نہایت ہی رحیم کریم انسان تھے اور روح

چاہتے تھے کہ کسی طرح اُن کی قوم اپنے نبی کو قبول کرکے اُس عذاب سے بچ جائے جو انبیاءؑ کے مخالفوں پر ہمیشہ آیا کرتا ہے۔

بڑا ہتھیار جو آپ استعمال فرماتے تھے وہ قرآن مجید تھا۔ آپ اور آپ کے متبع تبلیغ کے وقت اکثر قرآن شریف پڑھ کر لوگوں کو سناتے۔ جب شاعروں کا کہیں مجمع ہوتا تو آپ اُنکی انجمن مشاعرہ میں جا نکلتے اور قرآن شریف سناتے۔ جب لوگ شادی کی تقریب پر جمع ہوتے آپ وہاں بھی تبلیغ کی نیت سے تشریف لے جاتے۔ بعض اوقات خود لوگوں کو دعوت کرکے دعوت کے بہانے سے اُن کو اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ جب اطراف کے لوگ حج کے لئے۔ یا تجارت کے لئے یا اپنے قومی نزاعوں کے فیصلہ کے لئے مکہ میں آتے آپ اُن کے پاس بھی تبلیغ امرالٰہی کے لئے تشریف لے جاتے۔ مگر قریش یہاں بھی جہاں تک اُن سے بن پڑتا تھا آپ کو تبلیغ سے روکتے۔ جب حج کا موسم آتا اور لوگ آنے شروع ہوتے تو کفار مختلف راستوں پر آدمیوں کو کھڑا کر دیتے جو آنے والے لوگوں کو کہتے خبردار محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے نہ ملنا اور نہ اوس کی بات کو سُننا۔ وہ خطرناک جادوگر ہے۔ جب آپ مختلف قبایل میں تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے تو ابولہب

آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیتا اور جب آپ لوگوں کو وعظ فرماتے تو وہ کہتا۔ کہ خبردار اسکی بات نہ مانیو۔ یہ جھوٹا شخص ہے جو اپنے آبائی مذہب سے پھر گیا ہے۔ جب ان حاجیوں اور تاجروں کا ہجوم منتشر ہوتا اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں جاتے تو جاکر یہ خبر سناتے کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو بتوں کی پرستش سے روکتا اور ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے اور جو اس کام میں اس قدر سرگرم ہے کہ اُس کو اپنی جان کی بھی پروا نہیں اس طرح ان حاجیوں اور تجار کے ذریعہ آپ کی تعلیم دُور دُور تک پہنچی۔ آپ کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام مکہ میں زور سے پھیلنا شروع ہوا اور اگرچہ مخالف اسلام کی ترقی کو دیکھکر اُس کو روکنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوششیں کرتے مگر وہ اس کی ترقی کو روک نہ سکے۔ کہاں ہیں وہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا۔ مکہ میں کونسی تلوار تھی جس کی وجہ سے اسلام اس شہر میں پھیلا۔ مکہ میں تلوار تھی مگر وہ دشمن کے ہاتھ میں تھی اور تعجب یہ ہے کہ باوجود اس تلوار کے اسلام پھیلتا گیا اور تلوار اس کی ترقی کو روک نہ سکی۔ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ دشمن نے تلوار کے زور سے اسکے پھیلنے کو روکنا چاہا پھر بھی اسلام پھیلا۔ اس لئے

یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اسلام باوجود دشمن کی تلوار کے پھیلا۔ مکہ میں اسلام کی ترقی اس امر کی ایک زبردست شہادت تھی کہ اسلام اپنی قوت اور سچائی سے دنیا میں پھیلا اور یہ قوت ایسی زبردست تھی۔ کہ دشمن کی تلوار بھی اس کے مقابل میں عاجز رہ گئی۔

جب دشمنوں نے اسلام کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھلتے اور پھولتے دیکھا تو ان کی عداوت کی آگ اور بھی بھڑکی اور انہوں نے پورے زور سے مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچانا اور دکھ دینا شروع کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی تکالیف کو دیکھ کر نہ رہ سکے۔ آپ نے اُن کو کہا کہ مغرب کی طرف ایک ملک ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا تم اُدھر چلے جاؤ۔ اور وہاں رہو یہاں تک کہ خدا اُسے تمہارے لئے کوئی راہ کھول دے۔ یہ حبشہ کا ملک تھا جہاں عیسائی بادشاہ نجاشی نام حکومت کرتا تھا۔ مسلمانوں کا پہلا گروہ جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا گروہ تھا اور وہ بعثت کے پانچویں سال میں کفار کی تعدی سے تنگ آکر اپنے وطن کو چھوڑ سمندر سے پار اتر حبشہ میں جا ٹھہرے۔ قریش کو جو اسلام کو کچل دینا چاہتے تھے جب یہ خبر لگی کہ چند آدمی شہر چھوڑ کر اور جگہ پناہ لینے کے لئے بھاگ گئے ہیں۔

تو اُنھوں نے اُن کا تعاقب کیا مگر وہ اُن کے پہنچنے سے پہلے جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔ ان میں ابو طالب کا بیٹا حضرت جعفرؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لڑکی رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر تکالیف مسلمانوں کو دی جاتی تھیں جن کی وجہ سے انہیں اپنے وطن سے بھاگنا پڑا بھاگنے والے صرف غربا ہی نہ تھے بلکہ شریف خاندانوں کے لوگ بھی تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف اور غیر شریف سب کے لئے مکہ میں رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کے بعد کفار کا غصہ اور بھی بھڑکا اور انہوں نے زیادہ تندی اور خونخواری کے ساتھ مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور مسلمان بھی حبشہ کی طرف بھاگ گئے یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت تھی اس دفعہ وہ تھوڑے تھوڑے ہو کر بھاگے تا کفار کو پتہ نہ لگ جائے اور وہ اُن کو پکڑ نہ لیں۔ ان کے ساتھ بیویاں اور بچے بھی تھے۔ اب مہاجرین کی تعداد چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر ۱۰۱ تک پہنچ گئی جن میں ۸۳ مرد تھے۔

قریش کی عداوت نے مسلمانوں کا حبشے تک تعاقب کیا۔ انہوں نے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس قیمتی تحائف دے کر ایک سفارت بھیجی۔ انہوں نے پہلے اہل دربار کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر بادشاہ کے آگے اپنے تحائف پیش کر کے عرض کی کہ ہم

میں سے بعض سفہانے اپنا قدیمی مذہب چھوڑ دیا ہے اور مذہب عیسائی بھی اختیار نہیں کیا بلکہ ایک نیا مذہب نکالا ہے۔ اور قریش نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم اُن کو واپس لے جاویں۔ اہل دربار نے اُن کی درخواست کی تائید کی مگر جب نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اسلامی تعلیم کی کیفیت اور اُن تکالیف کا تذکرہ سنا جن کی وجہ سے وہ اپنا وطن چھوڑ کر اُسکے ملک میں آکر پناہ گزین ہوئے تھے تو اس نے مسلمانوں کو کفار کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ سفیروں نے ایک چال بازی یہ کی کہ اس عیسائی بادشاہ کو یہ کہہ کر مشتعل کرنا چاہا کہ ان کا نبی ایسی تعلیم دیتا ہے جس میں حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتک پائی جاتی ہے۔ مگر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم پڑھ کر سنائی تو نجاشی رو پڑا۔ اور کہا کہ یہ کلام اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وحی ایک ہی چشمہ سے نکلی ہوئی ہیں اور کہا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بالکل ایسے ہی تھے جیسا کہ اس سورہ میں اُن کو بیان کیا گیا ہے۔ سفیر ناکام واپس آئے۔ اہل مکہ کا غضب اور بھی بھڑکا۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر اسلام کو اس وقت نہ کچلا گیا تو پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پہلے تو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عزت اور دولت کے وعدے دے کر آپ کو تبلیغ کے کام سے پھیرنا چاہا ایک دن جب

آپ صحن کعبہ میں تشریف رکھتے تھے تو رؤسائے مکہ کی ایک جماعت مل کر آپ کے پاس گئی اور عتبہ بن ربیعہ نے اس جماعت کی طرف سے آپ کو کہا اے میرے بھائی کے بیٹے۔ تو ہم میں اپنے اوصاف حمیدہ اور اپنے نسب کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اب تو نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے خاندانوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ تو ہمارے دیوتوں اور دیویوں کو بُرا کہتا ہے اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ ٹھیراتا ہے ہم تیرے آگے ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ تو اس تجویز پر اچھی طرح غور کر۔ اگر یہ تجویز تجھے پسند آجائے تو اسے منظور کر۔ اگر اس کام سے تیری غرض دولت جمع کرنا ہے۔ تو آ ہم تیرے لئے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں جتنا ہم میں سے کسی کے پاس نہ ہو۔ اگر تو عزت اور ناموری چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا سردار بناتے ہیں اور کوئی کام تیرے حکم کے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر تو حکومت چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنا دیتے ہیں اس کے جواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورہ حم السجدہ پڑھ کر سنائی جب آپ اس آیت پر پہنچے فان اعرضوا فقل انذرتکم صٰعقۃً مثل صٰعقۃ عاد وثمود یعنے اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو ان کو کہہ دے میں تم کو ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عذاب کہ قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا۔ تو اس کو زیادہ سننے کی تاب نہ رہی اور آنحضرت صلے اللہ

کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بس۔ ہم تیرے ذوے القربےٰ ہیں۔ ہم پر رحم کر اور اُٹھ کر گھر چلا گیا۔

جب قریش کو اس تجویز پر بھی ناکامی ہوئی تو انھوں نے ایک اور راہ اختیار کی۔ سب مل کر آپ کے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ تو اپنے بھتیجے کو روک لے کہ وہ اپنے کام سے باز آ جائے۔ ورنہ اُس کے لئے اچھا نہ ہوگا۔ پہلے تو ابو طالب نے نرم جواب دے کر اُن کو ٹال دیا مگر صبر کہاں آ سکتا تھا۔ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے کام میں سرگرم پایا اور اسلام کو ترقی کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بے تاب ہو گئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کعبے سے نکال کر غضب سے بھرے ہوئے پھر ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اب ہم اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتے یا تو اپنے بھتیجے کو روک لے ورنہ تُو بھی اُس کے ساتھ ہو جا تا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اس امر کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ دھمکی دے کر کفار چلے گئے۔ ابو طالب گھبرایا اُس نے دیکھا کہ اب سب کفار مل کر لڑائی اور جنگ پر آمادہ ہو گئے ہیں اور میں اکیلا ان سب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور رؤسائے مکہ کی دھمکی کی خبر دیکر بڑی سنجیدگی سے کہا کہ اب تو اپنے تئیں اور مجھے بھی ہلاکت سے بچا۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ نے

بھروسہ کسی انسان پر نہ تھا۔ خدا کا ہی آپ کو سہارا تھا آپ نے اپنے چچا کو کہا۔ اے میرے چچا۔ اگر وہ سورج میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کر رکھ دیں تا مجھے مجبور کریں کہ میں اپنے کام سے باز آ جاؤں تو بھی میں اپنے فرض کی ادائگی سے نہیں رکوں گا اور میں اپنا کام کرتا جاؤں گا یہاں تک کہ خدا تعالے حق کو ظاہر کر دے یا میں ہی اسی کام میں اپنی جان دے دوں۔ اور یہ دیکھ کر کہ اب چچا بھی مکے کے سرداروں کے خوف سے ساتھ چھوڑنے لگا ہے آپ مندرجہ بالا جواب دے کر لوٹنے لگے۔ آپ کی استقامت کو دیکھ کر چچے کا حوصلہ بھی پھر قائم ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایسے بہادر اور شریف بھتیجے کو دشمن خونخوار کے حوالے کر دینا شرم کی بات ہے جب آپ اس کے پاس سے جانے لگے تو اس نے آپ کو کہا۔ اے میرے بھائی کے بیٹے۔ تو جو چاہتا ہے کہہ خدا کی قسم میں کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ پھر اس نے بنی ہاشم کو جمع کر کے مکے کے رؤسا کی دھمکی کا ذکر سنایا اور ان کو کہا کہ تم سب اپنے بہادر بھائی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ظالم دشمن کے ہاتھ میں ایسے شخص کو نہ دے دو۔ جو ہمارے خاندان کا فخر ہے۔ سب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اس خوف ناک وقت میں جو اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر آنے والا تھا سب آپ کے ساتھ رہیں گے

صرف ایک بدگوہر باہر رہا جو اس قومی اتحاد میں شامل نہ ہوا یہ آپ کا حقیقی چچا ابولہب تھا جس کو اس قدر عداوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ وہ اپنی قوم سے الگ ہو کر دشمنوں کے ساتھ ہو گیا۔

اب قریش نے ایک نہایت ہی خطرناک طریق اختیار کیا۔ جتنے سب مل کر اس بات پر مستعد ہو گئے کہ کل قبیلہ بنی ہاشم کو نابود کر دیں۔ سب نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص بنو ہاشم کے ساتھ خرید و فروخت یا کسی قسم کا لین دین یا اور تعلق نہ رکھے اور نہ ہی شادی کے تعلقات اُن کے ساتھ رکھے جائیں۔ یہ معاہدہ ایک کاغذ پر لکھا گیا اور اس کاغذ کو کعبے میں آویزاں کیا گیا تا کوئی شخص اس معاہدے کو توڑنے کی جرأت نہ کرے۔ مگر یہ اتحاد صرف ایک پیش خیمہ تھا۔ اور اس کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ سب مل کر کل قبیلہ پر یورش کر کے اُن کو ہلاک کر دیں۔ ہاشم اور عبدالمطلب کی اولاد ... مسلمان اور غیر مسلمان خوف سے لرزاں تھے کل شہر کا مقابلہ ایک خاندان کس طرح کر سکتا تھا۔ اُن سب نے اپنے اپنے مکان چھوڑ کر ایک پہاڑی کھڈ میں پناہ لی۔ جس کو شعب ابی طالب کہتے تھے۔ یہ شعب شہر سے چٹانوں اور دیواروں کے ذریعے بالکل الگ تھا۔ صرف ایک تنگ راستہ تھا جس کے

ذریعے اس کے اندر انسان جا سکتا تھا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال کی پہلی تاریخ کو ہوا۔ تمام خاندان بمعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس شعب میں محصور تھا۔ صرف ایک شخص باہر تھا اور وہ ابو لہب تھا۔ کفار مکہ نے اُن کی آمد و رفت بالکل روک رکھی تھی کوئی شخص اس شعب میں سے باہر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا سوائے موسم حج کے۔ جو ذخیرہ اناج وغیرہ کا بنی ہاشم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ جلدی ختم ہو گیا۔ اور محصورین کی حالت جلدی ہی نازک ہو گئی۔ بھوک کے بچوں کی رونے کی آواز شہر میں سنائی دیتی تھی۔ اور اگر بعض خیر خواہ اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر خفیہ طور پر کچھ اناج اندر پہنچا نہ دیتے تو شائد سارا قبیلہ بھوک سے ہلاک ہو جاتا۔ یہ دردناک محاصرہ تین سال تک رہا۔ اس محاصرے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف ہوئی ہو گی اُس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کس طرح بھوک کے بچوں کی چیخیں آپ کے رحیم کریم دل کو چیرتی ہونگی کس طرح اپنے سارے خاندان مسلمانوں۔ غیر مسلمانوں کی مصیبت آپ کو درد پہنچاتی ہو گی جب آپ خیال کرتے ہوں گے کہ یہ مصیبت کا پہاڑ صرف آپ ہی کی وجہ سے ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا ہے یہ ایسی تکلیف تھی کہ اس کے سامنے

موت بھی ایک آسان چیز تھی ۔ دیکھو یہ کیسے امتحان کا وقت تھا مگر کوئی امتحان اور کوئی مصیبت آپ کو آپ کے کام سے روک نہیں سکتی تھی ۔ جو کام آپ نے شروع کیا تھا وہ خود بخود شروع نہیں کیا تھا بلکہ الٰہی حکم سے شروع کیا تھا آپ کو اس کام میں کچھ اختیار نہ تھا آپ نے سچ فرمایا تھا کہ اگر کفار سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کر رکھ دیں تا مجھے اس کام سے ہٹائیں میں ہرگز نہیں ہٹوں گا۔ اس واقعہ سے آپ کی سچائی اور آپ کی صداقت بخوبی طور پر واضح ہو گئی ۔ دوسری تکلیف یہ تھی کہ آپ شعب ابی طالب میں محصور ہونے کی وجہ سے وعظ و تبلیغ سے بھی روکے گئے ۔ صرف حج کے دنوں میں جب باہر سے لوگ مکہ میں آ کر اترتے اس وقت آپ اس قلعے سے نکل کر ان زائرین میں وعظ فرماتے مگر اس وقت بھی ابولہب آپ کے ساتھ ساتھ پھرتا اور لوگوں کو کہتا کہ اس کی بات نہ سنو یہ جھوٹا شخص اور ملحد ہے اور لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے کہ تیری اپنی قوم جو تیرے حالات سے بخوبی واقف ہے تیری نسبت یہ رائے رکھتی ہے تو ہم تجھے کس طرح مان سکتے ہیں یہ جواب سن کر

آپ کا دل غمگین ہوتا اور آپ آسمان کی طرف مُنہ کر کے فرماتے کہ اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ایسا نہ ہوتا۔ غرض یہ تین سال ایسی تکالیف کے سال تھے کہ اس مصیبت کو دیکھ کر اور اس لمبے عرصے میں اس استقامت کو مشاہدہ کر کے بعض اہل شہر کے دل بھی موم ہو گئے۔ اور وہ اس امر کی تجویزیں سوچنے لگ گئے کہ کسی طرح اس مصیبت کے پہاڑ کو محصورین کے سروں پر سے ہٹائیں۔ دوسری طرف خدا تعالےٰ کے حکم سے ایسا ہوا کہ وہ کاغذ جو کعبے میں لٹکایا گیا تھا اس کو دیمک کھا گئی۔ اس خدائی فعل سے فائدہ اٹھا کر پانچ سردار تلواریں کھینچ شعب ابی طالب کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور محصورین کو کہا کہ سب باہر آ جائیں اور اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں۔ یہ کام ایسی چستی سے کیا گیا کہ دشمنانِ اسلام مونہ دیکھتے رہ گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ اس طرح تین سال کے لمبے عرصے کے بعد مسلمانوں اور بنی ہاشم کو اس خوف ناک قید سے نجات ملی۔

اس کے بعد جلدی ہی ابو طالب کی وفات کا واقعہ ہوا۔ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد کفار کی مخالفت بہت بڑھ گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب مسلمانوں کے لئے مکہ میں رہنا ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ اس لئے آپ نے اردگرد کے

لوگوں کی طرف اور حج اور میلوں پر آنے والے عربوں کی طرف اپنی توجہ کو پھیرا تا شائد مسلمانوں کو مکہ سے باہر کوئی ایسی جماعت مل جائے جو اُن کو کفار کی تعدی سے پناہ دے۔
ابو طالب کی وفات کو ابھی دو ہفتے ہی گذرے تھے کہ آپ زید کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے ستر میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں کے بت پرستوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا وہاں آپ کو دردناک تکلیف پہنچی۔ جس کا بیان نہیں ہو سکتا آپ کو اس شہر سے نکلنا پڑا اور شریر لوگوں نے شام تک آپ کا تعاقب کیا اور پتھروں سے آپ کے وجود مبارک کو زخمی کر دیا زیدرضؓ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں خود زخمی ہوا۔ آپ زخمی۔ پیاسے۔ اور تھکے ہوئے کھجوروں کے ایک جھنڈ کے نیچے شام کو ٹھیرے اور اپنے مولیٰ کے آگے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا کی۔ اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی۔ الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری۔ ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمت و صلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ

من ان نزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک " اے رب - میں اپنی بے کسی - کمزوری - اور دنیا کے سامنے اپنی کم حیثیتی کی تیرے آگے شکایت کرتا ہوں - اے ارحم الراحمین - اے کمزوروں کے رب - تو ہی میرا رب ہے تو میرا ساتھ نہ چھوڑیو نہ مجھے غیروں کا شکار نہ بنائیو اور نہ مجھے میرے دشمنوں کا شکار بنائیو - اگر تو ناراض نہیں تو مجھے کچھ ڈر نہیں - میں تیرے چہرے کی روشنی میں پناہ ڈھونڈتا ہوں " اس سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو -

راستے میں ایک فرشتے نے آپ کے پاس آکر کہا کہ آپ اپنے دشمنوں پر بد دعا کریں - لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو رحم کا کامل نمونہ تھے - بد دعا کرنے سے انکار کیا - اور فرمایا کہ لعل اللہ یخرج من اصلابھم من یعبد ہ - یعنے شائد خدا اُن کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے جو اس کی پرستش کریں - کسی نبی نے اس قدر تکالیف اس صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیں -

جس باغیچہ میں آپ نے آرام کیا وہاں عداس نام ایک نینوہ کا غلام تھا - جس سے آپ نے گفتگو شروع کی عداس اسی جگہ ایمان لایا اور آپ کے سر اور ہاتھوں اور پاؤں کو چومنا شروع کیا جس سے کہ اس کے مالک جو کہ دور سے اس نظارے کو

دیکھ رہے تھے۔ متعجب ہوئے۔ طائف کے سفر کے متعلق میور لکھتا ہے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے طائف کے سفر میں آپ کی بڑی عظمت پائی جاتی ہے ایک تنہا انسان جس کو اسکی قوم نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور رد کر دیا وہ خدا کی راہ میں اپنے شہر سے نکلتا ہے اور جیسا یونس نبی نے نینوہ کو جا کر تبلیغ کی ایک بت پرست شہر کو دعوت کرتا ہے کہ وہ توبہ کریں اور خدا کے نبی پر ایمان لاکر اس کی تائید کریں۔ یہ واقعہ اس امر پر ایک زبردست روشنی ڈالتا ہے کہ آپ کو اس امر کا کس قدر سخت یقین تھا کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔"

اب مکہ میں مخالفت کی اس قدر آگ بھڑکی ہوئی تھی اور آپ کی جان اپنے آبائی شہر میں ایسے خطرے میں تھی۔ کہ طائف سے واپس آکر آپ مکہ داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ اسلئے آپ چند روز نخلہ میں ٹھیرے رہے۔ اور مخالف ایسے زور پر تھے کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کی حفاظت کا ذمہ اٹھا کر آپ کو شہر میں لائے۔ مگر اس نازک گھڑی میں بھی آپ کا ایمان خدائے تعالےٰ کی نصرت پر اس قدر قوی تھا کہ جب زید نے آپ کو کہا کیف تدخل علیھم و قد اخرجوک کہ اب آپ مکہ میں کس طرح داخل ہوں گے جب مکہ والوں نے آپ کو شہر سے نکال دیا ہے تو آپ نے جواب دیا۔ یا زید

ان اللہ جاعل لما تری فرجا ومخرجا وان اللہ ناصر دینہ ومظہر نبیہ۔ یعنے اے زید خداے تعالےٰ اس تنگ حالت کو کشادہ کرے گا اور اس مشکل میں سے آسانی کی راہ نکال دے گا۔ کیونکہ خدا اپنے دین کی مدد کرنے والا ہے اور اپنے نبی کو غلبہ دے گا۔ آخر آپ کی اس حالت کو دیکھ کر ایک رئیس مطعم نامی کا دل بھر آیا۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو بلا کر اُن کو زرہ بکتر پہنا کعبے کے پاس کھڑا کر دیا۔ اور آپ مطعم اور اُس کی جماعت کی حفاظت میں شہر میں داخل ہوئے۔

اب آپ بیرونی اقوام کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہوئے جو مکہ اور اس کے قرب وجوار میں حج یا تہواروں کے موقعہ پر جمع ہوتے۔ اب آپ کے لئے اور آپ کے پیروؤں کے لئے مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔ اس لئے جب گردونواح کی قومیں مکہ میں جمع ہوتیں تو آپ اُن کو وعظ کرتے اور اپنے نفس کو اُن کے آگے پیش کرتے۔ کہ میرے لئے اور میری جماعت کے لئے مکہ میں رہنا محال ہو رہا ہے جو قوم مجھے جگہ دے گی۔ خداے تعالےٰ اُس قوم کی مدد کرے گا۔ اور دین ودنیا میں اُن کو برکت ونصرت دے گا۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ جس شخص کو قریش نے رد کیا اُسے

پناہ دے کیونکہ کوئی قوم یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ ایسے شخص کو پناہ دے کر خواہ مخواہ قریش اور اُن کے طرف داروں کے ساتھ جنگ چھیڑ لے۔

آخر خدا کی نصرت کا وقت آ گیا اور تاریکی میں سے امید کی شعاع چمکی۔ جب آپ ایک دن حاجیوں میں پھر رہے تھے آپ کی نظر ۶ یا ۷ آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت پر پڑی۔ یہ مدینہ سے آئے تھے۔ آپ نے اُن سے نہایت تلطف سے پوچھا "تم کس قبیلے کے لوگ ہو" انہوں نے جواب دیا کہ ہم بنی خزرج میں سے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات کو سنو۔ انہوں نے بخوشی اِس امر کو منظور کیا۔ آپ نے اپنی تعلیم کو اُن کے آگے پیش کیا۔ قرآن شریف پڑھ کر سنایا۔ مکہ میں جو آپ کو اور آپ کی جماعت کو مشکلات درپیش تھے۔ اُن کی تفصیل کی اور پھر پوچھا کہ آیا تم لوگ اس امر کے لئے تیار ہو کہ مجھے اپنے شہر میں بلا لو۔ اُن پر آپ کے بیان کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ شخص راستباز اور سچا نبی ہے اور اُسی وقت آپ پر ایمان لائے اور عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ مدینے میں تشریف لائیں تو ممکن ہے کہ ہم قریش سے آپ کی حفاظت نہ کر سکیں۔ اب آپ

ہمیں واپس جانے کی اجازت دیں دوسرے سال انہی دنوں میں ہم آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہونگے۔ دوسرے سال یہ چھ آدمی اور چھ اور ۱۲ آدمی حج کے دنوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کے بعد وہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اسلام کا وعظ کرنے کے لئے ساتھ لے کر واپس چلے گئے۔ اسلام کے اس مقدس مشنری کو ایک سال کے اندر مدینے میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ مدینے کے لوگوں میں کوئی ایسا گھر شاذونادر ہوگا جس میں اسلام نے اپنا پاؤں نہ جمایا ہو۔

دوسرے سال ۷۳ مسلمان مدینے کے قافلے کے ساتھ مل کر اس غرض کے لئے آئے کہ آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے لئے درخواست کریں مگر دوسرے قافلہ والوں کو اس کا علم نہ تھا۔ مقررہ جگہ پر جہاں پہلے مدینے والوں کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تھی یہ جماعت آپ سے رات کے وقت خفیہ طور پر ملی۔ یہاں تک کہ ان کے ہمراہیوں کو بھی علم نہ ہوا۔ یہ اخفاء اس لئے کیا گیا کہ قریش کو اس امر کا علم نہ ہو۔ کیونکہ اگر اُن کو علم ہوجاتا تو اُسی وقت مدینے کے مسلمانوں پر حملہ کرتے۔ کفار نہیں چاہتے تھے کہ آپ یا آپ کے صحابہ رض کسی اور جگہ جاکر پناہ لیں وہ چاہتے

تھے کہ اسلام کو مکہ کے حدود کے اندر ہی محدود رکھ کر اس کو رفتہ رفتہ پھیل دیں۔ اور عرب کے ملک میں اسلام کے پودے کو جڑ پکڑنے نہ دیں۔ یہ ملاقات آخری رات کو ہوئی جب کہ مدینے کا قافلہ کوچ کرنے کے لئے تیار تھا۔ ایسا اس لئے کیا کہ اگر مکے والوں کو خبر بھی ہو جائے تو ان کی تیاری کرتے کرتے مسلمان نکل جائیں اور مکہ والے ان پر حملہ نہ کر سکیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو قرآن شریف پڑھ کر سنایا جیسے آپ کا دستور تھا اور اس کے بعد انہوں نے آپ کے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ وہ آپ کی اور آپکے صحابہ رضہ کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسا کہ وہ خود اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

مکہ والے بھی ہر وقت تاڑ میں لگے ہوئے تھے کہ کہیں آپ کسی بیرونی قوم کے ساتھ تعلق قائم کر کے مکہ سے نکل نہ جائیں اس لئے اگرچہ اس ملاقات میں مکہ والوں کے خوف سے جس قدر ممکن تھا اخفاء سے کام لیا گیا مگر پھر بھی ان کو ایک جاسوس کے ذریعے پتہ لگ ہی گیا۔ اور کفار نہایت طیش میں آکر صبح ہوتے ہی مدینے کے قافلے میں گئے اور دریافت کیا کہ وہ کون سے لوگ ہیں جنہوں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے اور درخواست کی ہے کہ وہ مکہ چھوڑ کر

اُن کے ہاں جا کر پناہ لیں۔ مگر خود قافلے والوں کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ اس لئے کوئی پتہ نہ چل سکا اور وہ ناکام واپس آگئے۔ قافلے کی روانگی کے بعد اُن کو معلوم ہؤا کہ اُسی قافلے میں اُن کی اُمید سے کہیں بڑھ کر آدمی ایسے تھے جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ کو مدینے میں آکر پناہ لینے کے لئے کہا ہے۔ تب وہ قافلے کے پیچھے دوڑے۔ مگر قافلے والے مسلمان دور نکل گئے تھے۔ صرف دو مسلمان اُن کے ہاتھ میں آئے۔ ان میں سے ایک پھر اُنکے ہاتھ سے نکل کر بھاگ گیا۔ دوسرے کو پکڑ کر رسّوں سے اُس کو باندھ دیا اور اُس کے لمبے بالوں سے اُس کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اُسے شہر مکہ میں لے آئے۔ مگر اُس کی خوش قسمتی سے مکے کے رؤساء میں ایک ایسا شخص تھا جس پر مدینے میں اُس نے بڑا احسان کیا تھا۔ اُس کی سعی سے اُس غریب مسلمان نے مکہ کے بھیڑیوں کے پنجوں سے نجات پائی۔

اب کفار کا غیظ و غضب ایسے زور سے بھڑکا کہ پہلے شائد کبھی ایسا نہیں بھڑکا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع نہ ہو جائے۔ آپ نے حکم دیا کہ فوراً چھپ چھپ کر مدینہ کی طرف نکل جاؤ۔ جن پر مکہ والوں کا ہاتھ پڑا اُن کو قید کیا۔ بعض کو اسلام چھوڑنے

پر مجبور کیا۔ اِس ہجرت کے وقت کفار کو معلوم ہوا کہ اسلام
کہاں تک اُن کے شہر میں پھیل چکا تھا۔ محلے کے محلے خالی
ہو گئے۔ دروازوں پر قفل لگ گئے اور کئی محلے ایسے تھے۔
جن میں ایک انسان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ بعض ایسے قبیلے
بھی تھے۔ جو مخفی طور پر مسلمان تھے مگر کفار کے ڈر سے اپنے
اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا وہ بھی اب موقعہ پا کر نکل گئے۔
ابو جہل۔ عتبہ اور دیگر رؤساء مکہ کی گلیوں میں پھر کر خالی
محلوں کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ عتبہ نے کہا۔
یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کام ہے جس نے ہماری جماعتوں
کو منتشر کر دیا۔ ہمارے کاموں کو بگاڑ دیا اور ہم میں پھوٹ
ڈال دی۔ وہ کہاں ہیں جو کہتے ہیں اسلام تلوار کے زور
سے پھیلا۔ مکہ میں آپ کے پاس کون سی تلوار تھی جس کے
زور سے اس قدر لوگوں نے بصدق دل اسلام قبول کیا اور
اگرچہ دشمن کی تلوار اُن کے سر پر لٹک رہی تھی۔ پھر بھی
وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور آپ کی
خاطر اپنے وطن کو چھوڑنا اور اجنبی شہر میں مسافروں کی طرح
ڈیرہ لگانا اور طرح طرح کے مصائب جھیلنا منظور کیا۔ اگر
مکہ میں اسلام باوجود دشمن کی تلوار کے اس قدر زور سے
پھیلا کہ محلے کے محلے ہجرت کے وقت خالی ہو گئے تو اُس وقت

اسلام کو پھیلنے سے کون سی چیز مانع تھی جب دشمن کی تلوار ٹوٹ رہی گئی اور ملک عرب میں کوئی شخص ایسا نہ رہا۔ جو اسلام کی اشاعت میں مزاحم ہو سکے اور جب نشانات کی تعداد بھی بڑھ گئی اور جب خدا سے تعالےٰ نے رنگ رنگ میں اپنی قدرت کا ہاتھ دکھایا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خدائے تعالےٰ کا سچا نبی ہے۔

مگر ہجرت کے وقت سب مسلمانوں نے مکہ کو نہیں چھوڑا۔ کئی ایسے مسلمان باقی تھے جو بوجہ کبر سنی یا غلامی یا قید کی وجہ سے یا ایسے ہی اور اسباب سے ہجرت نہ کر سکے بلکہ کئی ابھی مخفی طور پر مسلمان تھے جن کا علم اُس وقت ہوا جبکہ صلح حدیبیہ کے بعد امن ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔

مسلمان ایسی سرعت اور ہوشیاری اور اخفاء سے ہجرت کر گئے کہ مکہ والے ششدر رہ گئے پھر بھی جہاں تک اُن سے ہو سکا اُنھوں نے مسلمانوں کو روکنے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ عمرؓ جیسے بہادر بھی مخفی طور پر چل دیئے ایک دوست اور عیاش کے ساتھ ایک جگہ مکہ سے باہر ملنے کے لئے مقرر کی۔ دوست کو تو دشمنوں نے روک لیا۔ عیاش اور عمرؓ نکل گئے۔ جب ابوجہل کو پتہ لگا تو چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قریباً مدینے

تک اُن کا تعاقب کیا اور مدینے کے قریب مقام قُبا میں اُن
سے جا ملا اور عیاش کو ایک عجیب حیلہ اور تدبیر سے واپس
لے آیا۔ راستہ میں آکر اُس کو رسیوں سے جکڑ لیا اور جب
مکہ میں اُسے کھینچتے ہوئے داخل ہُوا تو اہل مکہ کو کہا کہ تمہیں بھی
ان جاہلوں سے ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ صہیب جو غلامی
کی حالت میں مکہ میں آیا تھا اور بڑا مال دار ہو گیا تھا۔ اُس کو
بھی کفار نے پکڑ لیا کہ جب تُو آیا تھا تو غریب تھا۔ اب تُو
دولت مند ہے۔ خدا کی قسم ہم تجھے کبھی نہیں جانے دینگے۔
اُس نے کہا کہ تم میری ساری دولت لے لو اور مجھے جانے
دو۔ چونکہ اُس کی دولت بہت بڑی تھی اس لئے کفار نے
دولت کے طمع سے اُس کو چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے یہ ماجرا سُنا تو آپ نے فرمایا ربح صہیب ربح
صہیب یعنے صہیب نے بہت اچھی تجارت کی ہے۔

غرض جو مسلمان بھاگ سکتے تھے وہ سب مدینے کی طرف
بھاگ گئے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ
و حضرت علی رضوان گئے۔ اگر چہ تنہا پیچھے رہنا خطرناک تھا مگر
چونکہ آپ کو ابھی آسمان سے ہجرت کا حکم نہیں آیا تھا اسلئے
آپ نے حکم الہٰی کا انتظار کیا۔ آپ الہٰی حکم کے تابع تھے۔
اس لئے آپ نے اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال کر الہٰی

اجازت کے بغیر مکہ سے قدم باہر رکھنا پسند نہ فرمایا۔

اب قریش کے رؤساء نے دارالندوہ میں مل کر مشورہ کیا کہ اب کیا تجویز کی جاوے جس سے اسلام کا قلع قمع ہو جائے آخر بہت سی بحث کے بعد ابو جہل کی رائے پر یہ فیصلہ ہُوا کہ ہر ایک قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے اور وہ سب مل کر ایک ہی دفعہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر تلواروں کے ساتھ حملہ کر کے آپ کا (فداہ ابی و امی) کام تمام کر دیں۔ پھر بنی ہاشم کس کس سے بدلہ لیں گے۔ وہ سب قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور اس طرح اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس خونی ارادے کے ساتھ رات کے وقت ایک جماعت نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ خدائے تعالےٰ نے آپ کو ان کے بدارادے سے اطلاع دی۔ آپ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضؓ کو لٹا دیا اور اُس پر اپنی چادر ڈال دی۔ تاکافر یہ سمجھیں کہ آپ مکان میں ہی ہیں اور آپ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار ثور میں جا چھپے۔ جب دشمن کو آپ کے سلامت نکل جانے کا حال معلوم ہُوا تو سب طرف آپ کے تعاقب میں گھوڑے دوڑائے۔ اور اعلان دیا کہ جو شخص (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کو زندہ پکڑ لائے یا قتل کرے اُس کو ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ دشمن کھوج لگاتے لگاتے غار ثور تک

بھی پہنچے۔ مگر خدا تعالےٰ نے معجزانہ رنگ میں آپ کو محفوظ رکھا۔ اور تین دن غار میں رہ کر آپ تیز اونٹنیوں پر مدینہ منورہ کی طرف سلامت نکل گئے اور دشمن خائب و خاسر رہا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں

گذشتہ صفحات میں مینے مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اسلام کے پھیلنے کا ذکر کیا تھا۔ اگرچہ مکہ معظمہ میں کئی قسم کے مشکلات تھے جو اسلام کی اشاعت کو روکنے والے تھے۔ مگر باوجود اُن مشکلات کے اسلام ترقی کرتا گیا اور جب ہجرت کے وقت محلے کے محلے خالی ہو گئے اور اُن میں ایک متنفس بھی نظر نہ آیا۔ تو کفار نے تعجب کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ میور جیسا متعصب عیسائی بھی تعریفی کلمات لکھنے کے بغیر رہ نہیں سکا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "اس وقت تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے احکام ابھی تھوڑے

اور سادہ تھے۔ آپ کی تعلیم نے ایک حیرت انگیز اور زبردست
تبدیلی پیدا کی۔ ابتدائی عیسائیت کے زمانے کے بعد کسی نے
نہیں دیکھا تھا کہ اس طرح روحانی زندگی لوگوں میں پھونکی گئی
ہو۔ اور ایمان ایسا قوی ہو کہ اس کی خاطر لوگ ہر ایک قربانی
کرنے کے لئے خوشی سے تیار ہوں۔ ایک نہایت ہی قدیم
زمانے سے کُل جزیرہ عرب روحانی غفلت میں ڈوبا چلا
آتا تھا۔ عیسائیت یا یہودی مذہب یا کسی فلسفیانہ تحقیقات
کا اہل عرب پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوا تھا جتنا کہ ایک
ٹھہری ہوئی جھیل یا تالاب کی سطح پر خفیف سی جنبش کسی
جگہ پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی سارا پانی ساکن رہتا ہے۔ لوگ
وہم پرستی۔ ظلم اور گناہ میں غرق تھے۔ یہ عام رواج تھا۔
کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیویوں
کو اپنی بیویاں بنا لیتا اور وہ اس کو اسی طرح ورثہ میں ملتی
تھیں جیسا کہ اس کا دوسرا مال و متاع۔ تجرو افلاس کی وجہ
سے ان میں دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی تھی (جیسا کہ
ہندوؤں میں بھی جاری رہی ہے) ان کا مذہب شدید قسم کی
بُت پرستی تھی اور بجائے اس کے کہ کسی اعلےٰ ہستی پر انکا
ایمان ہو وہ مخفی چیزوں سے وہم پرستوں کی طرح خوف
کرتے تھے اور ہر ایک طرح کوشش کرتے تھے کہ ان پوشیدہ

وجودوں کو خوش کریں اور اُن کے غضب کو ٹال دیں۔ آنے والی زندگی یا نیک وبد کی جزا و سزا سے عملی رنگ میں بالکل بے خبر تھے۔ ہجرت سے ۱۳ سال پیشتر مکہ اس گری ہوئی حالت میں قالب بے جان کی طرح پڑا ہوا تھا۔ مگر اس ۱۳ سال کے عرصے میں عجیب و غریب تبدیلی پیدا ہو گئی ۔ کئی سو آدمیوں نے بت پرستی کو بالکل رد کر دیا خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور دل و جان سے اُس کلام کے پیرو ہو گئے جس کو وحی آسمانی یقین کرتے تھے۔ کثرت سے اور تضرع سے خدا تعالےٰ کے آگے دعائیں کرتے ۔ خدا تعالےٰ کے رحم پر بھروسہ کر کے گناہوں کی معافی چاہتے اعمال صالحہ۔ صدقہ خیرات۔ پاکیزگی اور عدل و انصاف کی پابندی میں دن رات سرگرم رہتے۔ خدا تعالےٰ کو حاضر و ناظر اور قدیر یقین کرتے اور اُسی کو اپنا کارساز سمجھتے۔ ہر ایک بات میں اُن کو خدا تعالےٰ کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اُن میں زندگی کی روح پھونکتے تھے اور خدا تعالےٰ کے بعد وہ ہر ایک امر میں آپ کی بلاچون و چرا اطاعت کرتے۔ اس قدر قلیل عرصے میں مکہ میں اس تحریک کی وجہ سے کئی گروہ قائم ہو گئے اور وہ پہلے خاندانی یا قومی تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کے خون

کے پیاسے ہو گئے۔ مسلمانوں نے طرح طرح کی تکالیف کو
بڑے صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کیا۔ اور اگرچہ
ایسا کرنے میں اُنہوں نے دانائی سے کام لیا مگر اس میں
کچھ بھی شک نہیں کہ جس عالی حوصلگی سے انھوں نے دشمن
کے ظلم وستم کو برداشت کیا وہ نہایت ہی قابل آفرین ہے۔
۱۰۰ مرد و عورت نے اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر حبشہ میں جاکر
پناہ لی مگر اسلام کو نہ چھوڑا۔ اِس وقت اس سے بہت زیادہ
تعداد مسلمانوں کی بمعہ خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے
اپنے پیارے شہر سے اور اُس کے مقدس مقامات سے ہجرت کر کے
مدینے کی طرف جارہے تھے اگرچہ مکّہ سے بڑھ کر روئے زمین پر
اُن کے لئے کوئی مقدس جگہ نہ تھی۔ مدینے میں بھی وہی جادو
اثر تعلیم دو تین سال سے ایک بھائیوں کی جماعت اُن کے
لئے تیار کر رہی تھی جو نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے
صحابہ رضہ کی حفاظت کے لئے اپنے خوں بہا دینے کے لئے
تیار تھی مدینے والوں کے کانوں میں ایک مدت دراز سے یہودی
تعلیم کی آواز گونج رہی تھی مگر وہ نہ جاگے جب تک کہ نبی عرب
(صلے اللہ علیہ وسلم) کی روح ہلا دینے والی آواز کو انہوں نے
نہ سنا۔ اب وہ ناگہاں خواب غفلت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور
اُن میں ایک نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہو گئی۔

مدینہ منورہ میں اسلام کا پھیلنا

اب مسلمان مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینے میں ہجرت کر کے چلے گئے اب دیکھئے کہ اس نئے شہر میں اسلام کس طرح پھیلا۔

یہاں اسلام کے آگے اس قسم کی رکاوٹیں نہیں تھیں۔ جیسی کہ مکہ معظمہ میں تھیں اس لئے اس شہر میں اسلام بہت جلدی پھیل گیا۔ اہل مدینہ میں اسلام کی ابتداء اس وقت ہوئی جبکہ چھ آدمیوں نے ہجرت سے تقریباً ۳ سال پہلے حج کے موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جب یہ لوگ مدینے میں واپس آئے تو انہوں نے شہر میں اسلام کا اور اسلام کے نبی کا چرچا شروع کیا اور جب دوسرے سال حج کا موقعہ آیا تو ۱۲ آدمی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ معظمہ میں آئے اور آپکے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس دفعہ ان مسلمانوں کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینے میں اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اس خادم اسلام کو عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اسد ابن زرارہ کے مکان میں رہائش اختیار کی اور اپنے آقا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح قرآن شریف کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اگرچہ یہاں مسلمانوں کو ایسی سخت مخالفت

کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جیسا کہ اُن کو مکہ معظمہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر پھر بھی یہاں ایک حد تک مخالفت کی گئی۔ مندرجہ ذیل قصے سے واضح ہو جائے گا کہ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کس طریق سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اوّل اُن کو کسقدر مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک روز حضرت مصعب رض بعض نومسلموں کو ایک مکان میں اسلام کی تعلیم دے رہے تھے جو ظفر کے بیٹوں کا مکان تھا۔ سعد ابن معاذ کو جو بنی اوس کا رئیس تھا اس امر کی خبر ہوئی۔ اُس نے اُسید کو کہا جو اسی قبیلے کا ایک سردار تھا۔ کہ اس واعظ اور اُس کے ساتھی (اسعد) کو ہمارے محلے میں سے نکال دو۔ اور مَیں تجھے یہ تکلیف نہ دیتا مگر چونکہ میرا اسعد سے رشتہ ہے اِس لئے یہ امر مجھے مانع ہے کہ یہ کام میں خود کروں۔ اس پر اُسید نے برچھا لیا اور غصہ سے بھرا ہؤا۔ دروازہ کھول اندر داخل ہوا۔ اور بولا کون سی چیز تمہیں اس جگہ لائی ہے۔ کیا تم ہمارے نوجوانوں اور نادانوں کو گمراہ کرنے کے واسطے یہاں آئے ہو اگر تمہیں اپنی جانیں پیاری ہیں تو یہاں سے نکل جاؤ۔ جواب میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے نرمی سے کہا۔ آپ بیٹھ جائیں اور سُنیں۔ اگر آپ کوئی ایسی بات سنیں جو آپ کو ناپسند ہو تو پھر ہم یہاں سے چلے جاوینگے۔

اُسید نے زمین میں اپنا برچھا گاڑ دیا اور سننے کے لئے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کے بعض حصے سنائے اور اسلام کے اصول سمجھائے۔ اور اُسید پر ایسا اثر ہوا کہ وہ سُن کر بول اُٹھا اس مذہب میں داخل ہونے کے لئے میں کیا کروں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ غسل کر کے اپنا بدن پاک کرو اور پڑھو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اُسید نے ایسا ہی کیا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کیا پھر کہا کہ میرے بعد ایک اور ہے سعد ابن معاذ میں اُسکو تمہارے پاس بھیجتا ہوں اسکو اس مذہب کی تبلیغ کرو اسکے بعد جلدی ہی سعد ابن معاذ۔ غضب سے بھرا ہوا آیا اور کہا کیا تم اس امر کی جرأت کرتے ہو کہ ہم میں ایسی باتیں پھیلاؤ جو ہمارے مذہب کے برخلاف ہیں حضرت مصعب نے جواب دیا کہ تم ہمارے مذہب کو کیوں بُرا کہتے ہو جبکہ تم نے ابھی سنا ہی نہیں کہ اس کی تعلیم کیا ہے اس پر سعد ابن معاذ بیٹھ گئے اور سننے لگے اور اسی جگہ قرآن شریف کی پاک تعلیم سے متاثر ہو کر مذہب اسلام کو قبول کر لیا۔ سعد ابن معاذ جیسے بارعب آدمیوں کے اسلام لانے کے بعد حضرت مصعب رض کھلے طور پر اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے اور اُن کو اس مبارک کام میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی۔ کہ ایک سال کے عرصے میں کوئی ایسا گھر شاذ و نادر ہو گا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔

اس حیرت انگیز کامیابی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مدینے کے لوگ اپنی بت پرستی پر پہلے ثابت قدم نہ تھے۔ وہ اپنے پرانے مذہب میں کیسے سچے تھے یہ امر اس سے واضح ہو جائے گا کہ تین صدیوں سے وہ مہذب اور تعلیم یافتہ یہود کے پاس رہتے تھے مگر کسی نے یہودیوں کی توحید کی تعلیم کو قبول نہ کیا اور اپنی بت پرستی پر قائم رہے۔ مگر جب اسلام آیا اور اسلام کا ایک واعظ قرآن مجید کی مقدس کتاب ہاتھ میں لے کر آن میں کھڑا ہو گیا تو جو کام یہودیت صدیوں میں کرنے سے عاجز رہ گئی تھی۔ وہ اسلام کے ایک مشنری نے چند دنوں میں خدا کے فضل سے پورا کر کے دکھا دیا۔ اور جس بت پرستی نے صدیوں تک یہودیت کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا تھا۔ وہ اسلام کے آنے پر نہ ٹھہر سکی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے "یہ نیا مذہب (مدینے میں) ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کی طرف پھیلتا گیا۔ یہودی حیرت زدہ ہو کر دیکھتے تھے۔ جن لوگوں کو وہ سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے کہ بت پرستی ایک غلط راہ ہے وہی لوگ اب خود بخود اپنے بتوں کو گھروں سے نکال نکال کر چمگادڑوں چوہوں اور چھچھوندروں کے حوالے کر رہے تھے اور ایک ہی خدائے قدوس کا نام اُن کے دل اور زبان پر جاری تھا۔

اہل مدینہ کے دلوں میں جو بتوں کی عزت تھی اب وہ اسکی

جگہ سخت نفرت کا قیام ہو گیا پرانے عربوں کو بت پرستی
سے کیسا اُنس تھا اور پھر یہ اُنس کیسی نفرت میں تبدیل ہو گیا
اس کی تشریح کے لئے ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔
وہ یہ ہے " مدینے کے دوسرے لوگوں کی طرح ایک سن
رسیدہ عرب رئیس کے گھر میں ایک بُت تھا نوعمر مسلمان
اس بت کو ایک گندے کنوئیں میں پھینک آتے۔ لیکن
بڈھا کنوئیں پر جاتا اور اپنے ٹھاکر کو نکال کر اشنان کراتا اور
دھوپ دے کر پھر گھر میں رکھتا تھا۔ مگر پھینکنے والے بھی
رُکنے والے نہیں تھے اُنھوں نے ایک دن ٹھاکر جی کو
ایک مردہ کتے کی ٹانگ سے باندھ کر اُسی کنوئیں میں ڈبو
دیا۔ اب ٹھاکر جی کی تمام عظمت کا خاتمہ ہو گیا اور اُن کے
بڈھے سیوک کو ہمیشہ کے لئے اپنے خود ساختہ خدا کو سلام
کرنا پڑا" اللہ اللہ وہ بت جن کی کسی وقت گاڈ یعنے دیوتا کے
طور پر پرستش ہوتی تھی اب اُن کی قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ
وہ ایک مردہ ڈاگ یعنے کتے سے بھی بدتر خیال کئے جاتے تھے۔
سبحان اللہ۔ یہ پاک تبدیلی تھی جو نور اسلام نے اہل مدینے
کے دلوں میں ایک آن کی آن میں پیدا کر دی۔ چونکہ اہل
مدینہ کو بت پرستی ترک کرنے اور نیا مذہب اختیار کرنے میں
کوئی دنیوی مفاد مانع نہ تھے اور نہ اُن کے روٗسا سرداران

مکہ کی طرح کسی مندر کے متولی تھے - اور اہل مکہ کی طرح اُن کو
یہ اندیشہ نہیں تھا کہ قبول اسلام سے اُن کی عظمت میں فرق آئیگا۔
اس لئے مکہ کی طرح اس جگہ مسلمانوں کو ایذا دہی کی کوشش
نہ کی گئی۔ مدینے کے سربرآوردہ لوگوں نے مکہ والوں کی طرح اشاعت
اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے سے اعراض کیا بلکہ خود نئے
مذہب کو قبول کر لیا۔ اور چونکہ ایذا دہی کا بہت کم خطرہ تھا۔
اس لئے لوگوں نے کثرت سے نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم
کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی اگر اسلام کے راستے میں کوئی سد راہ
تھی تو وہ محض ان لوگوں کی بت پرستی سے پرانی محبت تھی۔
مگر وحی الٰہی کے پُرزور اثر نے اس پر غلبہ پالیا۔

اسلام کو تلوار سے پھیلانے کا اعتراض کرنے والے یہاں
سے ایک سبق حاصل کریں ایک تن تنہا بے یار و مددگار واعظ
بُت پرستوں کی ایک بڑی قوم میں وعظ کرتا ہے اور ایک ہی
سال میں یہ کامیابی ہوتی ہے کہ اصنام پرستوں کی بڑی جماعت
اسلام میں داخل ہو جاتی ہے - اس شخص کے ہاتھ میں کون سا
ہتھیار تھا ؟ قرآن پاک تھا اور اسی ہتھیار نے عجائبات کا مشاہدہ
کرا دیا۔ ہاں یہی ایک ہتھیار تھا جس کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے اپنے وعظ میں استعمال کیا اور یہی ایک آلۂ حرب تھا جس کو
آپ کے تابعین ہر موقعہ اور ہر جگہ پر جہاں کہیں وہ گئے کام میں

لائے۔

کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضؓ اسی حربہ کا شکار ہوئے اور یہ قرآن پاک ہی تھا جس کو پڑھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سامعین پر جادو ڈالا اور ان کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ قریش اس کی طاقتوں سے واقف تھے اور اس کو جادو کہتے تھے وہ اپنے شہر والوں کو نصیحت کرتے تھے کہ قرآن شریف کو نہ سنیں۔ جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو وہ اس غرض سے شور کرتے کہ پڑھنے والے کی آواز سامعین کے کان تک نہ پہنچے اور اس طرح سے وہ جادو بھری آیات کا شکار نہ ہو جائیں۔ قرآن مجید اس امر کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے وقال الذین کفروا لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔ ترجمہ۔ کفار کہتے ہیں اس قرآن کو مت سنو بلکہ بک بک کرو بیچ اس کے تاکہ تم غالب آجاؤ" یعنے شور مچا کر سننے نہ دو۔ اس واعظ کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ دوسرے سال جب حج کا موسم آیا تو بہتر ۷۲ نومسلم مکہ معظمہ میں اس غرض کے لئے آئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں لے جائیں اور دشمنوں کے ظلم سے آپ کو بچائیں۔ لیکن صرف یہی بہتر ۷۲ آدمی نومسلم نہیاں تھے بلکہ یہ صرف ان لوگوں کے قائم مقام تھے۔ جو کہ پیچھے مدینے میں رہے تھے۔

مدینہ میں آنحضرت کا استقبال

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے تو فرطِ خوشی سے بچے بھی آپ کی آمد کے گیت گاتے تھے اور کہتے تھے۔ هذا رسول الله قد جاء۔ مسلمان فوراً ہر طرف سے قبا میں پہنچ گئے جہاں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضہ نے قیام فرمایا تھا نبی کریم ان لوگوں سے بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور ان کو نصیحۃً فرمایا کہ اس خوشی کے اظہار میں اپنے پڑوسی کو امن کا سلام پہنچاؤ۔ غریبوں کو خیرات دو۔ قرابت کے رشتوں کو مضبوط کرو اور جب لوگ سوتے ہوں تم دعائیں کرو اس طرح تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ چار روز تک قبا میں ٹھہر کر نبی کریم صہ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کے خاندان کے خاندان اور قبیلے کے قبیلے حضور کی زیارت کے لئے آئے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور پُر نور کی خاطر و مدارات میں دوسرے سے سبقت لے جائے۔ جب آنحضرت صہ شہر کے کوچوں میں گذر رہے تھے تو جس قبیلہ کے گھروں کے پاس سے آپ کا گذر ہوتا تھا وہ آپ کی سواری کی باگ کو پکڑ کر عرض کرتے۔ یا رسول الله۔ هلم الینا الی العدد والعدۃ۔ والمنعۃ۔ یا رسول اللہ ہمارے یہاں قیام فرمائیے۔ ہمارے یہاں سامان مدافعت۔ آلات حرب کی کثرت

اور کافی جماعت ہے۔ ہمارے ہاں ہی آرام فرماویں۔ آپ جواب میں فرماتے۔ خلوا سبیلھا فانھا ماموربۃ۔ یعنے اس اونٹنی کیلئے راستہ چھوڑ دو یہ خدا تعالے کے حکم کے ماتحت ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کا وعظ

مدینے میں قیام پذیر ہونے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی طرف پہلے توجہ فرمائی وہ تعمیر مسجد تھی اور اس کام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود حصّہ لیا مسجد میں ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضہ کرام رضہ اپنا بہت سا وقت گذارتے تھے۔ اور یہاں ہی حضور روزانہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ یہاں ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور آسمانی وحی کے سننے کے لئے شائقین کا ایک بڑا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ اور چونکہ اس جگہ مسلمانوں پر اس قسم کا ظلم نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ مکہ معظمہ میں ہوتا تھا اس لئے اسلام نے بڑی سرعت سے ترقی شروع کی۔ صرف مسجد ہی جائے وعظ نہیں تھی بلکہ مسجد کے اندر اور باہر جہاں کہیں حضور کو موقع ملتا تھا وہیں اسلام کیطرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور جس جگہ آدمیوں کا ایک مجمع دیکھتے اُسی جگہ اسلام کا وعظ شروع کر دیتے۔ جس طریق سے آپ نے

اپنا وعظ مدینہ منوّرہ میں جاری رکھا وہ مندرجہ ذیل قصے سے واضح ہو جاتا ہے۔ ایک دن آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ تو آپ کا گذر مشرکین اور یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ آپ وہاں بیٹھ گئے اور قرآن حمید کا کچھ حصّہ پڑھا اور اُن لوگوں کو مذہب حقہ کی دعوت دی۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن اُبَیّ بھی تھا جو کہ ذاتی اغراض کے باعث نبی کریم کا دشمن تھا جب آنحضرت صلعم بیان فرما چکے تو وہ کہنے لگا جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی جائے تو ایسا وعظ آپ اسکو سنایا کریں۔ دوسروں کو آپ تکلیف نہ دیا کریں۔ جب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کا یہ کلام سعد کو سنایا تو اُس نے قسم کھا کر بیان کیا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم نے اُس کو اپنا بادشاہ بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اب وہ سمجھتا ہے کہ حضور نے اُس کے ہاتھ سے ریاست چھین لی ہے یہی وجہ ہے کہ اسکو آپ سے بغض ہے۔ آپ اُس سے درگذر فرما دیں اور اُس کے قول کی کچھ پروا نہ کریں۔ آپ نے پوری سرگرمی سے اپنا کام جاری رکھا اور اسلام کی بنیادیں دن بدن مستحکم اور مضبوط ہوتی گئیں۔

قریش کی دشمنی

اب میں قریش مکہ کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ میور کہتا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضہ کے مکہ معظمہ سے چلے جانے پر خوش تھے۔ اور اگر نبی کریم کی طرف سے زیادتی نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے معاملات میں دست اندازی نہ کرتے۔

میور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریم یا آپ کے صحابہ رضہ نے آنحضرت کے ارشاد کے مطابق قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی اس زیادتی کی وجہ سے امن پسند اور صلح جو قریش مجبور ہوتے کہ نبی کریم اور آپ کے صحابہ رضہ سے جو دراصل ان کے خویش و اقارب ہی تھے۔ برسر پیکار ہوں۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ عجیب تبدیلی قریش میں یکایک کس طرح پیدا ہو گئی ؟ انہوں نے کیونکر اپنے خیالات کو فوراً بدل لیا ؟ اگر مکہ سے مسلمانوں کے جانے پر وہ خوش تھے تو مہاجرین کے اس دستے کا بحیرہ قلزم تک کیوں تعاقب کیا ؟ جو کہ ان کے ظلم سے تنگ آ کر ایک عیسائی ملک میں پناہ لینے جا رہے تھے۔ پھر حبشہ کے بادشاہ کے پاس اپنا ایلچی اور قیمتی تحائف بھیج کر کیوں درخواست کی کہ ان مہاجرین کو

اُن کے حوالے کر دے ؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ قریش اُن مسلمانوں پر کیوں خفا ہوئے ؟ جو کہ مدینے سے آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ رضؓ کو قریش کے مظالم سے بچا کر اپنی پناہ میں لینے کے لئے آئے تھے ؟ کیا وجہ ہے کہ اُنہوں نے مدینے کے مسلمانوں کا اُنکی روانگی کے بعد تعاقب کیا اور اُن میں سے دو کو پکڑ بھی لیا۔ پھر کیا سبب ہے کہ جب اُن دو میں سے ایک بچکر نکل گیا تو دوسرے کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے شہر میں لائے اور جب مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کیوں اُنہوں نے دگنی سختی سے اپنے عزیز و اقارب کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کئے ؟ کیا اُن کی ہجرت کو روکنے کے لئے ہر طرح کی کوششیں نہیں کی گئیں ؟ کیا بعض کو قید میں ڈالا نہیں گیا ؟ اور بعض کو ارتداد پر مجبور نہیں کیا گیا ؟ کیا وہ بعض مسلمانوں کو مدینے کے قریب سے پکڑ نہیں لائے تھے ؟ اور کیا اُن کے ہاتھ پیٹھ پر باندھ کر اُن کو گھسیٹ کر شہر میں نہیں لے گئے تھے ؟ اور کیا وہ اِن سختیوں کے وقت اہلِ شہر سے یہ نہیں کہتے تھے کہ تم بھی ان جہلاء سے ایسا ہی سلوک کرو۔ جب حضرت نبی کریمؐ مکہ میں ہجرت کے لئے الٰہی حکم کا انتظار کر رہے تھے کیا اُس وقت یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ سب مل کر آپ پر حملہ کریں اور آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیں ؟ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تو کیا

آپ کے قتل کے لئے انعام مقرر نہیں کیا گیا تھا ؟ اور کیا آنحضرتؐ کی تلاش کے لئے ہر طرف سوار نہیں دوڑائے گئے تھے ؟ جب قریش کی یہ حالت تھی تو ہم میور صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خونخوار بھیڑئے کیونکر یک بیک غریب بے ضرر بھیڑیں بن گئیں ؟ آہ! ایسے مورخ سے کیا انصاف کی امید ہو سکتی ہے جوکہ اپنے جبلی عیسائی تعصب میں ایسا غلطان ہے کہ خونخوار قریش کو تمام الزامات سے بری کرتا ہے اور حضرت نبی کریمؐ کو باوجود مظلوم ہونے کے زیادتی کرنے والا ٹھیراتا ہے اور ابتدائی جنگ کا الزام اُن کے سر پر رکھتا ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کو قریش کے حملہ کا اندیشہ

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پہلی دفعہ حج کے موقعہ پر مدینہ کے ایک چھوٹے سے گروہ سے ملاقات ہوئی تو اُن کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کے بعد مکہ میں اپنے مشکلات کا حال سنایا۔ اور فرمایا کہ "کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ مدینے والے مظلوم مسلمانوں کو قریش کی تعدیوں سے پناہ دیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس امر کا بخوبی یقین تھا۔ کہ اگر آپ اور آپ کے صحابہ کسی دوسری جگہ ہجرت بھی کر گئے تو قریش ضرور اُن کا تعاقب کریں گے آپ میور اور دوسرے وقائع نگاروں کی نسبت اپنے حالات زیادہ

اچھی طرح سمجھتے تھے اور حضور کو معلوم تھا کہ قریش اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کو یہ بھی گوارا نہ ہوسکے گا کہ مسلمان کسی دور دراز شہر میں بھی امن سے زندگی بسر کریں۔ یہی باعث تھا کہ آپ نے مدینہ کو ہجرت کرنے سے پیشتر مدینے کے نومسلموں سے اس بات کا پختہ وعدہ لیا کہ وہ آپ کی اور آپ کے رفقاء کی حفاظت اس طرح کریں گے جیسا کہ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ آنحضرت ص کے چچا عباس جو ابھی تک غیر مسلم تھے ان کی تقریر سے بھی صاف عیاں ہوتا ہے کہ قریش کا ارادہ تھا کہ مسلمان خواہ کہیں جائیں وہ ان کا تعاقب کریں گے۔ عباس نے مدینے کے نومسلموں سے جو آنحضرت ص کے پاس مدینے میں پناہ لینے کا پیام لائے تھے اس طرح کہا۔ اے بنی خزرج! اس معاملہ کو غور سے سوچو اور نفع نقصان کا اندازہ کر لو۔ اگر تمہارا مصمم ارادہ ہو اور تم ان کی حفاظت کے قابل بھی ہو تو عہد کرو۔ لیکن اگر تمہیں شک ہو کہ تم اس قابل نہ ہوسکے تو فوراً اس تجویز کو چھوڑ دو۔

ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ عباس جو کہ اسلام اور مسلمانوں کی تکالیف سے پورے طور پر واقف تھا اس کی رائے میں حضرت نبی کریم ص اور مسلمانوں کے بلانے میں اہل مدینہ ایک نہایت خطرناک امر کو اپنے ذمے لے رہے تھے اور اس کو یہ بھی یقین تھا

کہ اگر اہل مدینہ ان مہاجرین کو ان بکے بے رحم ایذا دہندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے تو آنحضرت صلعم اور ان کے ساتھیوں کی جانیں معرض خطر میں ہونگی۔ حضرت نبی کریم صلعم اور آپ کے چچا عباسؓ کی راستے میں یقینی امر تھا کہ قریش مسلمانوں کی اس نئی جائے پناہ پر ضرور حملہ آور ہوں گے بعد کے واقعات نے اس رائے کو بالکل راست ثابت کر دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک مکہ کو نہ چھوڑا جب تک کہ اہل مدینہ سے اس امر کا پختہ وعدہ نہ لیا کہ وہ آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھیوں کی حفاظت وحمایت میں جان و مال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

چھپے دشمن

بھلا یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینے میں آکر مکہ کے دشمنوں سے غافل رہتے ہو آپ نے آتے ہی قریش کے اس آنے والے حملہ سے اپنا بچاؤ کرنے کے لئے مناسب تیاریاں شروع کر دیں اگرچہ حضرت نبی کریم صلعم اور مسلمان مدینے میں مشرکین مدینے کی تعدیوں سے محفوظ تھے مگر یہاں آکر آپ کو نئے رنگ کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ بہت سے اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے مگر ان کی ایک بڑی جماعت ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ آنحضرت صلعم کی

دشمن تھی۔ عبداللہ بن ابی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے لوگوں میں سے تھا۔ ان لوگوں میں سے اکثر ظاہراً حضرت نبی کریم ؐ کے حامی بنے ہوئے تھے مگر ان کی ظاہری حمایت اُس خفیہ مخالفت پر پردہ ڈالتی تھی جو کہ علانیہ دشمنی کی نسبت زیادہ خطرناک تھی۔

یہودی

مذکورہ بالا گروہ سے بھی زیادہ خطرناک یہودیوں کی وہ قومیں تھیں جو سیکڑوں سال سے مدینہ اور اُس کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور جنہوں نے ہتھیار بند حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے قلعہ بند مکان بنائے ہوئے تھے۔ وہ اُن لوگوں کے بھائی بند اور جانشین تھے جنہوں نے اپنے ہی مسیح ؑ کو صلیب پر لٹکایا تھا۔ کیا رسول عربی جو بنی اسرائیل کے ہمسر بنی اسمٰعیل سے پیدا ہوا تھا اور جس کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کو منسوخ کرتی تھی۔ ان یہودیوں کے ہاتھ سے اُس مسیح ؑ کی نسبت بہتر سلوک کی امید کر سکتا تھا جو کہ انہی کی نسل سے پیدا ہوا اور دعوے بھی یہ کیا کہ موسوی شریعت کا ایک شوشہ بھی تبدیل نہ کیا جائے گا؟

آنیوالے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں

اگرچہ یہودی اور اہل مدینے کی ایک جماعت مسلمانوں سے سخت متنفر تھے تاہم حضرت نبی کریم ص کے تشریف لانے پر شہر میں اس قدر جوش پیدا ہوا کہ مذکورہ بالا ہر دو فریق ۔ کو علانیہ مخالفت کا حوصلہ نہ ہوسکا اور اس وجہ سے یہ لوگ پہلے پہل خاموش رہے۔ حضرت نبی کریم ص کی عین یہی خواہش تھی کہ غیر مسلم شہر والوں اور یہودیوں سے صلح صفائی رہے۔ آپ کو یہ علم تھا کہ مسلمانوں کی مختصر سی جماعت پر قریش معہ اپنے مددگار احابیش کے ضرور حملہ آور ہونگے اور اس لئے شہر کی حفاظت کے لئے یہ انسب معلوم ہوتا تھا کہ مدینے کے غیر مسلم لوگ اگر ساتھ نہ دیں تو کم از کم مسلمانوں کی راہ میں مزاحم نہ ہوں۔ چونکہ قریش کعبہ کے متولی تھے اور عرب کی قوموں پر اس وجہ سے اُن کا بڑا اثر تھا اور وہ آسانی سے ریگستان کی قوموں اور عرب کی دوسری اقوام کو حضرت نبی کریم ص کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اُکسا سکتے تھے کیونکہ آنحضرت ص کی موجودگی سے اُن کے قومی مذہب کی تباہی کا اندیشہ ہو رہا تھا۔ اسلئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت بعض صورتوں میں یہاں آکر مکہ سے بھی زیادہ نازک ہو گئی تھی۔ مکہ میں تو صرف قریش

کی مخالفت تھی مگر مدینے میں جیسا کہ میور اقرار کرتا ہے آپ کو تمام
عرب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے
مختصر گروہ کو جو کہ مدینہ میں جمع تھا ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا
تھا۔ کم از کم شہر میں امن رکھنے کے لئے حضرت نبی کریم نے
مدینہ اور مضافات کی غیر مسلم آبادی سے ایک عہدنامہ کیا۔
جو کہ اہل مدینے کے لئے آنحضرت کی طرف سے بطور فرمان شاہی
تھا اور اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"یہ فرمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کیلئے
خواہ وہ قریش ہوں خواہ اہل یثرب (مدینہ) اور سب لوگوں کیلئے خواہ وہ
کسی مذہب اور کسی قوم کے ہوں جنہوں نے مسلمانوں سے
صلح اور آشتی رکھی ہے لکھ دیا ہے۔ صلح اور جنگ کی حالت
سب مسلمانوں کے لئے عام ہوگی اور کسی مسلمان کو یہ اختیار نہ
ہوگا کہ برادران اسلام کے دشمنوں سے صلح یا جنگ کرے
یہود جو ہماری حکومت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں تمام توہینوں
اور ذلتوں سے بچائے جائیں گے اور ہماری امت کے ساتھ
مساوی حقوق ان کو ہماری نصرت اور حمایت اور حسن سلوک
کے حاصل رہیں گے۔ یہودان بنی عوف۔ بنی نجار۔ بنی حارث۔
بنی جشم۔ بنی غالب بنی اوس اور سب ساکنان یثرب مسلمانوں
کے ساتھ مل کر ایک قوم سمجھی جائے گی اور وہ اپنے [illegible]

کو ویسی ہی آزادی سے بجا لائیں گے جیسے مسلمان اپنے امورِ دینی کو ادا کرتے ہیں۔ یہود کی حفاظت اور حمایت میں جو لوگ رہیں یا جو ان سے دوستی رکھتے ہیں اُن کو بھی تحفظ اور آزادی حاصل رہے گی۔ مجرموں کا تعاقب کیا جائے گا اور اُن کو سزا دی جاوے گی۔ یہود مسلمانوں کی شرکت میں جنگ بچانے میں کریں گے . . . . اور تمام وہ لوگ جو اس فرمان کو قبول کریں گے یثرب میں محفوظ اور مامون رہیں گے۔ مسلمان اور یہود کے دوست و آشنا کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائے گا جیسا کہ خود یہودیوں کا۔ سب سچے مسلمان اُس شخص سے بیزار رہیں گے جو کسی گناہ یا ظلم۔ نااتفاقی یا بغاوت کا مرتکب ہوگا اور کوئی شخص کسی مجرم کی حمایت نہ کرے گا۔ گو وہ کیسا ہی قریبی اور عزیز ہو آئندہ جو تنازعات ان لوگوں میں ہوں گے جو اس فرمان کو قبول کرتے ہیں اُن کا فیصلہ خداوندعالم کے حکم کے مطابق رسول اللہ فرمائیں گے۔

یہ فرمان دو وجہ سے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے اول اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو قریش اور اُنکے مددگاروں کے حملہ کا اندیشہ تھا اور یہ بھی فکر تھا کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت تباہی سے بچ جائے اسی وجہ سے آپنے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار کے غیرمسلم لوگوں سے عہدنامہ کرکے اس شہر کو ایسی حالت میں کردیا تھا کہ حملے کے وقت بچاؤ کی کوشش ہو سکے۔

دوم۔ اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملا کر ایک قوم سمجھا جائے گا۔ اور حقوق میں مساوات رکھی جائے گی۔ اس عہدنامے کے رو سے آپ نے یہ اجازت دی کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب پر چلنے کے لئے آزاد ہوگا بلکہ ضرورت کے وقت نہ صرف معاہدہ کرنے والوں کی مدد کی جائے گی بلکہ ان لوگوں کی بھی مدد کیجائیگی۔ جو ان سے تعلق اور عہد رکھتے ہیں۔

اس معاہدہ میں یہود کی وہ قومیں تو شامل ہی تھیں جن کا ذکر مذکورہ بالا فرمان میں آچکا ہے مگر ان کے علاوہ مدینہ میں مستقل رہائش رکھنے والے تمام لوگ بھی شامل کر لئے گئے تھے کچھ عرصہ بعد نواح مدینہ میں رہنے والی یہودی اقوام یعنے بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے بھی فرمان کی شرائط کو تسلیم کر لیا۔ ان لوگوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو کہ مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اور ایسی ہی مذہبی آزادی تھی جیسی کہ خود مسلمانوں کو حاصل تھی۔

آہ! ان یہود سے بڑھ کر کونسی قوم نمک حرام اور دغاباز ہوگی؟ انھوں نے ان شرائط کو محض اس غرض سے قبول کیا تھا کہ جب موقع ملے فوراً روگردانی کر لیں۔ یہ لوگ ہرگز اس

قابل نہ تھے کہ ان سے معاہدوں کی پابندی کی امید کی جاتی اور امید بھی خصوصاً ایسے لوگوں کے معاملے میں جن سے دلی نفرت رکھتے تھے اور بالآخر انھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ بالکل اس فیاضی اور دریا دلی کے مستحق نہ تھے جو کہ سرور انبیاءؐ نے نہایت فراخ دلی سے اس معاہدے میں ظاہر فرمائی تھی ؛

مدینہ میں ایک قسم کی سلطنت کی بنیاد

اس معاہدے سے مدینے کے شہر میں ایک رنگ کی جمہوری حکومت ہوگئی جس کے امیر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ جمہوریت وقتی حالات اور واقعات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ قریش نے آنحضرت م اور آپ کے تابعین کو نہایت ایذارسانی کے بعد مکہ سے نکال دیا تھا۔ اور انھوں نے مدینہ کے نومسلم بھائیوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ ملک میں کوئی حکومت نہ تھی۔ جو کہ اس چھوٹی سی جماعت کے مال۔ جان اور عزت کو دشمنوں سے محفوظ رکھتی۔ اس لئے اس قلیل جماعت کو دشمنوں سے اپنی آپ حفاظت کرنی پڑی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ان لوگوں کے آقا اور قدرتی سردار تھے۔ آنحضرت م کو مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی ترقیات سے ہی واسطہ نہ تھا بلکہ اس جماعت

اندرونی انتظامات اور غیر مسلم اقوام کے حملوں کی مدافعت کے اسباب مہیا کرنے کا فکر تھا۔ اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو محض رسالت کا ہی کام نہ رہا بلکہ ایک مدبر امور سلطنت کے فرائض کو بھی انجام دینا پڑا۔ اور آپ کا پہلا ہی معاہدہ جو یہود اور مدینہ کے غیر مسلموں سے کیا گیا اس امر کا شاہد ہے۔ کہ آنحضرت ع کو اللہ تعالےٰ نے امور سلطنت کے ادراک میں بھی لاثانی انسان بنایا تھا۔ آپ کی رائے صائب اور ارادہ زبردست تھا۔ آنحضرت ہم اپنے زمانے میں ہی نہیں جیسا کہ میور کہتا ہے بلکہ کل زمانوں میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

اس طرح یہ جمہوریت اُن حالات اور واقعات کا نتیجہ تھی جو کہ مدینے میں مسلمانوں کو پیش آئے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکومت اس وجہ سے قائم نہیں کی تھی۔ کہ معاذ اللہ آپ کو کسی دنیوی عظمت کی خواہش تھی بلکہ آپ نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے فوائد کو ملحوظ رکھ کر کیا۔ ملک کی ابتری اور بے امنی کو باقاعدہ حکومت اور امن سے تبدیل کر دیا اور جو مقام پہلے پہل اس حکومت سے مستفید ہوا وہ مدینہ تھا۔

مدینہ میں عربوں کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے اسلام کی آمد سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں سخت دشمنی تھی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف آوری

سے پانچ چار سال پیشتر ان کی باہمی دشمنی آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔ اور ۶۱۶ء میں ان دونو قبائل میں بعاث کی مشہور لڑائی ہوئی۔ پہلے گو بنی اوس کو سخت شکست ہوئی اور ان کو بھاگنا پڑا لیکن ان کے سردار نے مارے غصے کے اپنے تئیں ہلاک کر لیا۔ اپنے سردار کی ہلاکت دیکھ کر بنی اوس کو شرم دامنگیر ہوئی۔ اور انھوں نے اس بہادری سے بنی خزرج پر حملہ کیا کہ ان کے بہت سے آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا اور ان کو شکست دی۔ یہ تھی حالت مدینہ اور مدینے والوں کی جب کہ اس شہر میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اور قدرت نمائی دیکھئے کہ اہل شہر کی پشتینی دشمنی۔ اخوت اور باہمی محبت کے خیالات سے مبدل ہو گئی یہ خوش گوار تبدیلی محض مدینہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عرب بھر میں پھیل گئی۔ اور وہ ملک جہاں ہمیشہ جھگڑے اور دائمی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں اب ایسا تبدیل ہوا کہ گویا باغ ارم بن گیا۔ وہ قبائل جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے تھے اب ایسے متفق ہوئے کہ حقیقی بھائی بن گئے۔

مدینہ سلامتی کا گھر ہو گیا

باوجود اس عہدنامہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہ مشکل تمام محفوظ تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

تاہم بہت سے ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں نفرت تھی ان موخر الذکر لوگوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ جو آنحضرت صلعم کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ حضور کے تشریف لانے سے پیشتر اُسکو امید تھی کہ وہ اہل مدینہ کا بادشاہ بن جائے گا اور اب اس کی تمام آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس شخص نے آنحضرت صلعم کو کیسا سخت جواب دیا تھا اور اسی جواب سے یہ امر صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مشکلات کے وقت ایسے لوگوں پر کیونکر بھروسہ کرسکتے تھے۔ وہ گاہ بگاہ اپنے نفرت آمیز خیالات کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی موجودگی سے آنحضرت صلعم کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

مہاجرین کے تشریف لانے کے تھوڑے ہی عرصے بعد اِس گروہ کی دشمنی کا راز طشت ازبام ہوگیا۔ ابو عامر راہب نے جو ایک جماعت کا سردار تھا آنحضرت صلعم کو علانیہ گالیاں دیں کہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم بے خانماں ذلیل اور دیس بدر ہو کر مریں گے۔ جب آنحضرت صلعم کے گوش مبارک میں یہ بات پہنچی تو فرمایا "نہیں نہیں اے کاذب ایسا تیرا ہی حشر ہوگا" وہ آنحضرت صلعم کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ گیا اور قریش کو اُکسایا اسی پر بس نہیں کی بلکہ جنگ اُحد میں خود بھی حصہ لیا خدا کی قدرت ہے کہ اس جنگ میں اُس کا بیٹا مسلمانوں کی طرف

سے لڑکر شہید ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ قریش کی دشمنی نے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑا اور اسلام کا پاؤں عرب کی زمین پر مضبوطی سے جم رہا ہے تو وہ شام کو بھاگ گیا اور جو کچھ وہ عربوں کی مدد سے نہ کرسکا تھا اب عیسائیوں کی امداد سے کرنا چاہتا تھا۔

بہ آب گنگا و جمنا سفید نتوان کرد گلیم بخت کسانیکہ بافتند سیاہ

وہ جہاں کہیں گیا سخت ناکام اور نامراد ہوا۔ اور اسی حالت جلا وطنی میں ذلت کے ساتھ بے خان و مان ہوکر ہلاک ہوا۔

چراغے راکہ ایزد برفروزد کسے کو تف زند ریشش بسوزد

سبحان اللہ خدا کے رسول کی بات کس صفائی اور زور سے پوری ہوئی۔ ابوعامر کا وہی حشر ہوا جو اس نے آنحضرت کے لئے چاہا تھا یعنے بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہوکر مرا مدینے اور اسکے نواح کے یہودیوں کی اسلام سے دشمنی اب کوئی مخفی امر نہیں تھا انھوں نے معاہدے کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرکے آنحضرت کے ہجو میں اشعار پڑھنے اور مسخرآمیز کلمات بکنے شروع کردیے۔ اور یہاں تک بڑھے کہ مسلمان عورتوں کے متعلق بھی ننگ آمیز اشعار لکھنے شروع کردیے چونکہ مدینے کے منافقین بھی اس امر میں یہود سے متفق تھے۔ اس لئے ہجو کے اشعار جو یہودی شاعر مرد و عورتیں کہتی تھیں۔ فوراً منافقین مدینے کے زبان زد ہوجاتے تھے۔ ان اشعار میں اہل مدینہ پر یہ بھی الزام تھا کہ انھوں نے غیر لوگوں کو گھر بلا کر کل عرب کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ یہ الزام اس لئے لگایا گیا۔ تاکہ

منافقین کو اُکسا کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرادیں۔ یہ شعر رفتہ رفتہ ہر ایک کی زبان پر جاری ہو گئے اور سڈیشن کا بیج بو یا گیا۔ یہودی بڑے حیلہ ساز اور تعلیم یافتہ تھے اس لیئے اُن کے شاعروں کا عرب کے لوگوں پر بڑا اثر تھا مزید سے برآں عربوں کی طرح ان میں نا اتفاقی نہیں تھی بلکہ اُن سب کا ایکا تھا اسلئے منافقین سے بڑھ کر ان لوگوں کا خطرہ تھا۔ مغضوب گروہ نے شرارت کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا اور کوشش کی کہ کسی طرح بنی اوس اور خزرج کی اقوام میں ان کی پرانی دشمنی عود کر آئے۔ یہ دونوں قبائل چند سال پیشتر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ مگر قبول اسلام کے بعد اخوت اور باہمی محبت اُن میں پورے طور پر سرایت کر گئی تھی اور وہ دو قالب اور ایک جان ہو رہے تھے۔ مگر یہودیوں کی شرارت دیکھئے کہ اُنہوں نے کس طرح مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام شاس بن قیس تھا خزرج اور اوس کے قوموں کے نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اُس نے ایک جوان یہودی کو اُن کے درمیان بھیج دیا اور سکھلا دیا کہ باتوں باتوں میں بغاوت کی خونریز لڑائی کا ذکر کر دے اور وہ اشعار پڑھ دے جو لڑائی کے موقعہ پر پڑھے گئے تھے۔ اور

اس طرح اُن کی دشمنی کے بجھے ہوئے خیالات کو دوبارہ سلگا دے۔ اس مکاری نے اپنا پورا اثر دکھلایا اور مدنی نوجوانوں کی رگوں میں عربی خون نے حرکت شروع کر دی۔ حرہ نام ایک مقام میدان جنگ تجویز ہوا اور فریقین ہتھیار لانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اگر عین وقت پر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو ضرور جنگ ہو جاتی مگر حضورؐ کے وعظ نے اُن کے دلوں کو ایسا موم کیا کہ لڑائی تو درکنار وہ روتے ہوئے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

ان حالات سے حضرت نبی کریمؐ کو واضح ہو گیا کہ باوجود معاہدے کے مدینے کے منافق اور یہودی قبائل اُن کے دوست نہیں بلکہ اسلام کے خطرناک دشمن ہیں۔ اور آپ اس نئے شہر میں کسی طرح محفوظ نہ تھے۔ یہ شہر تو نفاق اور سڈیشن کا مرکز بن رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی وفادار جماعت حضرت نبی کریمؐ پر جان دینے کو تیار تھی مگر بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی حقیقت کیا تھی؛ بہت سے مہاجرین تو بالکل نادار تھے اور اُن کے اخراجات انصار برداشت کرتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ نے مہاجرین مکہ اور انصار مدینے کے درمیان رابطہ اخوت و محبت قائم کر دیا تھا۔ بعض کو رہنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی اور وہ مسجد میں ہی رہتے تھے۔ اور بعض ایسے بھی

تھے جن کے پاس مال تو تھا مگر ہجرت کے وقت اُن کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ میں اس جگہ حضرت صہیبؓ کا قصہ بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا اس بزرگ صحابی کی نسبت حضرت نبی کریم ؐ نے فرمایا تھا کہ "یہ یونان کا پہلا ثمر" ہیں۔ ان کا والد یا چچا ایرانی گورنر رہ چکا تھا۔ جب حضرت صہیبؓ ابھی بچہ ہی تھے تو لٹیروں کا ایک گروہ آپ کو شام کی طرف قید کر کے لے گیا۔ بعد ازاں آپ کو بدوؤں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جنہوں نے آپ کو مکہ کے ایک سردار کے پاس بھیج دیا اور اس نے آپ کو آزاد کر دیا اور تجارت کے ذریعے حضرت صہیبؓ نے بہت سا مال جمع کر لیا لیکن اسلام قبول کرنے اور سردار مذکور کی وفات کے باعث ان کا کوئی پناہ دہندہ نہ رہا اور مکہ کے قریش نے آپ کو بے حد تکلیف دی۔ مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کرنے کے وقت حضرت صہیب رضؓ کو بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح کفار قریش نے روک لیا۔ اور اُن سے کہا "تم یہاں ایک غریب آدمی کے طور پر آئے تھے اور تم نے ہمارے شہر میں ہی اس قدر مال جمع کیا ہے واللہ ہم تم کو مکے سے نہیں جانے دیں گے" حضرت صہیب رضؓ نے جواب دیا۔ "اگر میں اپنے تمام مال کو چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟" قریش نے حضرت صہیب کی جمع کردہ دولت پر للچا کر اس سودے کو

منظور کر لیا۔ جب حضرت نبی کریم ؐ نے یہ بات سنی کہ صہیب رضؓ نے ہجرت کی خاطر اپنا تمام اندوختہ قربان کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ربح صہیب۔ ربح صہیب یعنے صہیب نے بہت فائدہ دینے والی تجارت کی ہے۔ سبحان اللہ یہ قربانیاں تھیں جو کہ مسلمانوں نے محض دین کی خاطر کیں۔

جنگ کیوں ہوئی

قصہ کوتاہ۔ اگرچہ آنحضرت ؐ کے ساتھ آپ کے فدائی مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت تھی مگر وہ اس قابل کہاں تھے کہ دشمنوں کے اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کرتے۔ اور مسلمان اپنے دشمنوں کی نسبت صرف تعداد میں ہی کم نہ تھے بلکہ اُن کے پاس آلات حرب مہیا کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ نہ اُن کے اتنے بڑے تعلقات تھے جتنے کہ اُن کے دشمنوں کے تھے۔ اگر قریش اور قریش کے اُکسائے ہوئے دوسرے عرب کے قبائل جو چاروں طرف سے آنحضرت ؐ کو دُکھ دے رہے تھے۔ آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو مسلمان کبھی تلوار نیام سے نہ نکالتے۔ لیکن قریش کا غصہ تو کبھی فرو ہی نہ ہوا بلکہ برعکس اس کے ہمارے پاس کافی شہادت ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش کی دشمنی کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔ یہ لوگ اب مکہ کے

مہاجرین کے ہی سخت دشمن نہیں بن گئے تھے بلکہ انصار مدینہ بھی ان کی آنکھ میں کھٹکتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ انھوں نے مدینے کے حاجیوں کا تعاقب کیا تھا جب کہ وہ آنحضرت صلعم کو اپنے ہاں بلانے کے لئے آتے تھے قریش کی خفگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ عرب کے باقی لوگوں کی طرح مکہ کا حج کر سکے۔ قریش کے بد ارادوں سے لوگ اس قدر واقف تھے کہ جب آنحضرت صلعم نے مکہ میں آنے والی مختلف قوموں سے درخواست کی کہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں لے لیں تو انھوں نے یہ جواب دیا۔ اتہدنا فنصفونا العرب عن قوس واحدۃ" یعنے کیا ہم تمہاری خاطر اپنے تئیں کل عرب کا نشانہ بنالیں۔ ان لوگوں کو کامل یقین تھا کہ اگر آنحضرت صلعم کو امداد اور پناہ دی گئی تو محض قریش ہی نہیں بلکہ ان کے زیر اثر دیگر عربی قبائل بھی دشمن ہو جائیں گے اور اس طرح کل عرب کے ساتھ جنگ مول لینی پڑے گی۔ اہل مدینہ بھی اس امر کو خوب سمجھتے تھے اور جیسا کہ میور کہتا ہے منافقین کو اپنے انصار بھائی بندوں کی کارروائی کا افسوس تھا بڑی وجہ جو میور کے الفاظ میں یہ لوگ بیان کرتے تھے وہ یہ تھی کہ "انصار نے کم سمجھی سے ایک ایسے ویسے بد انسان کی حمایت کا ذمہ لیا ہے جس کا ساتھ دینا گویا کل عرب کا مقابلہ کرنا ہے۔"

اُس وقت کے لوگ جو معاہدات اور حالات میور اور دوسرے مورخین سے بہتر سمجھتے تھے اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں مگر عیسائی وقائع نگار ہیں کہ اپنی ہی ہانکے جاتے ہیں۔ اور واقعات کو وہ فرضی رنگ دیتے ہیں جو آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ رضہ کے خواب میں بھی نہ آیا ہوگا ❖

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہی کیا انحصار ہے اس زمانے میں ہر ایک آدمی سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غضب بھڑکے گا اور جو کوئی حضرت نبی کریم صلعم اور آپ کے صحابہ رضہ کو پناہ دیگا اُس کو نہ صرف قریش سے بلکہ عرب کے تمام قبائل سے ۔ جو متولیان کعبہ یعنے قریش کے زیر اثر ہیں جنگ کرنی پڑے گی۔ لیکن سرولیم میور اور انکے ہم آہنگ مورخ تیرہ سو سال کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ قریش کے لئے بھڑکنے کی بات کونسی تھی وہ تو بلکہ خوش ہوئے تھے کہ آنحضرت صلعم اُن سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم کی ہجرت سے قریش کے غصے میں کوئی کمی واقع ہونے کی امید ہوتی تو کم از کم آنحضرت صلعم اور اُن قوموں کو جن سے حضور نے پناہ کی درخواست کی تھی اس کا علم ہونا ضروری تھا۔ اور پھر آنحضرت صلعم کو کیا ضرورت تھی کہ مدینے والوں سے یہ وعدہ لیتے کہ وہ حضور اور آپ کے صحابہ کی حفاظت اس طرح کرینگے جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں ؟ بلکہ بجائے ایسے وعدے لینے کے اُن کو یقین دلا دیتے کہ مکہ

سے ہماری ہجرت کے بعد قریش کے حملوں کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا کیونکہ یہ
لوگ ہم کو اس شہر سے جاتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہونگے۔ اب میور کا
یہ کہنا کہ مکہ والوں نے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ رضہ کی روانگی کے بعد
دشمنی کے تمام خیالات ترک کر دیئے اور یہ کہ مکہ کے قریش کی طرف سے
نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی محض واقعات کے
خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے عقل کا بھی خون ہوتا ہے۔ قریش کا اصل
مقصد کیا تھا؟ میں کہونگا اشاعت اسلام کو روکنا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ
حج کے موقعہ پر مختلف جماعتوں کو مختلف راستوں پر اس غرض سے مقرر
کر دیتے تھے کہ حاجیوں کو آپ کا کلام سننے سے روکیں جہاں تک ان
سے ہوسکا انھوں نے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا کہ اشاعت اسلام کو روک
دیں اور مسلمانوں کو مکہ سے نکلنے نہ دیں نئے مذہب کی کیوں مخالفت
ہوئی؟ اسکا جواب صاف ہے کہ عرب کا قومی مذہب تباہ ہوتا تھا۔ اور
اس کی اشاعت سے کعبہ کے پجاریوں یعنے قریش کی عظمت میں فرق
آتا تھا مگر مکہ کے باہر اسلام کو کامیابی کی زیادہ امید تھی اس لئے ضروری
تھا کہ ہجرت کے بعد قریش اور بھی بھڑک اٹھیں۔ بت پرستی کی بیخکنی
کا ڈر تھا تو اب مکہ سے باہر یہ خوف اور بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ عملی طور پر اسلام
نے مدینے کے قبائل پر فتح حاصل کر لی تھی اور روز بروز دوسرے قبائل
کی شمولیت کا بھی سلسلہ ہوتا جاتا تھا بت پرستی سے اب نفرت کی جا رہی
تھی اور بت پرست متولیان کعبہ دن بدن بالکل بے اختیار ہوتے جاتے

تھے۔ اسلئے قریش کو اب اس بات کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس نئے مذہب کا قلع قمع کریں اور بت پرستی کی حمایت اور اپنی عظمت کو بچائیں۔ پھر اُن کی راہ میں ابھی کوئی روک بھی نہ تھی۔ قریش کو علم تھا کہ خود مدینہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے نفرت رکھتے اور اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ صرف یہی بات نہ تھی بلکہ مدینہ سے ایک با اثر یعنے ابو عامر راہب کہ کو محض اس غرض سے گیا تھا کہ قریش کو مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اُکسائے۔ اور ایسے حملہ کی صورت میں اُس نے محض اپنی ہی امداد کا یقین نہیں دلایا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ مدینہ اور اس نواح کے یہود اور منافقین بھی قریش کا ساتھ دینگے۔ علاوہ ازیں ان دشمنانِ اسلام کو عرب کے صحرا اور وادیوں میں رہنے والے بیشمار قبائل کی اعانت اور امداد پر پورا بھروسہ اور یقین تھا۔ غریب مسلمانوں میں جو تعداد میں بھی تھوڑے تھے یہ طاقت کہاں تھی کہ وہ قریش سے عہدہ برا ہوسکتے اور خصوصاً اُس وقت جبکہ تمام عرب قریش کی حمایت میں صف آرا ہو رہا تھا؟ اہل مدینہ جنہوں نے ویسے بھی مہاجرین کی حمایت اور حفاظت کا بڑا اُٹھایا تھا کس شمار میں آسکتے تھے جبکہ اُنکے مقابلہ میں طاقتور اور با اثر امراء قریش تھے جنکا تمام قبائل عرب پر اثر تھا۔ مسلمانوں کے مدینے کو ہجرت کر لینے سے اُنکی عزت میں فرق آگیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی کوششوں میں ناکام رہے۔ انھوں نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اب اسلام کا مرکز ایک اور شہر بن گیا جہاں لوگوں کو کثرت سے مسلمان ہوتے

ہوئے دیکھ کر تو وہ اندر ہی اندر جل رہے تھے۔ اور مدینے میں مسلمانوں کا وجود مغرور قریش کی آنکھ میں کھٹکتا تھا کیونکہ وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے باعث عربوں کی آنکھ میں ذلیل سے ہو گئے تھے۔ اب قریش کو مسلمانوں سے دو طرح کی دشمنی تھی اوّل تو وہ نئے مذہب کی تعلیم دیتے تھے اور قریش اس نئے مذہب کا شروع ہی میں قلع قمع کرنا عین اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دوم۔ مغرور قریش کہاں چاہتے تھے۔ کہ کوئی اُن کا ہمسر ہو۔ اس لئے اُنھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو جو اُن کے ہمسر تھے بالکل کچل دیں اور اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں اپنی طاقت اور اثر کا سکّہ بدستور جاری رکھیں۔

پھر یہ لوگ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلعم نے مکّہ میں ہی پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخر کار قریش مغلوب اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اس پُرزور کلام کو یاد کرکے جو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم پر بطور وعدہ نصرت نازل فرمایا تھا قریش کا جوش اور بھی موجزن ہونا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تا اُن کو غلبہ ہو اور مسلمانوں کی پیشگوئی پوری نہ ہو۔ قریش کے وہم میں بھی یہ خیال کبھی نہیں گذرا کہ مسلمان ہم پر تعدی کرتے ہیں اور ہم مظلوم ہیں۔ یہ تو ہمارے عیسائی معترضین کا ہی حصہ تھا۔ مدعی سست اور گواہ چست کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے میور اور اُن کے ہم خیال مصنف کہتے ہیں۔ کہ غریب قریش

حریص مسلمانوں کی خوں خواری کا شکار ہوئے آہ! کیسا سفید اور قابل شرم جھوٹ ہے جو خداوند یسوع کے بڑے اسلام کی عداوت کی وجہ سے بولتے ہیں۔ ہمیں تو کہیں پتہ نہیں ملتا کہ قریش نے بھی کبھی مسلمانوں کے ظالم اور اپنے مظلوم ہونے کی شکایت کی ہو ہاں، برعکس اس کے وہ اس جنگ کو اس سلسلہ میں خیال کرتے تھے جس کا آغاز خود انہوں نے کیا تھا۔ البتہ تبدیلی تھی تو یہ تھی کہ اس وقت تک مسلمان تکالیف اور مصیبتوں کو صبر سے برداشت کرتے رہے تھے مگر اب جبکہ یہ ایذا دہی قابل برداشت نہ رہی تو انہوں نے بھی ارشاد الٰہی کے ماتحت اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار اٹھائے۔ مسلمانوں کے اس فعل نے جلتی آگ پر ایندھن کا کام دیا اور دشمنوں نے اپنی پوری طاقت اور ہر طرح کی حکمت عملیوں کو کام میں لانا شروع کر دیا۔

اس سے بڑھ کر انصاف اور سچائی کا خون کیا ہو سکتا ہے کہ عیسائی معترض زیادتی کا الزام آنحضرت صلعم پر لگاتے ہیں یہ لوگ قریش کے افعال کو جو تادم آخر ان سے سرزد ہوئے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آہ! ان کو ان خطرناک مظالم کا خیال تک نہیں آتا جو مسلمانوں پر قریش کے ہاتھوں ٹوٹے اور جو آخرکار اس قدر ناقابل برداشت ہوئے کہ ان کو مکہ سے بھاگنا اور ایک دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ پُرسوز الفاظ قابل غور ہیں جو کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے آٹھ سال بعد اپنی زادبوم میں بطور فاتح داخل ہوتے

ہوئے زبان مبارک سے فرمائے تھے۔ حضور ؐ نے مکہ کے شہر کو مخاطب کر کے فرمایا "تو میرے لئے روئے زمین پر نہایت ہی پسندیدہ اور خوشگوار مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے باہر نہ نکال دیتے تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔" یہ خیالات محض حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی نہ تھے بلکہ آپ کے مہاجر صحابہ رضؓ بھی یہی خیالات رکھتے تھے۔ یہ آنحضرت ؐ کے وہ الفاظ بھی قابل غور ہیں جو حضور ؐ نے حنین کی جنگ کے بعد مدینے کے انصار کو فرمائے تھے اور وہ یہ تھے "نہیں۔ واللہ تم مجھے یہ کہہ سکتے تھے اور سچائی سے کہہ سکتے تھے کہ تم جھٹلائے ہوئے مدینے کو آئے تھے اور ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ تم بےکس تھے۔ ہم نے تمہاری مدد کی۔ تم بھاگ آئے۔ ہم نے تمہیں جگہ دی۔ تم تہیدست تھے ہم نے تم کو کھانا کھلایا۔" یہ الفاظ حضرت نبی کریم ؐ کی طرف سے ہی نہ تھے بلکہ ہر ایک مہاجر کی طرف سے تھے۔

ان الفاظ میں حضرت نبی کریم ؐ اپنی اور اپنے صحابہ رضؓ کی بے کسی کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں اور صاف بتلاتے ہیں کہ ان کو کفار قریش کے ظلم نے گھر بار ترک کرنے اور اجنبی لوگوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کیا۔ ہائے افسوس! پھر بھی عیسائی معترض یہی کہے جاتے ہیں کہ آنحضرت ؐ اور آپ کے صحابہ رضؓ کی طرف سے زیادتی تھی نہ کہ قریش کی طرف سے۔ اگر ہم مسلمانوں کے بے رحم دشمنوں کی بےشمار ظالمانہ حرکتوں کو نظرانداز بھی کر دیں تو صرف ایک ہی واقعہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے

زیادہ ہے کہ آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ رضہ ہتھیار اٹھانے میں بالکل حق پر تھے یہ واقعہ قریش کی وہ ظالمانہ سازش ہے جو آنحضرت صلعم کے قتل کے لئے اس وقت کی گئی تھی جب کہ آپ ہجرت کے لئے ارشاد الٰہی کا انتظار کرتے ہوئے مکہ میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ میور قاتلوں کی اس جماعت کی نسبت جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ کہتا ہے کہ یہ ایک وفد تھا جو آنحضرت صلعم کو ملنے کے لئے گیا تھا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اس وفد کا ارادہ نیک تھا تو پھر رات کو اندھیرے کے وقت آنحضرت صلعم کے گھر جانا کیا معنے رکھتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہوئی کہ آنحضرت صلعم اس پُر امن وفد کو ملنے کی بجائے ڈر کر اپنے گھر سے بھاگ گئے اور غار میں چھپ گئے۔ میور اس بات کے بتلانے سے گریز کرتا ہے کہ قریش کے ان جوانوں کے وفد کا رات کے وقت آنے سے کیا منشاء تھا۔ وہ اس کا بھی کچھ جواب نہیں دیتا کہ آنحضرت صلعم کے روپوش ہو جانے پر سواروں کو کیوں تلاش میں ہر طرف دوڑایا گیا؟ اور آپ کے قتل کے لئے کیوں انعام مقرر کیا؟ مگر پھر بھی یہی کہتا ہے کہ قریش کی جماعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کرنے کے لئے گئی تھی۔

الغرض جب یہ دیکھ لیا جاتا ہے کہ قریش نے مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم توڑے اور مسلمان تو درکنار حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کو بھی نہ چھوڑا۔ جن پر ہاتھ پڑ سکا اُن کو قید کر لیا اور جن کو لُوٹ سکے اُن کا مال و اسباب لُوٹ لیا۔ بعض کو نہایت ایذا دہی سے قتل کیا۔ مسلمانوں اور اُنکے حمائتیوں کو برادری سے خارج کر دیا۔ اور جہاں تک ہو سکا اُنکو ہر طرح تنگ کیا۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس معصوم نبی صلعم کے بے وجہ بے گناہ قتل کرنے کا خوف ناک منصوبہ کیا اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ آپ اُن لوگوں کے درمیان قریبًا تنہا ہی رہ گئے تھے۔ وغیرہ وغیرہ تو بلا تامل یہ کہنا پڑیگا کہ زیادتی قریش کی تھی نہ آنحضرت صلعم کے صحابہ رض کی۔ افسوس ہے تو یہ ہے کہ باوجود قریش کی ان سختیوں اور ایذا دہی کے عیسائی معترض اب بھی مسلمانوں کے ہتھیار اٹھانے کو قرین انصاف نہیں سمجھتے گو کہ قریش کی طرف سے حد درجہ کی بیرحمی کے فعلوں کا ثبوت ملتا ہے اور فعل بھی ایسے۔ جن کا خاتمہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش پر ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی معترضین یہی کہتے جائیں گے کہ مسلمان ہی تھے جن کی طرف سے جنگ کی ابتدائی تحریک ہوئی۔ فلعنۃ اللہ علے الکاذبین +

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات

خبر رساں جماعتوں کی روانگی

اگر قریش مسلمانوں کے مدینے کی طرف ہجرت کر جانے کے بعد بھی ان کی ایذا دہی سے باز آجاتے تو آنحضرت صلعم کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی بات خوشی کا موجب نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اگر اہل مکہ اس کے بعد کہ آنحضرت ص نے اپنے وطن عزیز کو ترک کر دیا تھا آپ کو تکلیف نہ پہنچاتے تو ضرور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انکی گذشتہ بے رحمیوں کو معاف فرماتے جیسا کہ آخر کار فتح مکہ کے بعد اس رحم مجسّم انسان سے ظہور میں آیا۔ ہجرت کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن سے واضح ہوتا ہے کہ گو مسلمانوں نے اپنے وطن عزیز کو ترک کر دیا تھا مگر قریش کی مخالفانہ حالت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا بلکہ مسلمانوں کے بچ نکلنے پر اُن کا غصہ اور بھڑک اُٹھا اور اُنھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح بن پڑے ان کو تباہ کر دیں۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ ہجرت کے بعد بھی قریش کے غضب میں کوئی فرق نہ آیا تھا صرف اس بات کا اظہار کرنا ہی کافی ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جو بوڑھا۔ عورت

قیدی یا غلام پیچھے رہ گیا وہی قریش کے ظلم کا شکار ہوا۔ ان غربا کو اب بھی مصائب اور تکالیف جھیلنی پڑیں جو ہجرت سے پہلے انپر برسائی جاتی تھیں۔ اور قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ ہیں ان کی بےکسی کا نقشہ کھینچتا ہے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا ۵ (سورہ نساء رکوع ۱۰) اور تم کو کیا ہوگیا ہے کہ لڑو اللہ کی راہ ہیں اور واسطے اُن کے جو ناتوان ہیں مرد اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں رہنے والے اسکے اور پیدا کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور مددگار۔

لیکن اس پر بھی ہمارے عیسائی معترض مسلمانوں کو ہی زیادتی کا ملزم ٹھیراتے ہیں۔ اگر قریش اب اسلام کے دشمن نہیں رہے تھے تو اُنھوں نے کیوں اُن مسلمانوں کو رہا نہ کردیا جن کو ہجرت سے روکنے کے لئے قید کر لیا تھا؟ آہ۔ غریب بےکس عورتیں بھی اپنی عزت اور جان کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نہ بچا سکیں۔ جب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ سے بچ کر نکل گئے اور غار

میں جا چھپے تو ابو جہل قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رض کے گھر پر گیا اور آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء سے دریافت کیا کہ تمہارا باپ کہاں ہے ؟ جب صدیق رض کی بیٹی نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس جگہ ہے تو اس بے رحم سفاک نے اس بے کس لڑکی کے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اُس کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔ اور اگر میور کے کہنے سے کوئی مان بھی لے کہ قریش نے مسلمانوں کی دشمنی کا خیال چھوڑ دیا تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھر اُنہوں نے مسلمانوں کو سالانہ حج کرنے سے کیوں منع کیا ؟ جب کہ عرب کی ہر ایک قوم کو خواہ وہ قریش کی دشمن بھی ہو حج کی ممانعت نہ ہوتی تھی قرآن کریم اس امر کی طرف متواتر اشارہ دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلنٰہ للناس سواء العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (الحج) یعنے جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اُس میں بیچ کا رہنے والا اور باہر کا اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھادینگے ایک دُکھ کا عذاب۔

اس آیت اور کئی دوسری آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کفار قریش کے لوگوں کو صرف قبول اسلام سے ہی نہیں روکتے تھے۔ بلکہ مسجد الحرام میں داخل ہونے سے بھی باز رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مفصلہ ذیل واقعہ مذکور ہے "سعد بن معاذ جو کہ مدینے کا ایک سردار تھا وہ مکہ کے ایک سردار اُمیہ بن خلف کا گہرا دوست تھا جب اُمیہ مدینہ جاتا تو وہ سعد کے گھر ٹھیرتا اور جب سعد مکہ آتا تو وہ اُمیہ کے گھر قیام پذیر ہوتا۔ حضرت نبی کریم صلعم کے مدینے میں تشریف لے جانے کے بعد سعد ایک دفعہ مکہ معظمہ کو عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اور اُس نے امیہ سے کہا اے ابی صفوان مجھے تنہائی کا ایسا وقت بتا جب میں امن و امان سے کعبہ کا طواف کرسکوں اور مکہ والوں میں سے مجھے کوئی طواف کرتا ہوا نہ دیکھے۔ اس لئے اُمیہ سعد کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف دوپہر کے قریب روانہ ہوا۔ کعبہ میں ابوجہل نے اُن کو دیکھ لیا اور اُمیہ سے کہا تمہارے ساتھ کون ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ سعد ہے۔ ابوجہل نے سعد سے کہا الا اراك تطوف بمكة امنا وقد اويتم الصاة وزعمتم انكم تنصرونهم و تعينونهم واما والله لولا انك مع ابى صفوان ما رجعت الى اهلك سالماً۔ کیا تم امن و امان سے کعبہ کا طواف کرتے ہو۔ جبکہ تم نے آبائی مذہب کے تارکوں کو

اپنے ہاں پناہ دی ہے اور تمہیں یہ گمان ہے کہ تم اُن کی مدد اور اعانت کے قابل ہوسکو گے اور واللہ اگر ابی صفوان تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم اپنے گھر صحیح وسالم نہ جاسکتے۔

ابوجہل کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غصہ کم ہونے کی بجائے اور بھڑک اُٹھا تھا اور یہ دیکھ کر کہ مدینہ کے مسلمانوں نے مہاجرین کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا ہے وہ اور کڑھتے اور دانت پیستے تھے۔ ابوجہل کے مذکورہ بالا الفاظ یعنی "تم نے آبائی مذہب کے تارکوں کو پناہ دی ہے اور تمہیں گمان ہے کہ تم اُن کی مدد اور اعانت کے قابل ہوسکو گے" وغیرہ میں بھی اس بات کی دھمکی دی گئی تھی کہ قریش مدینے پر حملہ کریں گے اور اہل مدینہ اس قابل نہ ہوسکیں گے کہ قریش کے مقابلے میں آنحضرت صلعم کی امداد کرسکیں۔ الغرض قریش نے جو رویہ مکہ میں مسلمانوں کی نسبت اختیار کیا ہوا تھا اس میں کبھی تبدیلی نہ کی اور کوئی وقت ایسا نہیں آیا جب کہ یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ ان کی حرکات میں تغیر پیدا ہوگیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلعم بخوبی جانتے تھے کہ اُن کے دشمن اُن کو مدینہ میں بھی چین نہ لینے دیں گے اور اپنے مقدور بھر اسلام کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کریں گے۔ خود حفاظتی کے لئے ہتھیار اُٹھانے

کی قرآن کریم نے ایک اور دلیل وہی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا (سورہ بقر رکوع ۲۷) (ترجمہ) اور نہیں ٹلینگے جو لڑے جاویں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تم کو دین تمہارے سے اگر کرسکیں ؀

لہٰذا پہلا کام جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر کیا وہ یہ تھا کہ مدینہ والوں اور وہاں کے یہود کے ساتھ عہدنامہ کرلیا جس کے رو سے دستخط کنندگان کا فرض تھا۔ کہ مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی امداد نہ کریں اور اس طرح پر قریش کے اس حملہ کی مدافعت کا سامان ہوگیا جس کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا اور دوسرا کام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو دشمن کا سراغ لگائے اور اس کی نقل و حرکت کا پتہ رکھنے پر مامور کیا لیکن چونکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمن قوموں کے نرغہ میں تھے اس لئے یہ مختصر سی جماعتیں دن کے وقت سفر نہ کرسکتی تھیں اور حضرت نبی کریم صلعم نے ان کو حکم دیا کہ رات کو چلیں اور دن کو چھپ رہیں۔ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ بعض اوقات تیس تیس بلکہ ستر ستر مسلمانوں کی جماعتوں کو دشمن نے موقعہ پاکر قتل کر دیا اور یہی سبب اور خوف تھا کہ آنحضرت صلعم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ رات کو چلیں اور دن کو چھپ رہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ حالات موجودہ کے ماتحت

ان جماعتوں کا بھیجنا اشد ضروری تھا۔ عرب کی لڑائی عام طور پر اس طرح ہوتی تھی کہ لوگ ایک دوسرے پر اچانک حملہ کر دیتے تھے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی عادات کا پورا علم تھا۔ اس لئے ایسے اچانک حملوں سے بچنے کے لئے سراغ رساں جماعتوں کا بھیجنا ضروری سمجھتے اور اس طرح قریش اور دیگر مخالف قوموں کی نقل و حرکت سے آگاہ رہتے تھے۔ اور ناظرین جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا ہے اُن کو پتہ لگ گیا ہوگا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طریق عمل سے بہت سارے موقعوں پر مسلمان تکالیف سے بچ گئے اور دشمنوں کی جماعتیں تتر بتر کر دی گئیں۔ الغرض قریش اور عرب کی اور قوموں کی دشمنی جو اسلام اور مسلمانوں سے تھی۔ اس کے باعث یہ طریق عمل ضروری ہو گیا تھا۔ اور اگر مدینہ کے مسلمان ہمیشہ اپنی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کے دشمن اسلام کو عرب کی سرزمین سے مٹا دیتے اور صرف چند حملے ہی مدینے میں مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہو سکتے تھے مگر چونکہ مسلمانوں نے چستی سے کام لیا اس واسطے ایسا نہ ہونے پایا۔ ان واقعات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے ایک بڑا اہم کام تھا جس کی تکمیل کے لئے آپ کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ آن کی مدینے کی زندگی ایک مسلسل جنگ کا

زمانہ تھا اور کیونکر ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جن کے حالات پیش آمدہ نے ہمیشہ چوکس رہنے پر مجبور کیا تھا اپنے اتنے کٹ دشمنوں یعنے قریش سے بے خبر رہتے بہت سے تجارتی رستے تھے جن پر قریش کی آمد و رفت تھی اور ان میں سے ایک مدینہ سے مغرب کی طرف تھا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد قریش نے وہ راستہ اختیار کر لیا تھا جو قومیں اس راستہ پر مقیم تھیں۔ وہ قریش کی طرف دار تھیں۔ اب چونکہ قریش مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اس واسطے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کے خطرات کا سامنا ہوا اوّل تو یہ راستہ ہی قریش کے مدینے پر اچانک۔ اور خطرناک صورت میں حملہ آور ہونے کے لئے ایک عمدہ موقع دیتا تھا۔ اور مدینہ سے صرف دو تین منزل کے فاصلے پر تھا۔ اور اگر مسلمان ایسے حملوں کے متعلق احتیاط نہ کرتے۔ تو مدینہ ان خونخوار دشمنوں کا شکار ہو جاتا۔ اور دشمن بھی ایسے کہ جن کا غیظ و غضب مسلمانوں کی ہجرت کی وجہ سے اور مدینہ میں ان کی امداد ہونے سے اور بھی بھڑکا ہوا تھا اور یہ سب باتیں مسلمانوں کو معلوم تھیں۔ لیکن قریش کی ان کارروائیوں سے ایک اور بڑا خطرہ پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ قریش عرب کی قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ اور اگر یہ سب قومیں جنگ کے وقت قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مل جاتیں جیسا کہ واقعی طور پر کئی قوموں نے کیا۔ تو یہ

مدینہ کے مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے لئے ایک بڑی تکلیف کا موجب ہو جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوجہل ابوسفیان۔ عکرمہ اور امیہ بن خلف جیسے خوفناک سرداران قریش ان کاروانوں کے ساتھ ہوتے۔ اور ان کے ہمراہ ایک سو سے تین سو تک مسلح آدمی ہوا کرتے۔ پھر یہ سردار راستہ کی قوموں کو آسانی سے بھڑکا سکتے اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ مسلمان چوکس نہیں ہیں تو کبھی ممکن نہیں تھا کہ وہ مدینہ پر تاخت کرنے سے باز رہتے۔ اب چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو خطروں کی انسداد کی فکر تھی۔ اس واسطے آپ نے چھوٹی چھوٹی جماعتیں جن کی تعداد بعض دفعہ بیس اور بعض دفعہ تین سو ہوتی تھی۔ باہر بھیجنی شروع کیں۔ اور ان جماعتوں کے بھیجنے سے یہ غرض تھی کہ قریش اچانک مدینہ پر حملہ نہ کر سکیں۔ جب قریش مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو راستہ پر دیکھتے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ مسلمان غافل نہیں ہیں۔ ان جماعتوں کا کچھ ایسا رعب پڑتا تھا کہ دشمن ڈر جاتے۔ اور بعض اوقات آنحضرت صلعم بذات خود ان جماعتوں کے ساتھ جایا کرتے اور ان راستہ والی قوموں کے ساتھ معاہدہ کر لیا کرتے تا کہ قریش کے کہنے پر مسلمانوں پر حملہ نہ کریں۔ اور نہ ہی اہل مکہ کے طرفدار ہوں۔ ایک دفعہ آپ نے ایک مہم میں جو غزوہ ابواء یا غزوہ ودان کے نام سے مشہور ہے ایک امن کا معاہدہ قوم بنی ضمرہ سے کیا۔ اور یہ قوم پہلے قریش

کی حامی تھی اور اِس معاہدے کے رُو سے اُنہوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کبھی نہیں لڑیں گے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کی مدد کریں گے۔ جو مسلمانوں کے مقابل ہتھیار اُٹھائیں۔ نیز ایک غزوہ میں جو غزوۃ العشیرہ کے نام سے مشہور ہے اسی قسم کے معاہدے آپ نے بہت سی قوموں کے ساتھ کئے۔ جو عشیرہ کے گرد و نواح میں رہتی تھیں۔ یہ تمام عہدنامے بدر کی لڑائی سے پہلے ہوئے۔

نخلہ کا معاملہ

اُن مہمات میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کبھی کوئی کُشت و خون نہیں ہوا۔ صرف ایک مہم میں ایسا ہوا جب کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چھ یا سات آدمیوں کو باہر بھیجا۔ اور اُنہوں نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ اور دو آدمیوں کو قید کر کے لائے۔ اُس جماعت کے سردار کو جو ہدائت دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دشمن کے متعلق خبر لائے اور اس جماعت کا کوئی اور کام نہیں تھا۔ اس سے پہلے مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر نے مدینے پر چھاپا مارا تھا۔ اور مسلمانوں کے کچھ مویشی اور اونٹ جو کہ شہر سے کچھ فاصلے پر چراگاہ میں چر رہے تھے لُوٹ کر لے گیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اِس لیٹرے سردار کے پیچھے بدر تک گئے لیکن وہ بچ کر بھاگ گیا۔ اس مہم کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین

کے ساتھ بھیجا۔ اور اُس کو ایک چٹھی دی جس کے متعلق یہ حکم تھا کہ دو دن کے سفر کے بعد اُسے کھولے پھر اس کی ہدائتوں کے مطابق عمل کرے اور صرف اُن آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جائے جو خوشی سے اس کے ساتھ جانا پسند کریں۔ جب اس نے چٹھی کو کھولا۔ تو اُس کو معلوم ہوا کہ اس کو نخلہ تک جانا ہے (یہ جگہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے) وہاں قریش کا انتظار کرنا پھر ان کے متعلق حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینا ہے۔ اس جماعت میں سے دو آدمیوں کے اونٹ راستہ میں گم ہو گئے۔ اور انکی تلاش کے لئے وہ پیچھے رہ گئے باقی آدمی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے آگے چلے گئے۔ چونکہ نخلہ مکہ کے ایک مشہور راستے پر واقع ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی جماعت اس راستے کے گرد و نواح میں انتظار کرنے سے قریش کے متعلق آسانی سے خبر حاصل کر سکتی تھی۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ رجب جو اشہر حرم میں سے ایک مہینہ ہے اس کے آخری دن میں اُنکو مکہ جاتا ہوا قریش کا ایک قافلہ مل گیا۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلعم کی طرف سے اُن کو لڑائی کے متعلق کوئی حکم نہ تھا اس لئے انہوں نے خود مشورہ کیا اور یہ امر قرار پایا کہ قریش پر حملہ کرنا چاہئے۔ پس حملہ ہوا اور قافلہ کا ایک آدمی مارا گیا۔ اور دو قید ہوئے۔ اسکے بعد مسلمان دونوں قیدی اور غنیمت کا مال لے کر مدینہ کو واپس

آئے ۔

عیسائی معترض اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معاذ اللہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو باہر لوٹنے کی غرض سے بھیجا تھا۔ لیکن مفصلہ ذیل امور سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس جماعت کو بھیجنے سے لوٹ مار کا منشاء ہرگز ہرگز نہ تھا۔

(۱) اس جماعت کے افراد کے لئے یہ حکم تھا۔ کہ وہ ہدایات مندرجہ خط مذکور پر عمل کریں۔ چٹھی کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ قریش کی گھات میں رہو۔ اور ہمیں ان کی خبر لادو (ابن ہشام) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جماعت کا مدعا یہ تھا۔ کہ وہ پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں قریش کے متعلق خبر لاویں۔

میور نے چٹھی کے الفاظ کو تو نقل کیا ہے۔ مگر ارادتاً آخری الفاظ کو چھوڑ دیا ہے۔ یعنے یہ الفاظ کہ "ہم کو ان کی خبر لادو" نہیں لکھے۔

(۲) اس جماعت کے سرگروہ کو یہ حکم تھا کہ وہ صرف ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاوے۔ جو خوشی سے جانا پسند کریں۔ وہ کسی ہمراہی کو اس کی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ نہ لے جاوے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مہم کا مدعا لڑائی یا لوٹ نہ تھا۔ بلکہ اس کا مدعا محض خبر لانا تھا۔ اس جماعت کے سردار کے پاس صرف سات یا آٹھ ہمراہی تھے۔ اور ان ہمراہیوں کو اختیار تھا۔ کہ

جب چاہیں واپس چلے آویں۔ سردار کو حکم تھا کہ وہ بہرحال فوراً نخلہ
کو روانہ ہوجاوے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کی
روانگی کی غرض صرف دشمن کے حالات کا پتہ لگانا تھا۔
میور لکھتا ہے کہ عبداللہ نے اس حکم کو پڑھ کر اپنے ہمراہیوں
کو کہا کہ جو شخص واپس جانا چاہے چلا جائے۔ میں خود تو پیغمبر خدا
صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آگے چلا جاؤنگا۔ اس سے
یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس جماعت کو قریش کے
حالات کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور جیسا کہ عیسائی معترض
کہتے ہیں۔ کاروانوں کے لوٹنے کے لئے ہرگز روانہ نہیں کیا تھا۔
کیونکہ عبداللہ تنہا قافلے کو لوٹ نہیں سکتا تھا ہاں قریش کی خبر لا
سکتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو قریش کے
حالات کا پتہ لگانے کی کیا ضرورت تھی؛ اور آپ نے عبداللہ
کو اہل مکہ کی خبر لانے کی لئے کیوں بھیجا تھا۔ پس اس کا جواب
یہ ہے کہ بموجب روایت ابن ہشام۔ جو چٹھی عبداللہ کے پاس تھی۔
اُس میں قریش کی خبر لانے کی ہدایت تھی۔ اور قریش کے قافلوں
کا مطلق ذکر نہ تھا۔ دوم اگر عبداللہ قافلوں کی خبر بھی لاتا تو یہ کیونکر
ممکن تھا کہ مدینے سے اس قدر دور دراز فاصلے پر اُن قافلوں کو
مغلوب کیا جاتا۔ جب تک حضرت عبداللہ کسی کارواں کی خبر پیغمبر
خدا صلعم کی خدمت میں پہنچاتے اُس سے بہت عرصہ پہلے وہ

قافلہ مکہ پہنچ سکتا تھا اگر کوئی کہے کہ اچھا مانا کہ کارواں پر حملہ کرنا
اس کا مدعا نہیں تھا۔ تو پھر اس جماعت کے بھیجنے کی غرض کیا
تھی ؛ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کو ایک قریش
کے حملہ کا خوف تھا اور دوسرا خوف یہ بھی تھا کہ قریش اُن بت
پرست قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیں گے جو تجارت
کے راستوں کے آس پاس آباد تھیں یہ قبائل عموماً اہل مکہ کے
طرف دار تھے۔ اور آنحضرت صلعم کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب
قومیں مل کر مدینے کے تھوڑے سے مسلمانوں کی مخالف نہ ہو جاویں۔
اور آئندہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ آنحضرت ص کا یہ خوف بالکل
سچا تھا۔ اسی خوف کے باعث آنحضرت صلعم نے اُن میں سے بعض
قوموں سے معاہدے کئے جو ملک شام کے تجارتی راستے پر آباد
تھیں۔ ان معاہدوں کے رو سے ان قوموں نے یہ اقرار کیا کہ وہ
مسلمانوں کے خلاف ہرگز نہ لڑیں گے اور نہ ہی قریش کی مدد کرینگے۔
حضرت نبی کریم صلعم کو خوب معلوم تھا کہ قریش مسلمانوں کے سخت
دشمن ہیں اور حفظ ماتقدم کے طور پر ضروری تھا کہ دشمن کے
حرکات و سکنات کے متعلق آپ پوری خبر رکھیں۔ اور ایسی خبروں
کے معلوم کرنے کے لئے آنحضرت صلعم چھوٹی چھوٹی جماعتیں باہر
بھیجا کرتے تھے۔ اور عبد اللہ کی جماعت بھی
اسی قسم کی جماعت تھی۔ جو ہدایت پیغمبر خدا صلعم نے عبداللہ

کو دی تھی اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جماعت کے باہر جانے کا مدعا کیا تھا۔

(۳) حملہ کرنے سے پہلے جو مشورہ اُس جماعت نے آپس میں کیا اُس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ؐ کی طرف سے حملہ کرنے کا کوئی حکم نہ تھا۔ وہ مدینے سے شہر حرام میں روانہ ہوئی تھی جس میں لڑائی عام طور پر ممنوع ہے اگر لڑائی کی غرض سے اُن کو بھیجا جاتا تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا کہ شہر حرام میں لڑائی جائز ہے یا نہیں؟ اور ضروری تھا کہ وہ چلنے سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ امر دریافت کر لیتے کہ اگر وہ قافلہ جس پر حملہ کرنے کے لئے ہم جاتے ہیں شہر حرام کے اندر مل جائے تو کیا ہم اس پر حملہ کریں یا نہ کریں؟ اگر حضرت نبی کریم صلعم نے اُس جماعت کو لڑائی کے لئے بھیجا ہوتا تو اُن کو آپس میں مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۴) اُس جماعت کو کوئی زبانی ہدایتیں نہیں دی گئی تھیں جو ہدایتیں اُس کو دی گئی تھیں وہ صرف اُس چٹھی میں درج تھیں جو اُس کو مدینے سے چلنے کے وقت دی گئی تھی اس مہم کے مدعا کا پتہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صرف چٹھی کے مضامین تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھیں۔ کسی کو کیا حق ہے کہ کوئی ایسی غرض پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف

منسوب کرے جو اُس چٹھی سے ظاہر نہیں ہوتی؟ اس تحریری چٹھی سے صاف ظاہر ہے کہ اُس جماعت کا مقصود قریش کے متعلق خبر لانا تھا اور لڑنا یا لوٹنا ہرگز ہرگز مقصد نہ تھا۔

(۵) جب وہ مدینہ میں قیدی اور غنیمت کا مال لے کر پہنچے تو اُن کو معلوم ہوا کہ پیغمبرِ خدا صلعم اُن پر سخت ناراض ہو گئے ہیں وجہ صرف یہ تھی کہ وہ قیدی اور غنیمت کا مال لے کر کیوں آئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے عبداللہ سے یوں فرمایا "میں نے تم کو شہرِ حرام میں لڑائی کے لئے کب کہا تھا؟" میور لکھتا ہے کہ عبداللہ اور اُس کے ہمراہیوں کو لوگوں نے بڑی ملامت کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عبداللہ نے آنحضرت صلعم کے ایما سے قریش پر حملہ نہیں کیا۔ باوجود ان حالات کے پھر بھی یہ خیال کرنا کہ عبداللہ کو پیغمبرِ خدا صلعم نے قریش پر حملہ کرنے کا یہ ارشاد فرمایا تھا۔ پرلے درجے کا جھوٹ ہے۔

ہم کو اب یہ دیکھنا ہے کہ عبداللہ کا طریقِ عمل جو کسی صورت میں پیغمبرِ خدا صلعم کے حکم کے ماتحت نہیں تھا۔ کہاں تک انصاف سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ بلاشبہ اُس کا طریقِ عمل سراسر انصاف پر مبنی تھا۔ مانا کہ اہلِ مکہ نے اس پر اعتراض کیا۔ مگر اعتراض کی وجہ یہ نہ تھی کہ عبداللہ کا فعل بذاتِ خود قابلِ اعتراض تھا۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ ایسا فعل

شہر حرام میں کیوں کیا گیا۔ اہل مکہ کو معلوم تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر کچھ کم زیادتیاں نہیں کیں۔ اس واسطے اُنھوں نے اپنے اعتراض میں یہ زور دیا کہ ایسا فعل ایسے پاک مہینے میں کیوں کیا گیا۔ عبداللہ بھی یہ کام نہ کرتا مگر قریش کی دشمنی نے اُس کو مجبور کیا۔ قریش نے اسلام کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا مسلمانوں نے اپنے تمام حقوق کھو دئے تھے مسجد مقدس سے نکالے گئے تھے اور اسی مسجد کی عزت کے واسطے یہ مہینے پاک سمجھے جاتے تھے۔ پس قریش اس پاک مہینے میں کسی حفاظت کے مستحق نہیں تھے۔ جو آیتیں اِس معاملے میں نازل ہوئی ہیں وہ سارے معاملے کو صاف کر دیتی ہیں۔ یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ۔ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل ط ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ط یعنے سوال کرتے ہیں تجھ سے حرمت والے مہینہ میں لڑنے کے متعلق۔ تو کہہ کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے بند کرنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے لوگوں کو اس میں سے نکال دینا اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور نہ ٹلیں گے جو لڑتے جاویں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تم کو تمہارے دین سے اگر ان سے

ہو سکے۔

اب اہل مکہ کے ان افعال کو عبد اللہ کے فعل کے مقابلہ میں موازنہ کرو۔ اور دیکھو کہ کس کا پلہ بھاری ہے پیغمبر خدا صلعم کو کتنی ہی تکلیف پیش آئی مگر آپ نے کبھی کسی امر کے متعلق اجازت نہیں دی۔ جب تک کہ خدا کی طرف سے کوئی حکم اس کے متعلق صادر نہ ہو گیا آپ کے آخری الفاظ مفصلہ ذیل تھے۔

"مجھے خدا کی قسم مجھے کوئی شخص کسی معاملہ میں یہ نہیں کہ سکتا کہ میں نے اپنے پاس سے کوئی حکم دیا ہے۔ میں نے وہی جائز کیا جس کی بابت خدا نے حکم دیا۔ اور میں نے انہی چیزوں کی ممانعت کی جو خداوند کریم نے اپنی کتاب پاک میں منع فرمائی ہیں" یہی وجہ تھی کہ آپ نے عبد اللہ پر ناخوشی ظاہر فرمائی کہ اس نے شہر حرام میں قریش پر کیوں حملہ کیا۔ عبد اللہ نے اجتہاد سے کام لیا اور اس کی راے میں اسے یہ فعل جائز معلوم ہوا۔ لیکن چونکہ معاملہ خفیف نہ تھا اور پیغمبر خدا صلعم کو اس کے جواز کے متعلق کوئی وحی الٰہی نہ ہوئی تھی اس واسطے آپ نے عبد اللہ پر ناخوشی ظاہر فرمائی۔ عیسائی معترض اپنے طرز کو بھول کر عبد اللہ کے طرز عمل پر کوئی اعتراض کریں تو کریں۔ مگر آنحضرت صلعم کی ذات مبارک اس معاملہ میں تمام ذمہ داری سے بری ہے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ دو قیدیوں میں سے ایک

یعنے حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اگرچہ اس کو قید سے آزاد کر دیا گیا تھا تاہم اس نے آنحضرت صلعم کی خدمت سے علیحدہ ہونا پسند نہ کیا۔ اگر ان قیدیوں کو ظلم سے پکڑا جاتا تو یہ اسلام کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے چہ جائیکہ ان میں سے ایک ایسا مسلمان ہو جاتا کہ اس نے پھر باوجود آزاد ہونے کے حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت سے دور ہونا گوارا نہ کیا۔ حکم کا ایمان اس قدر محکم ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلعم نے اس کو واعظ مقرر فرمایا۔ اور وہ ان ستر آدمیوں میں سے تھا جو نہایت بے رحمی سے بئر معونہ پر شہید کئے گئے

جنگِ بدر جس بات کا پیغمبر خدا صلعم کو خوف تھا آخر وہی وقوع میں آ گئی۔ قریش کے قریباً ایک ہزار مضبوط سپاہی مسلمانان مدینہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج کے سپہ سالار قریش کے تمام سردار تھے۔ قریش کی اس فوج کے کوچ کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ مکہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ایک مکہ کے قافلہ پر جو شام سے آ رہا تھا حملہ آور ہوئے ہیں اور اسکا تعاقب کر رہے ہیں۔ جو شخص خبر لایا تو اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے " اے قریش!! اے قریش!! تمہارے قافلہ کا تعاقب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کر رہا ہے۔ پس مدد کرو۔ مدد کرو " لیکن اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ اس وقت مسلمان کسی قافلہ کا تعاقب نہیں کر رہے تھے بڑی مضبوط شہادت موجود ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ

منورہ سے جس فاصلے پر بدر واقع ہے اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو سکتی ہے۔ مدینے سے بدر تین دن کا سفر ہے اور مکہ سے بدر نو دن کا سفر ہے۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ جب مسلمان مقام بدر پر پہنچے تو قریش پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ پھر اس بات کو بھی دیکھ لینا چاہئے کہ مکہ کی فوج مسلمانوں کی فوج سے تعداد اور سامان میں بہت زیادہ تھی۔ مکہ والوں کو کوچ کی تیاری کرنے کے لئے تین دن لگے اور چونکہ ان کو راستے میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ صحیح وسلامت ہے اس واسطے ان کی رفتار بھی سست ہونی چاہئے تھی۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کا قریش کو بدر پر ملنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب قاصد نے مکہ میں جاکر یہ خبر دی تھی کہ مسلمان قافلہ کا تعاقب کر رہے ہیں اس وقت مسلمان چپ چاپ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش کی فوج نے پہلے کوچ کیا۔ اور نصف فاصلے کو طے کر چکے تھے جب کہ مسلمانوں نے شہر کو چھوڑا۔ اب ان حالات کو دیکھ کر اس تعاقب کی خبر کے جھوٹا ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اور جنگ کے وقت بسا اوقات ایسی خبریں اڑ جایا کرتی ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جب قاصد نے مکہ میں تعاقب قافلہ کی خبر دی تو اس وقت قافلہ کا کوئی تعاقب نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دوسری وجہ اس بات کے جھوٹا ہونے کی یہ بھی ہے کہ اگر مسلمانوں کا مدعا قافلہ پر حملہ کرنا تھا تو وہ مکہ سے

شمال کی طرف جاتے تاکہ ملک شام سے آتے ہوئے قافلے کو راستے پر روک لیتے۔ اور مسلمان ہرگز جنوب کی طرف بدر کو نہ آتے۔ میور کہتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پہلے دو یا تین دن تک مدینہ کو آنے والی سیدھی سڑک پر چلے۔ لیکن صفرا پر پہنچ کر مغرب کو بدر کی طرف تشریف لے گئے۔ بدر مکہ کے راستے پر واقع ہے۔ مکہ کے ایک لٹیرے سردار کرز بن جابر کو آنحضرت صلعم نے بدر تک بھگایا تھا۔ اور اُحد کی لڑائی کے بعد ابو سفیان نے بدر کو آئندہ لڑائی کی جگہ مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر ملیں گے۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان لڑائی کا مناسب موقعہ بدر ہے۔ مسلمانوں کی فوج ٹھیک اس طرف روانہ ہوئی جس طرف سے کہ مدینے پر حملہ ہو سکتا تھا تاکہ اس حملہ کو روک سکیں۔ اور پھر قافلے میں صرف تیس یا چالیس آدمی تھے اور آنحضرت صلعم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اس تھوڑی سی تعداد کو مغلوب کرنے کے لئے قریباً اپنی ساری جمعیت کو ہمراہ لاتے۔

لیکن اس خبر کو سن کر کہ مسلمان قافلہ کو روکنا چاہتے ہیں ابوجہل اور دیگر سرداران قریش کو ایک موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور اس طرح سے اُنھوں نے لوگوں کو اُکسایا۔ جو تیاریاں اُنھوں نے کیں اُس سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے۔ میور کہتا ہے کہ ہر ایک آدمی کی یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کو تباہ کر دیا

جائے۔ ہر ایک آدمی یہ چاہتا تھا کہ وہ اس فوج میں شامل ہووے جو شخص فوج میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا اُس کو مجبور کیا جاتا تھا۔ اور بزدلی کا الزام لگا کر اُس کو اُکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اُمیہ بن خلف جو کہ ایک فربہ شخص تھا کعبہ کے پاس اپنے دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اُس نے چلنے کی تیاری نہیں کی تھی۔ عقبہ اُس کے پاس ایک دہکتے ہوئے کوئلوں کی کی انگیٹھی بھر کر لایا اور کہا یا ابا علی استجمر فانما انت من النساء یعنے آپ کوئلوں کو سینک کیونکہ تو ایک عورت ہے۔ اس تحقیر سے اُمیہ پر پورا اثر ہوا۔ اور فوراً لڑائی کے لئے تیار ہو گیا جو لوگ نہیں جا سکتے تھے اپنے قائم مقام اُنہوں نے بھیجے۔ بڑی کوشش کی گئی کہ ایک کثیر التعداد فوج میدان میں جا سکے اور اس سے مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کا جنہوں نے جا کر مدینے میں پناہ لی تھی خاتمہ کر دیا جائے صرف قافلہ کو بچانا اس فوج کا ہرگز مقصود نہ تھا۔ اگر صرف قافلہ کو بچانا مقصود ہوتا۔ تو چند سوار فوراً قافلے کی حفاظت کے لئے روانہ کئے جاتے۔ اس قافلے کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے اسکا تعاقب کر رہے ہیں۔ اگر صرف اس قافلہ کو بچانا ہی مقصود تھا۔ تو اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت تھی۔ جس نمائش سے یہ فوج مکہ سے باہر نکلی اس سے اس کا مقصد یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے

وہ فوراً مکہ سے باہر نہیں نکلے کہ جلدی سے جا کر قافلہ کو بچائیں بلکہ اُنہوں نے اس طرح کوچ کیا جیسا کہ کوئی زبردست لشکر اس ارادے سے روانہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کمزور مخالف کو جا کر تباہ کرے اُن کے ساتھ ساتھ گانے والی عورتیں تھیں جن کے پاس طبلے تھے اور یہ عورتیں فوجیوں کے سامنے گاتی تھیں جبکہ وہ چشموں پر ڈیرہ ڈالتے۔ کون دانا ایسی فوج کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ کسی چھوٹے قافلے کی حفاظت کے لئے جا رہی ہے جس میں خیر سے صرف چالیس آدمی ہیں۔ مکہ سے قریش کے لشکر کے روانہ ہونے کی حقیقی اور اصلی غرض اس وقت بخوبی ظاہر ہو گئی جبکہ راستے میں لشکر والوں کو معلوم ہو گیا کہ قافلہ بالکل محفوظ ہے باوجودیکہ اُن کو یہ خبر مل گئی پھر بھی وہ آگے آگے ہی کوچ کرتے گئے یہاں تک کہ بدر کے مقام پر پہنچ گئے جہاں مسلمانوں کی چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ اُنکا مقابلہ ہوا۔ جب قافلہ کے محفوظ نکل جانے کی خبر لشکر قریش میں پہنچی تو ایسے لوگوں نے جن کو لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا اور جن کے آگے کوچ کی غرض یہ بیان کی گئی تھی کہ مسلمان قافلہ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ واپس جانے کی تجویز پیش کی مگر اُن کی آواز کو کون سنتا تھا ابوجہل اور دیگر رؤساء مکہ نے جن کی غرض مسلمانوں کو نابود کرنا تھی لشکر

کو آگے کوچ کرنے کا حکم دیا۔

قرآن شریف سے بدر کا قصہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ عیسائی مورخ بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کے دریافت کرنے کے لئے اور اس زمانے کے مسلمانوں اور کفار کی تاریخ معلوم کرنے کے لئے قرآن شریف سے بڑھکر اور کوئی معتبر اور قابل وثوق ذریعہ نہیں۔ چنانچہ میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "اسلام کی پیدائش اور اس کے بانی کے حالات کی تفتیش کرنے کے لئے قرآن شریف ایک صحیح کسوٹی ہے۔ اس سے ہم آپ کی زندگی اور آپ کی سیرت کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں اور قرآن مجید آپ کے حالات کے لئے ایک چابی کا کام دیتا ہے"۔ یہ ہے میور کی گواہی قرآن شریف کے متعلق۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بدر کے متعلق قرآن شریف جو سب کے نزدیک ایک مسلم اور قابل اعتبار تاریخ ہے کیا فرماتا ہے چونکہ قرآن شریف کی شہادت یقینی ہے اس لئے قرآن شریف کے بیانات سے جو صحیح نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ بھی قطعی اور یقینی ہوں گے۔ اور کسی کو حق نہ ہوگا کہ ان پر کوئی اعتراض کرے یا ان کے قبول کرنے سے انکار کرے قرآن شریف بدر کے واقعہ کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ کما اخرجک ربک من بیتک بالحق ط وان فریقًا من

المومنین لکارھون - یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون - واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکافرین -
یعنے جس طرح نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے (یعنے مدینے سے) ساتھ حق کے اور تحقیق ایک فرقہ مسلمانوں میں سے البتہ (جنگ کے لئے نکلنا) پسند نہیں کرتے تھے۔ جھگڑا کرتے تھے تجھ سے اس حق بات میں بعد اس کے کہ حق ظاہر ہوا گویا کہ موت کیطرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ (موت کو) دیکھتے ہیں - اور جب وعدہ کرتا تھا تم کو اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا یہ کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والا تمہارے لئے ہو اور اللہ تعالے ارادہ کرتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں (پیشگوئیوں) کے ذریعے سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑھ کاٹ دے۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل امور صاف طور پر ثابت ہوتے ہیں
اوّل جب مسلمانوں کو کوچ کرنے کا حکم ہوا تو بعض ان میں سے مدینہ سے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ کفّار کا مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ اگر صرف قافلہ کو لوٹنا ہی اس کوچ کی غرض ہوتی تو بعض مسلمان اس قدر خوف زدہ نہ ہوتے کیونکہ قافلہ کے ساتھ صرف ۳۰ - ۴۰ آدمی تھے - اور ان کو مسلمان

بڑی آسانی سے مغلوب کرسکتے تھے۔ دوم۔ ان آیات میں دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک اُن میں سے وہ جماعت تھی جو قافلہ کی حفاظت کے لئے اُس کے ساتھ تھی اور دوسری وہ فوج تھی جو مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اسلام کی جمعیت کو مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو اس وقت دونوں جماعتیں یعنے قافلے کی محافظ جماعت اور قریش کی فوج دونوں موجود تھیں۔ اور مدینہ سے نکلنے سے پہلے خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی اور مسلمانوں کو بھی اس وعدے کی خبر تھی مگر چونکہ وہ ابھی بہت کمزوری کی حالت میں تھے اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ کفّار کے لشکر جرّار سے اُن کا مقابلہ ہو بلکہ وہ یہ پسند کرتے تھے کہ یہ موعودہ جماعت قافلہ کی جماعت ہو جن کو مغلوب کرنے میں اُن کو کوئی دِقّت نہ ہوگی کیونکہ وہ بے شوکت والی ہے۔ سوم۔ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت صرف خدائے تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں نہ کسی لوٹ مار کی خواہش اور لالچ سے مدینہ سے روانہ ہوئی تھی۔ کیونکہ قرآن شریف فرماتا ہے اخرجك ربك من بيتك بالحق۔ یعنے تیرے رب نے تجھے تیرے گھر میں سے نکالا حق کے ساتھ۔ یعنے تو خدائے تعالےٰ

کے حکم سے مدینہ سے روانہ ہؤا۔ اور اس نکلنے کی غرض بھی قرآن شریف خود ہی بیان فرماتا ہے قرآن شریف کے رُو سے آپ اور آپ کے صحابہ رضؓ حق کے ساتھ نکلے۔ یعنے وہ کسی ظلم اور تعدی کے لئے مدینے سے نہیں نکلے تھے۔ بلکہ اُن کا نکلنا حق پر مبنی تھا اور اُن کے لئے ضروری اور واجب تھا کہ وہ اُس وقت خروج کرتے۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ خدا تعالے کی غرض اس میں یہ ہرگز نہ تھی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کریں۔ بلکہ جب خدائے تعالے نے اپنے نبی (صلعم) کو نکلنے کے لئے حکم دیا تو اُس کی غرض یہ تھی کہ خدا کا وعدہ پورا ہو اور کافروں کی جڑھ کاٹ دی جائے۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ و یقطع دابر الکافرین لیحق الحق و یبطل الباطل ولو کرہ المجرمون یعنے اللہ تعالے چاہتا تھا کہ اپنی باتوں کو پورا کرکے حق کو ثابت کرے اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں اور کفار کی مٹھ بھیڑ کرا کر کفار کی جڑھ کاٹ دے تاکہ دین حق کی سچائی ثابت کرے اور کفار کے باطل مذہب کا جھوٹا ہونا ظاہر کر دے اگرچہ خدائے تعالے سے قطع تعلق کرنے والے (مجرم) کفار پسند نہ کریں۔ ان آیات سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مسلمان خود بخود مدینے سے نہیں نکلے تھے بلکہ خدائے تعالے کے

حکم سے نکلے تھے اور دوسرے یہ کہ خدائے تعالےٰ نے اُن کو اس لئے کوچ
کرنے کا حکم نہیں دیا تھا کہ وہ قافلہ جا کر لوٹ لائیں بلکہ اس لئے حکم
دیا تھا کہ کفار پر تباہی اور عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی جو مکہ میں
آپ نے بار بار اپنے مخالفین کو سنائی تھی وہ اب پوری ہو اور
مسلمانوں کے ہاتھ سے کفار کے بڑے بڑے سردار اور مدبر ہلاک
ہوں اور اسی طرح کفار کی جڑھ کاٹی جائے اور اسلام کا سچا ہونا
اور بت پرستوں کے معبودوں کا باطل ہونا روز روشن کی طرح
واضح ہو جائے اور ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں
کے مدینہ سے کوچ کرنے کے وقت کفار کی دو جماعتیں موجود تھیں
ایک قافلہ کی جماعت دوسرے کفار مکہ کی فوج اور خدائے تعالےٰ
کی غرض یہ تھی کہ اب مسلمانوں کی کفار سے مٹھ بھیڑ ہو اور کفار کے
سرغنے اور ایک بڑا حصہ جماعت کفار کا مسلمانوں کے ہاتھ سے
ہلاک ہو کر مکی پیشگوئیوں کو پورا کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ
مدینہ منورہ سے نکلنے کے وقت مسلمانوں کو یہ یقینی طور پر علم نہ تھا۔
کہ ان دو گروہوں میں سے کس گروہ کے ساتھ اُن کا مقابلہ ہوگا
اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض اُن میں سے اپنی کمزور حالت کو دیکھ
کر دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ موعودہ جماعت جن کے ساتھ
اُن کا مقابلہ ہوگا وہ قریش کا لشکر نہ ہو بلکہ قافلہ ہو جن کا مغلوب
کرنا اُن کے لئے ایک آسان امر ہوگا۔ مگر قرآن مجید کی مندرجہ بالا

آیات سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک خاص مصلحت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس امر کا یقینی علم نہ دیا کہ اُن کا مقابلہ کس گروہ کے ساتھ ہوگا۔ اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ تا بعض کمزور مسلمان یہ سنکر کہ کفّار قریش کے لشکر جرار سے اُن کا مقابلہ ہوگا۔ پہلے ہی اپنے جی نہ چھوڑ بیٹھیں اور اُن کی ہمتیں نہ ہار جائیں۔ ایسا ہی خدا تعالےٰ نے اور بھی کئی ذرائع ایسے استعمال کئے جن سے یہ غرض تھی کہ مسلمان اپنی ہمت کو نہ ہار دیں مثلاً جب دو نو فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں نے کفّار لشکر کا صرف ⅔ حصہ دیکھا اور تیسرے حصہ کو بلندی سے پیچھے رکھ کر اُن کی نظروں سے غائب رکھا تا کثرت فوج دیکھ کر حوصلہ نہ توڑ دیں۔ مسلمانوں کو صرف اپنے سے دوچند آدمی دکھائے اور اُن کو پہلے وعدہ دے چکا تھا کہ کمزوری کی حالت میں بھی مسلمان اپنے سے دوچند کفّار پر غالب آجایا کریں گے اس لئے مسلمانوں نے ہمت کو نہ ہارا۔ وہ وعدہ جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔

الئٰن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین یعنے اب تخفیف کی اللہ تعالےٰ نے تم سے اور جانا کہ تم میں ناتوانی ہے پس اگر ہوں تم میں سے سَو صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے دو سَو

پر اور اگر ہوں تم میں سے ہزار غالب آویں دو ہزار پر اللہ تعالے کے اذن کے ساتھ۔ اور اللہ تعالے صبر کرنے والوں (استقامت والوں) کے ساتھ ہے۔

اس وعدے کے مطابق جب مسلمانوں نے اپنے سے دوچند تعداد دیکھی تو اُن کو تسلی ہوئی۔ خواب میں اور نیز مقابلہ کے وقت کم تعداد دکھانے کا ذکر قرآن مجید کی آیات میں ہے اذ یریکھم الله فی منامک قلیلاط ولو اراکھم لفشلتم ولتنازعتم فے الامر ولکن الله سلمط انہٗ علیم بذات الصدور واذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینھم لیقضی الله امرا کان مفعولا۔ (انفال ۵-)
جب تجھے خواب میں کافروں کو تھوڑے دکھاتا تھا اور اگر دکھلاتا تجھ کو وہ بہت البتہ تم سستی کرتے اور جھگڑتے اس معاملہ میں لیکن اللہ تعالے نے سلامت رکھا۔ تحقیق وہ سینہ کی بات کو جانتا ہے۔ اور جس وقت دکھاتا تھا تمہیں تمہاری آنکھوں میں وہ کافر تھوڑے جب تم ملے اور تھوڑا دکھلاتا تھا تم کو اُن کی آنکھوں میں تاکہ اللہ تعالے اس کام کو جو اُس نے کرنا تھا پورا کر دے۔

جیسا خدا تعالے نے کافروں کو تعداد میں تھوڑا دکھا کر مسلمانوں کو ثابت قدم رکھا ایسا ہی فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی کی چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے اذ تستغیثون

ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین۔ وما جعلہ اللہ الا بشریٰ ولتطمئن بہ قلوبکم وما النصر الا من عند اللہ۔ ان اللہ عزیز حکیم۔ جس وقت فریاد کرتے تھے تم پروردگار اپنے سے پس قبول کیا واسطے تمہارے یہ کہ میں مدد دونگا تم کو ہزار فرشتوں کے ساتھ پیچھے پیچھے آنے والے۔ اور نہیں کیا اُس کو اللہ نے مگر خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل اس کے ساتھ اطمینان حاصل کریں۔ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا بیان سے مندرجہ ذیل امور صفائی سے ثابت ہوتے ہیں۔

ا۔ جب مکہ کی فوج مدینے کی طرف کوچ کر رہی تھی اُس وقت کوئی مسلمان قافلہ کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔

ب۔ مسلمانوں کی جمعیت قریش کے لشکر کے مکہ سے روانہ ہونے کے بہت دن بعد مدینہ سے نکلی۔

ج۔ جب مسلمانوں کو نکلنے کا حکم ہوا تو بعض اُن میں نکلنے سے خوف کرتے تھے۔

د۔ جب خدائے تعالےٰ کی طرف سے مسلمانوں کو نکلنے کا حکم ہوا تو اس حکم کی غرض یہ ہرگز نہ تھی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کریں بلکہ خدا کا ارادہ اس حکم سے یہ تھا کہ قریش کے لشکر کے ساتھ جو بڑے جوش

کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھ رہا تھا مسلمانوں کا جنگ ہو اور قریش کی جڑ جنگ میں کاٹ دی جاوے۔

ھ۔ مدینے سے نکلنے کے وقت مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا۔ کہ قریش کی فوج میدان میں نکل آئی ہے۔

و۔ مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ حق کے ساتھ نکلیں۔ یعنے کسی تعدی اور ظلم کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے اس کے دین کی حفاظت کے لئے نکلیں۔

ز۔ اگر صرف قافلہ کو لوٹنے کے لئے مسلمان خود بخود نکلتے تو انکو چاہئے تھا کہ مدینے سے شمال کی طرف جا کر شام سے آتے ہوئے قافلہ کو روک لیتے۔ مکہ کی سڑک پر کوچ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ یہ ضرورت تھی کہ اس قدر جمعیت اور تیاری کے ساتھ ایک فوج کی صورت میں ہو کر نکلتے۔

ح۔ جب ان کو خدا کی طرف سے نکلنے کا حکم ہوا اور وعدہ دیا گیا کہ دو گروہوں میں ایک پر تم غالب ہو گے تو اس وقت ان میں سے بعض نے دل میں قافلہ کی خواہش کی نہ اس لئے کہ قافلہ سے لوٹ کا مال ملیگا بلکہ اس لئے کہ دونوں گروہوں میں سے قافلہ غیر ذات الشوکۃ تھا یعنے اس کے پاس قوت اور شوکت نہ تھی اور اس لئے ان کے مقابلے میں آسانی تھی اور کوئی خوف و خطر نظر نہیں آتا تھا۔ انہوں نے صرف لشکر پر قافلہ کو ترجیح دی اور خیال

کیا کہ لڑنا تو ہے ہی۔ کمزور گروہ کے ساتھ لڑائی ہو زبردست جماعت کے ساتھ مقابلہ نہ پڑے۔ پس انہوں نے قافلہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کو ترجیح دی نہ لوٹ کے مال کی وجہ سے۔

قریش کی غرض فوج کشی کرنے میں کیا تھی؟ یہ امر ان حالات سے ظاہر ہو جاتا ہے جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ ان حالات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رؤسائے قریش کا اصلی مدعا مسلمانوں کو کچل دینا تھا۔ طرفین کے اغراض جس خوبی سے قرآن مجید بیان فرماتا ہے اس سے بہتر کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔ خدائے تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت (النساء ۱۰) یعنے مومن خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر بتوں کی راہ میں اور ان کی حمایت میں لڑتے ہیں۔ پس یہ ہے قرآن شریف کی شہادت جس کی شہادت کو عیسائی بھی سب سے زیادہ قابل وثوق یقین کرتے ہیں۔ مسلمان نہ لوٹ مار کے لئے بلکہ خدا کے حکم سے اس کی راہ میں جنگ کرتے تھے اور قریش کو بھی اور کوئی غرض نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ اسلام کو نابود کر کے اپنے بتوں کی حمایت کریں۔ یعنے کفار تو اسلام کو نابود کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے اور مسلمان اسلام کو کفار کے ہاتھ سے بچانے کے لئے لڑتے تھے۔

اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ عیسائیوں کا اعتراض ٹھیک ہے اور مسلمانوں کی غرض مدینہ سے نکلنے میں اور کوئی نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ قافلہ کو لوٹیں۔ پھر بھی اس سے مسلمانوں پر کوئی الزام نہیں آسکتا اس امر سے تو عیسائی انکار نہیں کر سکتے کہ قریش مسلمانوں کے دشمن تھے۔ جو قومیں اُن کی تجارت کے راستے پر رہتی تھیں اُن سے اُن کے دوستانہ تعلقات تھے علاوہ اسکے کعبے کے پروہت ہونے کی وجہ سے اُن کو کُل اقوامِ عرب میں ایک رسوخ حاصل تھا۔ اس لئے قریش کے قافلے راستے کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکساتے تھے۔ نام کو تو وہ تجارت کے لئے جاتے مگر تجارت کے بہانے سے ملک عرب میں ایک آگ لگاتے۔ ان قافلوں کی آمدورفت مسلمانوں کے لئے ایک خطرہ کا موجب تھی اور مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ اس خطرہ سے اپنا بچاؤ کرتے۔ اسی خطرے سے بچنے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کئے تا وہ مسلمانوں کے برخلاف قریش کا ساتھ نہ دیں۔ پس اگر بیٹے اس خطرناک آمدورفت کو روکنے کے لئے قافلہ پر حملہ کرنا چاہا تو یہ نہ صرف جائز کام تھا بلکہ امن قائم رکھنے کے لئے اور اپنی جانوں کو بچانے کے لئے سخت ضروری تھا۔ ان قافلوں کا مسلمانوں کے لئے خطرناک ہونا خود میور کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ جب

مسلمانوں کی چستی اور راستہ کے بہت سے قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کر لینے کی وجہ سے قریش کو شام کی تجارت کے اس راستہ پر کامیابی حاصل نہ ہوئی جو مدینے سے مغرب کی طرف واقع تھا اور اس راستے کے قبائل کو وہ مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ نہ کر سکے تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا جو مدینہ سے مشرق کی طرف نجد کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ اور اس راستے کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کرنے اور ان میں مسلمانوں کی دشمنی کی آگ بھڑکانے میں ان کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ولیم میور اس امر کو قبول کرتا ہے وہ لکھتا ہے۔

"یہ راستہ سُلیم اور غطفان دو بڑے زبردست قبائل کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ اور یہ دونوں قومیں قریش سے رسم اتحاد رکھتی تھیں۔ اور جزیرہ نمائے عرب کے وسط میں نجد کے میدان کے ایک حصہ میں آباد تھیں۔ اب قریش نے اس علاقہ کی طرف توجہ کی اور جو قومیں ان اطراف میں رہتی تھیں ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد بنی سُلیم اور بنی غطفان خصوصاً بنی سُلیم مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے قریش کے اُکسانے سے اور ابوسفیان کے نمونہ کی پیروی کر کے انہوں نے مدینے پر لوٹ مار کے حملے شروع کئے اور لوٹ مار تو ایسی قوموں کا پیشہ ہی تھا۔" یہ ہے ولیم میور

کا بیان جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قافلوں کی آمد ورفت اسلام کے لئے سخت خطرناک تھی۔ یہ پرامن تجارت کے قافلے نہ تھے۔ بلکہ یہ اسلام کے دشمن تھے جو تاجروں کے لباس میں اسلام کے برخلاف ملک میں عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے۔ اور ایک باقاعدہ مسلح جماعت مدینے پر حملہ کر کے اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی جتنا کہ نام کے تاجر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ میور خود اس بات کو قبول کرتا ہے کہ عرب کے ریگستان کے قبائل نے ان قافلوں کی ترغیب سے اور ان کے نمونہ سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو دکھ دینا شروع کیا۔ قریش ان قافلوں کی وساطت سے عرب کے ایک بڑے حصّہ کو مسلمانوں کا خونی دشمن بنا کر مسلمانوں کی زندگی ان پر دوبھر کر سکتے تھے اور ان کو اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ تجارت کے اس راستہ پر جو مدینے سے مغرب کی طرف واقع تھا قریش کو اس تدبیر میں چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ اوّل تو مسلمان خود اس راستے پر عین وقت پر آموجود ہوتے تھے دوسرے مسلمانوں نے قریش کے اس شر سے بچنے کے لئے راستے کے قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کر لئے مگر تجارت کے اس راستے پر جو مدینے سے مشرق کی طرف واقع تھا قریش کو بڑی کامیابی ہوئی اور انہوں نے راستے کے قبائل کو جو پہلے ہی لوٹ مار کے عادی تھے مسلمانوں کا جانی دشمن بنا دیا۔ اور انہوں

نے متواتر مدینے پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ اور
مسلمانوں کو بار بار اُن کے حملوں کے دفعیہ کے لئے
اور اُن کی جماعتوں کو منتشر کرنے کے لئے مدینے
سے نکلنا پڑا۔ اور کئی جماعتوں کو یکے بعد دیگرے
اُن کے فتنہ کو فرو کرنے کے لئے روانہ کرنا پڑا۔ ایک
راستہ قریش کی تجارت کا خود مدینہ میں سے گذرتا
تھا۔ مگر اُن کے شر سے بچنے کے لئے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی مدینے والوں سے معاہدہ
کیا کہ مدینہ میں کسی دشمن کو جگہ نہ دی جائے یہاں تک کہ یہودی
قبائل بھی اس معاہدے میں شامل ہوئے اور عہد کیا کہ وہ کسی مکہ
کے دشمن کو اپنے ہاں پناہ نہ دیں گے اس لئے قریش کے قافلوں
کو یہ موقعہ نہیں مل سکتا تھا کہ وہ مدینہ میں سے گذر کر مدینے والوں
و مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کریں۔ غرض اس میں کچھ شک
نہیں کہ قافلوں کا وجود مسلمانوں کے لئے بڑا خطرناک تھا۔
ور وہ گویا ہاتھ میں آگ کے شعلے لے کر قوموں میں مخالفت کی
گ لگاتے تھے اس لئے اگر آپ نے ان قافلوں کی آمدورفت
روکنا چاہا تو ایسا کرنا اپنے بچاؤ کے لئے بالکل ضروری تھا۔
یکن اگر عیسائی معترضین کو یہ ضرورت نظر نہیں آئی اور وہ دیکھ
نہیں سکے کہ قافلوں کی آمدورفت مسلمانوں کے لئے ایک سخت

خطرے کا موجب تھی تو کم از کم انہیں یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ بدر سے پہلے قریش نے مدینے پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اور مکہ کا ایک سردار کرز بن جابر مدینے کی چراگاہوں پہ چھاپہ مار کر مسلمانوں کے بہت سے اونٹ اور مویشی لوٹ کر لے گیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام تک اس کا تعاقب بھی کیا تھا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ اور اگر عیسائی محققین کے نزدیک مکہ والوں کے ایسے چھاپے بھی اس امر کے مقتضی نہ تھے کہ آئندہ ایسے حملوں کو روکنے کے لئے اُن سے انتقام لیا جاوے۔ تو کم از کم معترضین کو چاہئے تھا کہ وہ ان بے رحمیوں اور ظلموں کو ہی یاد کرتے جو مکہ میں قریش نے مسلمانوں پر کئے جن کی وجہ سے آخر کار مسلمانوں کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا اور مکہ والوں نے ہجرت کے وقت اُن کے مالوں کو بھی لوٹا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں کی جمعیت کافی ہو گئی۔ تو انہوں نے خود ہی جنگ کو چھیڑا اور قافلوں کو لوٹنا شروع کر کے قریش کو اور دیگر عرب کے قبائل کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں اور اس طرح مسلمانوں نے خود لڑائی کو مول لیا۔ مگر یہ الزام سراسر غلط ہے۔ اس الزام کے دور کرنے کے لئے قرآن مجید کی ایک ہی آیت کافی ہے خدا تعالے فرماتا ہے فقاتل فی سبیل اللہ ۔ لا تکلف الا نفسک وحرض

المومنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا واللہ
اشد باسا واشد تنکیلا (النساء ۱۱) (ترجمہ) پس خدا تعالے
کی راہ میں لڑ۔ نہیں تکلیف دی جاتی تجھے مگر تیری جان کی اور
ایمان والوں کو رغبت دلا۔ قریب ہے کہ اللہ تعالے کافروں
کی لڑائی کو بند کر دے اور اللہ تعالے بہت سخت ہے لڑائی میں
اور بہت سخت ہے بند کرنے میں۔ اس آیت میں لڑائی کا حکم
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے لا تکلف الا نفسک
یعنے لڑائی کرنا تیرا فرض ہے خواہ مومن جنگ میں تیرا ساتھ دیں
یا نہ دیں۔ اگر اور کوئی شخص تیرے ساتھ مل کر جنگ نہ کرے پھر
بھی تجھے جنگ کرنا چاہئے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دے تا وہ بھی
ثواب میں شریک ہوں مگر اصل ذمہ وار تو ہی ہے۔ اگر جنگ کے
آغاز کی بناء مسلمانوں کی تعداد ہوتی تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کو یہ حکم نہ ہوتا کہ اصل میں یہ حکم تیرے لئے ہے۔ اور نہ خدا
تعالے لوگوں کا محتاج ہے۔ دشمن کو ہلاک کرنے کے لئے
کسی فوج کی اس کو ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ اسی آیت میں
فرماتا ہے واللہ اشد باسا واشد تنکیلا یعنے اللہ تعالے کو
کسی شخص کی امداد کی ضرورت نہیں وہ خود بغیر کسی امداد کے
بڑی سخت جنگ کرسکتا ہے اور عبرت انگیز عذاب دے کر مخالفین
کو جنگ کرنے سے روک سکتا ہے پس آیت لا تکلف الا نفسک

اس بات کی کافی تردید ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے بھروسے پر جنگ کی - اسی لئے آنحضرت صلعم کبھی میدان جنگ سے نہیں ہٹے - اور اگر ساتھیوں نے پیٹھ دکھائی تو آپ میدان میں تنہا کھڑے رہے چنانچہ حنین کے غزوہ میں جب مسلمان ایک مرتبہ ابتلا میں آکر پیچھے ہٹے تو آپ پیچھے میدان میں کھڑے ہو کر پکار رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب- یعنے میں نبی ہوں - اس میں کچھ جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں - ایسا ہی غزوہ احد سے دوسرے دن جب آپ نے ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب کرنے کا حکم دیا تو آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو میں تنہا جاؤں گا یہ اسی حکم کی تعمیل تھی - لا تکلف الا نفسک اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی جمعیت کافی ہو گئی تھی - اور وہ تعداد اور سامان کے لحاظ سے اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ اپنے بے شمار دشمنوں کا جو کل عرب میں پھیلے ہوئے تھے مقابلہ کر سکیں- کل عرب تو کجا وہ اپنی طاقت کے لحاظ سے اس قابل بھی نہ تھے کہ صرف قریش کا مقابلہ کر سکیں - جو لڑائی قریش نے مسلمانوں کے ساتھ کی ان سب میں ہمیشہ قریش کا پلہ بھاری ہوتا تھا اور بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ قریش غالب آئیں گے- میں اوپر قرآن شریف کی آیات نقل کر آیا ہوں-

جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بدر کی لڑائی کے لئے مسلمانوں کو مدینہ
سے نکلنے کا الٰہی حکم ملا تو بعض اُن میں خوف کے مارے پسند نہیں
کرتے تھے کہ لڑائی کے لئے نکلیں کیونکہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری
اور دشمن کی زبردست طاقت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ قرآن شریف
اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے وان فریقا من المومنین
لکارھون (ترجمہ) اور البتہ مومنوں کی ایک جماعت نکلنا ناپسند
کرتی تھی۔ یاد رہے کہ یہ لوگ جو دشمن کی زبردست طاقت کے خوف
سے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے وہ منافق نہیں تھے بلکہ خدائے
تعالے اُن کو مومنوں کی ایک جماعت قرار دیتا ہے مسلمانوں
کی کمزوری کا خود دشمنوں کو بھی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش
کی فوج مکہ سے بڑی نمود کے ساتھ نکلی۔ اور گانے والی عورتیں
فوج کے ساتھ طبلے بجاتی ہوئی اور لڑائی کے گیت گاتی ہوئی
آتی تھیں۔ یہ دھوم دھام اسی لئے تھی کہ قریش کو یقین تھا کہ
ہم فتح کے ساتھ واپس آئیں گے مدینہ کے مشرکین و منافقین اور
یہود کو بھی یہی امید تھی کہ مسلمانوں کو ضرور شکست ہوگی اور وہ
بڑی خوشی سے اس امر کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی شکست
کی خبر سنیں اور جب ایک مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی
پر سوار ہو کر فتح کی خبر پہنچانے کے لئے مدینے کے قریب پہنچا تو دور
سے اُن لوگوں نے اُس کو دیکھ کر یہی خیال کیا کہ مسلمانوں کو شکست

ہوئی اور یہ شخص اکیلا میدان جنگ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اونٹنی پر سوار ہو کر بھاگ کر آ رہا ہے۔ اور جب اس نے یہ خبر دی
کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی ہے تو پہلے پہل انہوں نے اس خبر پر یقین
نہ کیا۔ قرآن شریف بدر کے مسلمانوں کی کمزور حالت کی خود شہادت دیتا
ہے چنانچہ فرماتا ہے ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة (آل عمران
۱۳-) (ترجمہ) اور البتہ تحقیق اللہ تعالے نے بدر کے میدان پر تم کو مدد
دی جب کہ تم قلیل التعداد تھے۔ یعنے تم میں کوئی طاقت نہ تھی اور
دشمن کے مقابل میں تمہاری حالت سخت کمزور تھی مگر خدا تعالے
نے اپنی تائید خاص سے تمہیں فتح عطا کی۔ قرآن شریف ایک اور
مقام پر لڑائی کی ابتداء کے وقت مسلمانوں کی کمزور حالت کا
نقشہ کھینچتا ہے۔ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض
تخافون ان یتخطفکم الناس فاوٰلکم وایدکم بنصرہ ورزقکم
من الطیبٰت لعلکم تشکرون۔ (انفال ۲۶) (ترجمہ) اور یاد کرو جبکہ
تم تھوڑے تھے اور زمین میں تم ناتوان کئے جاتے تھے تم ڈرتے
تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لے جاویں پس اللہ تعالےٰ نے تم کو جگہ
دی اور اپنی مدد کے ساتھ تمہیں قوت دی اور تم کو پاکیزہ روزی
دی تاکہ تم شکر کرو۔ یہ تھی حالت مسلمانوں کی جب بدر کی لڑائی
ہوئی۔ اور اس سے زیادہ کوئی بات بیہودہ نہیں ہوسکتی کہ جب
مسلمانوں میں طاقت پیدا ہو گئی تو انہوں نے خود بخود جنگ کو

مول لیا۔ بلکہ اپنے مال وجان اور حرمت کی حفاظت کے لئے اُن کو مجبوراً تلوار اُٹھانی پڑی امن سے بڑھ کر اُنہیں کوئی چیز پیاری نہیں تھی۔ امن کی صورت میں وہ آرام سے زندگی بسر کرتے اور خود اسلام کے پھیلنے کے لئے امن سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہ تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم امن کے ایسے طلبگار تھے کہ ہجرت کے بعد چھٹے سال میں جب مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی اور قریش کی قوت اور اقتدار گھٹ گیا تھا اور بڑے بڑے لیڈروں کے مارے جانے سے اُن کی حشمت جاتی رہی تھی ایسے وقت میں جب قریش نے حدیبیہ کے مقام پر مصالحت کے لئے تحریک کی تو آپ نے اُن کی ساری شرائط کو منظور کر کے اُن سے صلح کر لی اور اگرچہ وہ شرائط جن پر صلح کی گئی مسلمانوں کو بظاہر ایسی ہتک آمیز معلوم ہوتی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جان نثار مسلمان بھی ابتلا میں پڑ گئے مگر آپ نے اس امر کی کچھ پروانہ کر کے مصالحت کر لی۔ مسلمان اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے بالکل تیار تھے اور صلح کی شرائط کی وجہ سے مارے غم کے مر رہے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صلح ایسی پیاری تھی اور اُس میں اپنی اس قدر کامیابی دیکھتے تھے کہ اُنھوں نے کسی کی کچھ پروانہ کی اور ہر ایک شرط کو جو قریش نے پیش کی منظور کر لیا تا کسی طرح صلح ہو جاوے۔ اس امر کو ولیم میور بھی تسلیم کرتا ہے کہ جیسے اسلام کی اشاعت کے لئے امن مفید

تھا ایسی کوئی چیز مفید نہ تھی۔کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "درحقیقت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے (صلح کرکے) ایک بڑی کامیابی حاصل کی۔ دس سال کی صلح کا یہ بڑا فائدہ تھا کہ اسلام کو پھیلنے کا بڑا عمدہ موقعہ مل گیا اور واقعی اسلام (صلح کے ایام میں) بڑی جلدی پھیل گیا۔ اسلام کو موقعہ مل گیا کہ وہ اپنی تعلیم کو قریش کے دلوں میں داخل کر دے اور اُن کو اسلام کی صداقت کا یقین حاصل ہوئے" پس اگر ہجرت سے چھ سال بعد صلح اسلام کی اشاعت کے لئے مفید اور بابرکت تھی تو ابتدا میں جب مسلمانوں کی حالت نہایت ضعیف تھی اور اُن کو خوف تھا کہ کہیں ہمارے دشمن ہمیں آچک کر نہ لے جاویں صلح کیوں مفید اور بابرکت نہ ہوتی اور اگر اُن کو امن سے زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جاتی تو کیوں وہ خوشی سے اس کو قبول نہ کرتے۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت سے بھی یہ امر کھل جاتا ہے کہ جب لڑائی شروع ہوئی تو اُس وقت مسلمانوں کی حالت کیسی کمزور تھی۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم (البقرہ - ۲۶) (ترجمہ) یعنے تم پر جنگ فرض کی گئی ہے۔ اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے خود بخود لڑائی کو نہیں چھیڑا بلکہ مجبوراً اپنی مرضی کے برخلاف کفار کے ظلموں سے تنگ آکر اُن کو لڑائی کرنی پڑی۔ پس اشاعت اسلام کے

مضمون کے اوّل حصہ میں قرآن شریف سے یہ دکھا چکا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کا اُس وقت اذن دیا جب کہ کفّار سے ابتداء ہو چکی تھی۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وھم بدؤکم اول مرۃ یعنے تم کفّار سے کیوں نہیں لڑتے؟ جب کہ ابتداء اُن کی طرف سے ہو چکی ہے۔ ایسا ہی میں مضمون مذکورہ بالا میں قرآنی آیات کے حوالہ سے یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ مسلمانوں کو صرف ایسے لوگوں سے لڑنے کا حکم تھا جو اُن سے لڑیں۔ دوسروں سے لڑنے کا حکم نہ تھا۔ بلکہ اُنسے نیک سلوک کرنیکا حکم تھا اور لڑنیوالوں سے بھی اسی حد تک لڑنیکا حکم تھا جب تک وہ لڑائی جاری رکھیں اور اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں تو مسلمانوں کو بھی حکم تھا کہ وہ بھی لڑائی چھوڑ دیں اور کفّار کو اُنکی گذشتہ تعدیاں معاف کر دیں ان سب امور سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صرف اپنے بچاؤ کے لئے لڑتے تھے اور کبھی اُنکی طرف سے ابتدا نہیں ہوئی ٭

اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع جنگ بدر کے وقت تعداد میں قلیل تھے مگر وہ سب وفادار آدمی تھے۔ مہاجرین تو اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کا ثبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ اُنھوں نے طرح طرح کے عذاب برداشت کئے اور آخر گھروں اور عزیزوں سے بھی جدا ہونا پڑا مگر اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اگر مہاجرین جان نثار تھے تو انصار کی جان نثاری بھی کوئی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ بدر پر قریش کا مقابلہ

کرنے سے پہلے آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت مقدادؓ بن عمرو رضی اللہ عنہم بولے۔ اور سب نے عرض کیا کہ آپ جہاں جائیں ہم آپ کے ساتھ جائیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت مقدادؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ جہاں خدائے تعالے آپ کو لے جاتا ہے آپ جائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور کہا واللہ لا نقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسی اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ولکن اذھب انت وربک فقاتلا انا معکما مقاتلون۔ یعنے ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیتے جو حضرت موسے (علیہ السلام) کی قوم نے اپنے نبی کو دیا تھا کہ تو اور تیرا رب جاکر لڑائی کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور جنگ کریں۔ ہم تم دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ انصار کی طرف سے حضرت سعدؓ بن معاذ بولے اور فرمایا کہ ہم آپ پر ایمان لائے — اور آپ کو ہم صادق یقین کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ ہے اور ہم انصار نے آپ کے ہاتھ پر عہد کیا ہے اور پختہ وعدہ کیا ہے اے اللہ کے رسولؐ جہاں آپ جانا چاہتے ہیں آپ جائیں ہم سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ اور کہا لعل اللہ یریک منا ما تقربہ عینک فسر بنا علی برکۃ اللہ یعنے امید ہے کہ جنگ میں آپ ہم سے ایسی بات دیکھیں گے جس

سے آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی پس اللہ تعالے کی برکت کے ساتھ
آپ ہم کو لے چلیں۔ اپنی جماعت سے یہ جوابات سُنکر آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا۔ سیروا وابشروا فان اللہ
تعالیٰ قد وعدنی احدی الطائفتین واللہ لکأنی الآن انظر
الی مصارع القوم۔ چلو اور تمہیں بشارت ہو کہ خدا تعالےٰ نے میرے
ساتھ وعدہ کر چکا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک پر مجھے فتح دونگا۔
اور خدا تعالےٰ کی قسم گویا میں اس وقت وہ جگہیں دیکھ رہا
ہوں جہاں جہاں قریش کی قوم کے لوگ مارے جائیں گے۔

حضرت سعدرضؓ کا بیان خصوصاً قابل توجہ ہے۔ انہوں نے کہا
کہ ہم آپ کے ہاتھ پر عہد کر چکے ہیں اور پختہ وعدہ دے چکے ہیں۔
اس لئے ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ وہ اس بیان
میں ایک عہد کا ذکر کرتے ہیں مگر وہ عہد کیا تھا۔ وہ عہد وہ تھا
جو انصار کی ایک جماعت نے بحیثیت مسلمانان مدینہ کی طرف سے منیٰ
میں مقام عقبہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کیا تھا۔
کہ دشمن کے حملوں سے ہم آپکی اسیطرح حفاظت کریں گے جس طرح
ہم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اس لئے سعدؓ بن
معاذ کا اس موقعہ پر یہ بیان کرنا کہ ہم اپنے عہد کی وجہ سے پابند
ہیں کہ آپ کے ساتھ جائیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ جنگ دفاعی
تھا اور دشمن کے حملے کو روکنے کے لئے تھا مسلمانوں کی طرف سے

بے جا حملہ نہ تھا کیونکہ جس عہد کا سعدؓ ذکر کرتا ہے وہ یہ نہیں تھا کہ ہم تیرے ساتھ مل کر قریش پر حملے کیا کریں گے بلکہ یہ تھا کہ ہم اُن کے حملوں سے تجھے بچائیں گے پس معلوم ہوا کہ اب بھی مسلمان مدافعت کے لئے جا رہے تھے نہ پیشدستی کے لئے ورنہ سعدؓ اپنے اُس عہد کا ذکر نہ کرتا جو انصار نے مقام عقبہ پر کیا تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھروسہ محض خدائے تعالےٰ پر تھا۔ آپ کے لئے بیت الدعا تیار کیا گیا تا کہ آپ اُس میں اپنے خدا کے آگے دعا کریں جب لشکر سامنے آیا تو آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔

اللھم ھذہ قریش جاءت بخیلھا وفخرھا جاءت تحاربک وتکذب رسولک۔ اللھم انجز لی ما وعدتنی اللھم انشدک عھدک ووعدک یعنے اے اللہ یہ قریش ہیں جو اپنے لشکر کے ساتھ بڑے فخر اور نمود سے آئے ہیں یہ تیرے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں اور تیرے رسول کی تکذیب کرنے کے لئے۔ اے اللہ جو تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے اُس کو پورا کر۔ اے اللہ میں تجھے تیرا وعدہ اور تیرا عہد یاد دلاتا ہوں اور نیز آپ بڑے الحاح سے دعا کرتے تھے اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فے الارض۔ یعنے اگر تو نے اس میدان میں اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان دعاؤں سے صاف معلوم ہو رہا ہے

کہ قریش کی طرف سے زیادتی اور پیش دستی تھی اور مسلمان مظلوم تھے۔ آپ نے دعا میں فرمایا کہ قریش تیرے ساتھ جنگ کرنے کے لئے بڑے فخر سے اپنے گھمنڈ میں آ رہے ہیں پس تو اس چھوٹی سی جماعت کو بچا لے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش صرف اسلام کی دشمنی کے لئے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ آپ کی عادت نہ تھی کہ آپ کسی کے لئے بددعا کرتے۔ طائف کے بت پرستوں نے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچائی کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرشتے نے راستے میں آ کر عرض کی کہ آپ طائف والوں کے لئے بددعا کریں مگر آپ نے نہ کی اور فرمایا لعل اللہ یخرج من اصلابھم من یعبدہ ولا یشرک بہ شیئاً یعنے امید ہے کہ ان کی پشت سے اللہ تعالے ایسی نسل پیدا کرے گا جو خدا کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے مگر قریش سے آپ اب اس قدر تنگ آ گئے کہ بدر کو آتے ہوئے راستے میں آپ نے بعض قریش کے سرغنوں کے لئے بددعا کی کہ اے اللہ ان کو زندہ نہ جانے دیجو ابوجہل کی نسبت آپ نے فرمایا کہ یہ اس امت میں فرعون کا قائم مقام ہے اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ ابوجہل اور اس جیسے دوسرے لیڈروں کو اسلام سے کیسی عداوت تھی۔ ان کی عداوت اسلام کے ساتھ ایسی مشہور تھی کہ جب ابوجہل وغیرہ کے مارے جانے کی خبر مدینے میں پہنچی تو نیچے

بھی مدینے کے کوچوں میں مارے خوشی کے اپنے کپڑوں میں پھولے نہیں سماتے تھے اور کہتے تھے کہ اب اسلام کا دشمن ابوجہل مارا گیا۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح کی خوش خبری اپنے ساتھیوں کو سنادی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالے کی قسم میں اس وقت وہ مقامات دیکھ رہا ہوں جہاں جہاں قریش کے سردار اور دوسرے آدمی مارے جائیں گے بلکہ آپ نے بڑے بڑے لیڈروں کے قتل ہونے کے مقامات کا نشان بھی ایک ایک کرکے دے دیا تھا اور آخر میں ہر ایک شخص اسی جگہ قتل ہوا جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نشان دیا تھا۔ لڑائی میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے جب آپ نے اُن بڑے بڑے آدمیوں کے نام سُنے جو فوج کے ہمراہ تھے۔ تو آپ نے اپنے صحابہ رضؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا ھذہ مکۃ قد القت الیکم افلاذ اکبدھا۔ یعنے مکہ نے تمہاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑے پھینک دئے ہیں۔ ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے مکہ کے بڑے بڑے لیڈر اور سردار اور چیدہ چیدہ آدمی اس لئے تمہاری طرف بھیجے ہیں تاکہ تمہارے ہاتھ سے آج قتل ہوں اور ولیقطع دابرالکافرین کا خدائی وعدہ پورا ہو۔ آپ کے دل میں اس وقت وہ مکی پیشگوئیاں تھیں جن میں شدید درجے

کے مخالفین کی ہلاکت کا وعدہ تھا اور جب آپ نے کفر کے ارکین کے نام سُنے۔ جو اُس وقت لشکر کے ساتھ آ رہے تھے تو آپ کو یقین ہؤا کہ اب وعدہ کا وقت آگیا اور اسی وعدے کو پورا کرنے کے لئے خدا تعالے نے ان اسلام کے دشمنوں کو گھروں سے نکال کر میدان میں بھیجا ہے۔ اور جیسا آپ نے قبل از وقت فرمایا تھا۔ ایسا ہی ہؤا۔ ستر بڑے بڑے کافر قریش میں سے میدان میں مارے گئے اور قریبًا اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل بھی تھا جو کہ بدترین دشمن اسلام تھا گویا اُس زمانے کا فرعون تھا اور جس کو اپنی عظمت کا اس قدر گھمنڈ تھا کہ اُس نے مرتے ہوئے کہا۔ ھل فوق رجل قتلتموہ۔ کیا تم نے مجھ سے بڑھ کر کسی آدمی کو قتل کیا ہے؟ ایسا ہی عتبہ۔ ولید۔ شیبہ۔ اُمیہ بڑے بڑے سرگروہ قریش لڑائی میں مارے گئے۔ خدا کی تقدیر نے چُن چُن کر قریش کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرایا اور نہایت حیرت انگیز بات ہے کہ اکثر لیڈر قریش کے جو قوم کی روح رواں تھے پکڑے گئے بعض مارے گئے اور بعض گرفتار کئے گئے۔
جس جاں فشانی سے مسلمان لڑے اُس کے دکھلانے کے لئے معاذ کا نمونہ کافی ہے۔ جب لڑائی زور میں تھی تو معاذ کا بازو کاٹا گیا صرف تھوڑا سا چمڑا رہ گیا اب بازو اُس کے کندھے کے ساتھ لٹک رہا تھا اُس نے دیکھا کہ یہ لٹکتا ہؤا بازو میرے لڑنے میں

خارج ہے اُس نے اپنے پاؤں کو اُس بازو پر رکھ کر بازو کو کندھے
سے الگ کر کے پھینک دیا اور اُسی طرح لڑتا گیا۔ گویا کچھ بھی نہیں ہوا
ابولہب اس لڑائی میں شامل نہیں ہوا تھا اس کی وجہ
یہ تھی کہ اُس کی ہمشیرہ عاتکہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کا
خلاصہ یہ تھا کہ قریش پر ایک سخت تباہی آنے والی ہے اسلئے
اُس تباہی سے بچنے کے لئے اپنی جگہ ایک اور آدمی بھیج دیا۔
اور آپ لشکر کے ساتھ نہ آیا۔ مگر تقدیر یہ چونکہ اس وقت مکہ کے سرداروں
کو چن چن کر مار رہی تھی اُس نے مکہ میں بھی اُسے تلاش کر لیا۔
اور جب قریش کی بھاگی ہوئی فوج جو اپنے سرداروں کو
کھیت میں ہی چھوڑ آئی تھی مکہ میں پہنچی تو اُس سے چند روز
بعد ابولہب طاعون کے سخت پھوڑوں سے ہلاک ہوا اور
اُس کے پھوڑوں کی وجہ سے اُس سے اس قدر بُو آتی تھی کہ
کوئی شخص اُس کے نزدیک نہیں جاتا تھا دو تین دن اُس کا
مردہ بغیر تدفین کے پڑا رہا آخر اُس کو کھینچ کر مکہ کے ایک
پرانے کوئیں میں پھینک دیا گیا اور پتھروں سے اُس کوئیں کو
بند کر دیا گیا۔

فتح بدر ایسا ہی عظیم الشان معجزہ تھا جیسا کہ فرعون اور اُسکے
لشکر کی تباہی صرف یہی نہیں کہ متکبروں کی ایک فوج جو کہ
تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھی اور ساز و سامان میں مسلمانوں

سے بڑھی ہوئی تھی ایک ایسی چھوٹی جماعت سے ہزیمت اُٹھاکر بھاگی جن کو وہ ایک حقیر جماعت سمجھتے تھے اور جن کو اُنھوں نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑکر ایک دوسرے شہر میں جاکر پناہ لیں بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جو لشکر کے ہمراہ آئے تھے اکثر یا تو مقتول ہوئے یا گرفتار ہوئے اور جو خوش خبری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے شروع ہونے سے پہلے اپنے ساتھیوں کو سنائی تھی وہ نہایت ہی روشن طور پر پوری ہوئی بلکہ جہاں جہاں آپ نے نشان دئے تھے کہ فلاں شخص اس جگہ مارا جائے گا اور فلاں شخص اس جگہ مارا جائیگا ہر ایک اُن میں سے اُسی جگہ پر مرا ہوا پایا گیا نیز بدر کے دن وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو یسعیاہ نبی نے خدا سے الہام پاکر بیان کی تھی اور جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینے کی طرف ہجرت کرنے اور بدر کی لڑائی کا بالصراحت ذکر ہے۔ وہ پیشگوئی حسب ذیل ہے "عرب کی بابت الہامی کلام عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے دوانیوں کے قافلو! پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ

کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کی جو باقی رہی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا" عیسائی صاحبان اس پیشگوئی پر غور کریں۔ کس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینے کیطرف ہجرت کرنے کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور پھر قیدار کی حشمت جاتے رہنے کی پیشگوئی بدر میں پوری ہوئی (قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا اور قیدار سے یہاں مراد قریش ہیں کیونکہ قریش حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور کس طرح قریش کے بڑے بڑے بہادروں کے مارے جانے سے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے۔ اس پیشگوئی میں عیسائیوں کے اس اعتراض کا بھی جواب ہے کہ زیادتی مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خدا کا کلام جو یسعیاہ نبی پر نازل ہوا کہتا ہے "روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں"۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف رکھتے تھے۔

اُس وقت خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذنٰہ اخذًا وبیلا فکیف تتقون ان کفرتم یوما یجعل الولدان شیبا (مزمل) تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا۔ جیسا کہ بھیجا تھا طرف فرعون کی ایک رسول۔ پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس پکڑا ہم نے اُس کو بھاری پکڑنا پس اگر تم بھی (فرعون کی طرح) کفر کروگے تو کس طرح بچوگے اُس دن جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا یعنے سخت عذاب کا دن ہوگا۔

اس آیت میں قریش کو صریح الفاظ میں سنایا گیا تھا کہ جیسا فرعون اور اُس کا لشکر ہلاک ہوا تھا اُسی رنگ کی سزا انہیں بھی ملیگی۔ پس ایسا ہی ہوا۔ جس طرح فرعون اپنا لشکر لے کر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلا تھا ایسا ہی ابو جہل جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرعون ہذہ الامہ کا خطاب دیا تھا مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اُن کے تعاقب میں ایک لشکر جرار لیکر نکلا اور جس طرح فرعون اپنے ساتھیوں سمیت سمندر میں ہلاک ہوا اسی طرح ملک عرب کا فرعون اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ ریگستان میں ہلاک ہوا۔ در اصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے معجزے سے بڑھ کر تھا۔ فرعون کے

ساتھی سب چھوٹے بڑے ہلاک ہوئے اور اُن میں سے کسی کو بھی
ہدایت نصیب نہ ہوئی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں
کا ایک ایسا حصہ جس میں شدید قسم کے عدو تھے ہلاک ہوا اور جو ہلاکت
سے بچ رہے اُن سب نے بلا اکراہ انشراح صدر سے آخر کار
اسلام قبول کیا۔ اور پھر اسلام کی طرف سے جہاد بھی کیا۔ یہ ایک ایسی
فتح تھی جس کی نظیر حضرت موسےٰ علیہ السلام کیا کسی نبی کے سوانح
میں نہیں مل سکتی۔ اور حضرت موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
دشمن تو سمندر میں ہلاک ہوئے مگر آپ کے دشمن خشکی میں غرق ہوئے
قرآن شریف کی بہت سی آیات میں سے ایک اور مکی آیت
جس میں فتح بدر کی پیشگوئی کی گئی تھی یہ ہے وان کادوا لیستفزونك
من الارض لیخرجوك منها واذا لا یلبثون خلفك الا قلیلا
سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا۔
(بنی اسرائیل) اور تحقیق نزدیک تھے کہ پھسلا دیں تجھ کو اس زمین سے
تاکہ تجھے اس میں سے نکال دیں اور اس وقت (نکالنے کے بعد)
نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا عرصہ۔ یہی معاملہ خدائے تعالےٰ کا
اُن رسولوں کے ساتھ رہا ہے جو تجھ سے پہلے آئے اور تو ہماری
عادت میں کوئی تغیر نہ پائے گا (یعنے تیرے نکالنے والے بھی تیرے
بعد تھوڑا عرصہ ہی ٹھیریں گے کیونکہ یہی سنت اللہ ہمیشہ سے چلی
آتی ہے) پس اس پیشگوئی کے مطابق ہجرت کے بعد جلدی ہی

قریش مکہ سے نکل آئے اور جن کے لئے ہلاکت مقدر تھی بدر کے مقام پر ہلاک ہو گئے۔ ایک دوسری مکی آیت جس میں بدر کے متعلق پیشگوئی ہے یہ ہے ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صادقین۔ قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون (سبا۔۳۔) یعنے (کافر) کہتے ہیں کب یہ (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ کہہ تمہارے لئے وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہ پیچھے رہو گے اس سے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھو گے۔ وہ مکہ کے لئے ایک سخت مصیبت کا دن تھا جب قتل کفار کی خبر شہر میں پہنچی مکہ والوں کو ہلاکت کی خبر سنکر اس قدر صدمہ پہنچا کہ ان کی زبانیں بند ہو گئیں اور ایک مہینے تک اُنکا غم ان کے سینوں کے اندر ہی بند رہا۔ ابوسفیان نے کہا اپنے مردوں کے لئے ماتم مت کرو اور ان کی موت پر واویلا نہ کرو۔ اور کوئی شاعر ان کی ہلاکت کا مرثیہ نہ پڑھے کیونکہ اس طرح تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ تمہاری عداوت گھٹ جائے گی۔ میں خود تو یہ قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا اور نہ بالوں کو تیل لگاؤں گا۔ جب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جاکر پھر جنگ نہ کروں۔ قریش میں ایک بڈھا نابینا اسود نامی تھا اور اسکے دو بیٹے اور ایک پوتا لڑائی میں مارے گئے تھے۔ ایک رات اسنے

ایک عورت کے رونے کی آواز سُنی۔ اُس نے اپنے نوکر کو کہا جا دیکھ شاید قریش نے اپنے مُردوں پر رونا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ مَیں بھی اپنے بیٹوں کے لئے روؤں۔ غم نے میرے دل و جگر کو جلا دیا ہے نوکر جواب لایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اُس کے لئے روتی ہے۔ اُس وقت قریشی بڈھے نے آہ بھر کر اپنے دردِ دل کا اظہار چند شعروں میں کیا جن کا مطلب یہ ہے۔ کیا وہ عورت اپنے اونٹ کے لئے روتی ہے اور اُس کے لئے نیند کو اپنی آنکھوں سے دُور کرتی ہے۔ اگر تم نے رونا ہے تو آؤ ہم بدر پر روئیں۔ عقیل کے لئے روئیں۔ حارث کے لئے روئیں جو شیروں کا شیر تھا الخ

ایک مہینہ تک بدر پر کوئی شخص نہ رویا۔ ایک مہینے کے بعد قریش اپنے غم کو روک نہ سکے اور جب اُنھوں نے رونا شروع کیا۔ تو سارا شہر ماتم کے آہ و نالہ کے ساتھ گونج اُٹھا۔ تمام شہر میں شاذ و نادر کوئی ایسا گھر تھا جو ماتم سے خالی ہو۔ قریباً ہر ایک گھر کسی مقتول یا اسیر پہ رو رہا تھا کیونکہ جیسا کہ عاتکہ نے خواب میں دیکھا تھا یہ ایک ایسا پتھر تھا جس سے کوئی گھر نہ بچا اور شاذ و نادر کوئی ایسا خاندان ہوگا جس میں اُس پتھر کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔ سب گھروں میں ماتم تھا مگر ایک گھر خاموش تھا۔ وہ ہندہ کا گھر تھا۔ جب اُس سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تُو اپنے باپ عتبہ۔ اپنے چچا اور

اپنے بھائی کے لئے کیوں نہیں روتی تو اُس نے جواب دیا کہ میں نہیں روؤں گی جب تک کہ تم پھر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اسکے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نہ نکلو۔ اگر آنسو میرے سینے سے غم کو دھو سکتے تو میں بھی روتی مگر ہندہ کے غم اور درد کو کوئی رونا دُور نہیں کرسکتا۔ اُس نے بھی یہ قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک مکّہ والے پھر مسلمانوں پر چڑھائی نہیں کریں گے میں نہ تیل لگاؤں گی اور نہ خاوند کے نزدیک جاؤں گی۔

بدر کی لڑائی مکّہ والوں کے لئے کیسا عذاب تھا یہ امر اُس صدمہ اور غم اور درد سے ظاہر ہو سکتا ہے جو مکّہ والوں کو پہنچا۔ جب قریش کے سرداروں کی لاشوں کو کھینچ کر مسلمان ایک کوئیں میں پھینک رہے تھے تو اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندرونی درد کا نہایت ہی رقت آمیز الفاظ میں اظہار کیا۔ آپ نے اُن لاشوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس واخرجتمونی وآوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس یعنے تم اپنے نبی کے لئے بُرے رشتہ دار تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا۔ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے اپنے شہر سے نکال دیا اور لوگوں نے مجھے جگہ دی۔ اور تم نے مجھ سے جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ یہ آپ کے اُس درد دل کا اظہار تھا جو آپ کو ان قریبیوں کی ہلاکت

کو دیکھ کر پہنچا۔ ان الفاظ میں جو کسی بناوٹ پر مبنی نہیں تھے اس امر کی بھی صریح شہادت ہے کہ جنگ کی ابتداء قریش کی طرف سے تھی اور مسلمان مظلوم تھے۔ اور جب ان سرداروں کی لاشیں کوئیں میں پڑی ہوئی تھیں تو آپ نے اُن وعدوں کو یاد کر کے جو خدائے تعالے نے مکہ میں کئے تھے اُن لاشوں کو مخاطب ہو کر فرمایا ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فانی وجدت ما وعدنی ربی حقاً جو کچھ تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تم نے اُس وعدے کو سچا پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدے نصرت کو سچا پایا ہے۔

عجیب بات ہے کہ جس طرح دوسرے آئمۃ الکفر کی لاشیں کوئیں میں ڈالی گئیں ابولہب کی لاش بھی مکہ میں بوجہ بدبودار ہونے کے کوئیں ہی میں پھینک دی گئی۔ ابولہب نے پیچھے رہ کر ہلاکت سے بچنا چاہا تھا مگر حیرت اور عبرت کی جگہ ہے کہ نہ وہ صرف ہلاکت سے نہ بچ سکا بلکہ جیسی قبر اُس کے دوستوں کو ملی ایسی ہی قبر اُس کے حصے میں بھی آئی۔ خدائے تعالےٰ کے فرشتوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں کو خوب چن چن کر عذاب سے حصہ دیا۔ ستر قیدیوں میں سے صرف دو کو جو سب سے زیادہ سخت اور قتل کے مستحق تھے مار ڈالا گیا باقیوں کے ساتھ جیسا سلوک کیا گیا اُس کے متعلق میور کی شہادت کو پڑھو۔ میور ایک قیدی کے بیان کو اس طرح نقل کرتا ہے مدرحمتیں ہوں مدینے والوں پر۔

وہ آپ پیادہ چلے اور ہمیں سوار کیا۔ ہمیں گیہوں کی روٹی دی جب گیہوں کی سخت قلت تھی اور آپ کھجوروں پر گذارہ کرتے تھے۔"

اگر مسلمان قریش کے ہاتھ میں قید ہوتے تو قریش اُن کے ساتھ کیسا سلوک کرتے؟ یہ خبیب اور اُس کے ساتھی زید کے قصے سے واضح ہو سکتا ہے جن کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ بعض اوقات قریش کے خیر خواہوں نے مسلمان کی جماعتیں کی جماعتیں قتل کر دیں۔ مگر عیسائی ایسے ظالم ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے قریبی قریش کے خون کا پیاسا بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ اسیروں سے نہایت ہی عمدہ سلوک کیا جاوے۔ بہت سے اسیر فدیہ لینے کے بعد رہا کئے گئے۔ اور جن کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اُن کو بغیر معاوضے کے رہا کر دیا گیا۔ مگر چونکہ ان اسیرانِ قریش کو بہت عرصہ مسلمانوں کے ساتھ رہنے اور ان کے حالات کے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا اس لئے کئی اُن میں سے مسلمان ہو گئے۔ یہ تھا اثر اسلام کا اُن لوگوں پر جو قریب ہو کر اس کو دیکھتے تھے حتےٰ کہ دشمن بھی دوست ہو جاتے تھے۔ ان لوگوں کی عملی شہادت کے مقابل میں عیسائیوں کے بیانات کو ہم کیا کریں جو اتنے فاصلے سے تعصب کے چشمے چڑھا کر اسلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

قبائل عرب کے حملے مسلمانوں پر

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بدر سے واپس آئے ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ کو جزیرہ نما عرب کے وسط سے خطرناک خبر پہنچی۔ بنی سلیم اور بنی غطفان نے جو کہ نجد کے میدان کے ایک بڑے حصے میں آباد تھے مدینہ منوّرہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا اور مقام قرقرۃ الکدر پر جمع ہونے شروع ہوئے۔ چونکہ مسلمان سب طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے اس لئے اُن کو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اور جب کبھی وہ سنتے کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بعض قبائل کسی مقام پر جمع ہو رہے ہیں تو اُن کے منتشر کرنے کے لئے فوراً مسلمانوں کی ایک جماعت روانہ ہوتی تاکہ وہ قبائل مدینے پر حملہ کرنے سے پہلے ہی تتر بتر کر دئے جائیں۔ یہی سب سے بہتر طریق تھا جو مسلمان اُن حالات میں اختیار کر سکتے تھے اور اگر وہ ہر وقت ہشیار اور بیدار نہ رہتے تو اُن کے دشمن ان پر بار بار حملے کر کے اُن کو چبا ڈالتے۔ چنانچہ جب بنی سلیم اور بنی غطفان کے اجتماع کی خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں پہنچی تو آپ بذات خود ۲۰۰ آدمی ہمراہ لے کر اس مجمع کو منتشر کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ دشمن کو جب آپ کے آنے کی خبر لگی تو وہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی تتر بتر

ہو گئے۔[1]

اس کے بعد جلدی ہی مکّہ کے سردار ابوسفیان نے مدینے پر چھاپا مارا۔ جب بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ تو اُن کے بعد ابوسفیان نے قریش کی جرنیلی اختیار کی۔ جب قریش کے لشکر کو بدر میں شکست فاش حاصل ہوئی تو اس پر ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر حملہ نہ کر لوں گا غسل جنابت نہ کروں گا۔ جب بدر کے قیدی رہا ہو کر آ گئے تو ابوسفیان نے اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے ۲۰۰ آدمیوں کو ہمراہ لیا اور مدینے پر چھاپہ مارنے کے لئے نجد کے راستے سے مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ رات کے وقت یہود کی ایک آبادی میں پہنچا۔ قبیلہ بنو نضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اُس میثاق کے برخلاف جو آنحضرت صلعم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود کے قبائل سے لیا تھا۔ ابوسفیان کو جگہ دی اور ابوسفیان نے اور اُسکے ساتھیوں نے خوب عوت اُڑائی۔ یہودی نے مدینے کے حالات کے متعلق ابوسفیان کے پاس مخبری کی۔ اُس کے ساتھیوں نے صبح ہونے سے پہلے مدینے کی کھجوروں کو جلا دیا اور دو آدمیوں کو قتل بھی کر دیا۔ جب

---

[1] ابن ہشام۔ ذکر غزوۂ بنی سلیم بالکدر۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے ابوسفیان کا تعاقب کیا مگر وہ نکل گیا۔ اس غزوہ کو غزوۃ السویق کہتے ہیں کیونکہ ابوسفیان کے ہمراہی بھاگتے وقت اپنے کھانے کے ستو چھوڑ گئے تھے[۱]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے تعاقب سے واپس آکر چند روز ہی مدینے میں قیام فرمایا تھا کہ آپ کو پھر خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ بن سعد بن قیس بن غطفان اور بنی محارب نجد میں مدینے پر شبخون مارنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں اور دعثور ان کا سرغنہ ہے۔ آپ فوراً ۴۵۰ آدمی ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کی آمد کی خبر سنکر دشمن کی جمعیت منتشر ہوگئی اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ اس غزوہ کا نام غزوہ ذی امر اور غزوہ انمار ہے[۲]

جب غزوہ انمار سے آپ واپس تشریف لائے تو پھر آپ کو خبر پہنچی کہ بنی سلیم کا ارادہ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ہے اسلئے آپ کو پھر دشمن کے منتشر کرنے کے لئے کوچ کرنا پڑا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ ۳۰۰ صحابی تھے۔ اس کو غزوہ نجران اور

---

[۱] ابن ہشام۔ ذکر غزوۃ السویق۔

[۲] زرقانی علے المواہب اللدنیہ جزو ثانی صفحہ ۱۰

غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں [1]

بنی سلیم اور بنی غطفان کے بار بار مدینے پر شبخون مارنے کے لئے جمع ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیابان کے زبردست قبائل اسلام کے ایسے ہی سخت دشمن تھے جیسا کہ قریش مسلمانوں کی حالت کا اندازہ لگاؤ۔ ان کو صرف اپنے پرانے اور خونی دشمنوں یعنے قریش کے حملوں سے ہی اپنا بچاؤ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ عرب کے اور بہت سے زبردست قبائل تھے جو ان کے خون کے ایسے ہی پیاسے تھے جیسا کہ قریش۔ اور مسلمانوں کو ان کے چھاپوں اور حملوں سے بھی اپنے تئیں بچانا پڑتا تھا۔ بدر سے واپس آنے کے بعد چند مہینوں کے اندر آپ کو بذات خود تین مرتبہ بنی غطفان اور بنی سلیم کے زبردست اور وحشی قبائل کو ان کے بد ارادوں سے روکنے کے لئے نجد کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ اگر خدائے تعالےٰ کی نصرت مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتی اور اگر مسلمان بروقت خبردار اور ہوشیار نہ رہتے اور دشمنوں کی جمعیت کو چھاپہ مارنے سے پیشتر ہی منتشر کرنے میں چستی سے کام نہ لیتے تو ان کے دشمن جو ہر طرف سے ان پر منڈلا رہے تھے ان کو نابود کر دینے میں کچھ کمی نہ کرتے۔ اگر جیسا کہ

---

[1] زرقانی جزو ثانی صفحہ ۱۹۔

مسیحی صاحبان چاہتے ہیں مسلمان خاموش ہو کر مدینے میں بیٹھے رہتے اور اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے - اور دشمنوں کے آگے اپنے تئیں ایک بے جان نشانہ کی طرح پیش کر دیتے دشمن اُن کو لوٹتے قتل کرتے اور اُن کے بچے اور اُن کی عورتیں قید کر کے لے جاتے مگر مسلمان ہاتھ نہ ہلاتے اور خاموشی سے سب کچھ سہتے رہتے بلکہ عیسائی تعلیم کے بموجب اپنا دوسرا گال بھی دشمن کے آگے پیش کر دیتے تو چند دنوں میں اسلام کا خاتمہ ہو جاتا اور جلدی ہی سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔ مسیحی لوگ اعتراض تو بڑی جلدی سے کر دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اور نہیں دیکھتے کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا اور اُن کے ظلم سے بچنے کے لئے کون سی راہ تھی ۔ جو مسلمان اختیار کر سکتے تھے۔

خود مدینہ اور اُس کے گرد و نواح کی حالت بھی مسلمانوں کے لئے کیسی اطمینان کا موجب نہ تھی بلکہ اُن کے مشکلات کو اور بھی بڑھانے کا موجب ہو رہی تھی ۔ صرف یہی نہیں تھا کہ مسلمانوں کا بیرونی دشمنوں نے احاطہ کیا ہوا تھا بلکہ خود مدینہ اور اُس کے مضافات میں ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور یہ اندرونی دشمن بیرونی دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ اندرونی دشمنوں میں ایک تو منافقین

کا گروہ تھا جو مسلمانوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا ان کا سردار
عبد اللہ ابن ابی تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف
آوری کی وجہ سے مدینے کا بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ کیونکہ
مدینے والوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عبد اللہ ابن
ابی کے سر پر تاج رکھ کر اس کو اپنا بادشاہ بنا لیں مگر اسلام کے
داخل ہونے کی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ آسکی۔ اس لئے طبعاً
عبد اللہ ابن ابی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض
تھا اور اس کے ساتھ اول اول ایک خاصی جماعت منافقین
کی تھی جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا مگر دل میں مسلمانوں
کے دشمن تھے اور یہ چھپے دشمن ظاہری دشمنوں سے زیادہ خطرناک
تھے۔ دوسرے اندرونی دشمن مدینہ اور اس کے قرب وجوار
کے یہودی قبائل تھے۔ ان کو بھی مسلمانوں سے سخت بغض
تھا کیونکہ یہ لوگ انبیا اور صلحا سے دشمنی رکھنے کے عادی تھے۔
اُنھوں نے بھی بظاہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے امن کا
معاہدہ کر لیا تھا مگر در اصل مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اسلئے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف قریش اور قبائل عرب کے
حملوں اور شبخونوں کا ہی فکر نہ تھا بلکہ ان اندرونی دشمنوں
کی طرف سے بھی ان کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا اور ان کی عداوت
کے بدنتائج سے بچنے کے لئے بھی آپ کو ایسی ہی تدبیر کرنی

پڑتی تھی جیسا کہ بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچنے کے لئے بھی آپ کو تدبیر کرنی پڑتی تھی۔ جو معاملات یہود کے قبائل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے اُن کو میں انشاء اللہ تعالےٰ لئے ایک الگ مضمون میں بیان کروں گا۔ اس جگہ صرف اُن کی عداوت کا اور منافقین کی پوشیدہ دشمنی کا ذکر اس لئے کیا ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ مدنی زندگی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ معظمہ میں تو صرف قریش ہی اسلام کے دشمن تھے اور اس جگہ آپکی قوم بنو ہاشم آپ کے حامی بھی تھے مگر مدینے میں آکر جو ایک اجنبی شہر تھا اور جہاں کوئی ایسی قوم نہ تھی۔ جو قرابت کی وجہ سے آپ کے ساتھ ہمدردی کرنے والی ہو آپ کو دس مختلف اور زبردست قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اوّل۔ قریش جو پیشتر کی نسبت اسلام کے مٹانے کے لئے زیادہ جان توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ دوم وسوم۔ اوس وخزرج۔ یہ مدینہ کے دو قبائل تھے جو اسلام کی آمد سے پہلے باہم سخت جانی دشمن تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کی باہمی عداوت کا فکر رہتا تھا چنانچہ آپ کی آمد کے بعد بھی اوس اور خزرج کے قبیلوں کے مسلمانوں میں یہود کے اُکسانے سے لڑائی ہو چلی تھی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی آپ جھٹ

تشریف لائے آپ کو دیکھ کر اور آپ کی درد انگیز نصیحت کو سنکر وہ رو پڑے اور بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کو تلواروں سے کاٹیں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ ان کے تعلقات یہود کے ساتھ تھے اور یہود ان کو طرح طرح کی تدبیروں سے اکساتے تھے منافقین کی جماعت بھی انہی میں سے تھی۔ جو اسلام سے پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے اور یہود سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ (۴) بنی قینقاع (۵) بنی نضیر (۶) بنی قریظہ (یہ تینوں یہود کے قبیلے تھے (۷) عرب کے عیسائی (۸) بنی غطفان۔ بنی سلیم اور عرب کے دیگر مشرک قبائل (۹) سلطنت ایران (۱۰) سلطنت روم۔ ان سب کا ذکر انشاء اللہ تعالے اپنے اپنے موقعہ پر آئے گا۔

مسٹر آرنلڈ مصنف کتاب پریچنگ آف اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ یہ امر ایک نبی کے مشن کے برخلاف ہے کہ وہ جنگ کے معاملات میں دخل دے تو اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس نبی کی تعلیم میں یہ بات داخل نہ تھی کہ۔ "میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں ہے" مسٹر آرنلڈ کے اس بیان میں ایک باریک شرارت مخفی ہے۔ اس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے کہ جنگ سے کوئی سروکار نہ رکھتے گویا آپ کے اختیار میں تھا خواہ

جنگ کرتے یا نہ کرتے مگر آپ نے اپنے اختیار سے جنگ کی (لڑائی) اختیار کی
اس امر کو دیکھ کر دل کو سخت رنج پہنچتا ہے کہ مسیحی نکتہ چین آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کے سمجھنے کے لئے کوئی کوشش
نہیں کرتے۔ ایک سرسری نظر سے بھی دیکھنے والا یہ امر بخوبی سمجھ
سکتا ہے کہ عرب کا قریباً کل جزیرہ نما اسلام کی مخالفت پر ایسا تُلا ہوا
تھا کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی چھوٹی سی جماعت
کی حفاظت کے لئے کوئی تدبیر نہ کرتے تو دشمن اسلام کو بیخ و بن
سے اکھیڑ دیتے۔ کیا مسیحی صاحبان کا یہ منشا ہے کہ مسلمان اپنے
خونی دشمنوں کو یہ اجازت دیتے کہ وہ مدینے کی گلیوں میں بکروں
کی طرح اُن کو ذبح کر دیتے۔ آئے دن جو دشمن مدینے پر چھاپہ اور
شبخون مارنے کی تیاریاں کرتے تھے کیا مسلمان اُن کے روکنے
کے لئے کوئی تدبیر نہ کرتے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جب دشمنوں
کو موقع ملتا تو وہ مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتیں ذبح کر دیتے
اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے؟ چنانچہ ایک موقعہ پر ۷۰ مسلمان
بلا گناہ شہید کئے گئے۔ کیا مسلمان ایسے قتل عام پر خاموش بیٹھے
رہتے اور آئندہ ایسے جاں کاہ حادثوں کے انسداد کے لئے ظالم
قاتلوں کی سرکوبی نہ کرتے؟ کیا عرب کے خونخوار بھیڑیوں کے
درمیان ایک بے دست و پا بھیڑ کی طرح رہ کر وہ زندہ رہ سکتے
تھے؟ مثال کے طور پر دیکھو۔ مسلمانوں نے بنو سلیم اور بنو غطفان

کو ذرہ بھی دُکھ نہیں دیا تھا اور کسی قسم کی مضرت مسلمانوں کی طرف سے ان وادیوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کو نہیں پہنچی تھی۔ پھر بھی وہ بار بار مدینے پر چھاپے اور شبخون مارنے کے لئے تیار ہو جاتے اب ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے سوائے اس کے اور کیا چارہ تھا کہ وہ ان جنگل کے درندوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور حتے الوسع کوشش کریں کہ یہ وحشی قومیں مسلمانوں پر حملہ آوری کرنے سے روکی جائیں۔ جب یہ قومیں خود بخود چڑھ کر آتی تھیں تو مسلمانوں کے لئے سوائے اس کے کیا چارہ تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار اُٹھاتے اگر مسلمان اپنے بچاؤ کی تدبیر نہ کرتے اور بے جا حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو نہ صرف بنی سلیم اور بنی غطفان ہی مسلمانوں کو قتل کرتے اور اُن کے کھیتوں کو غارت کرتے اور اُن کے مویشی اور اونٹوں کو لوٹ لے جاتے اور ان کے مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے غلام بناتے بلکہ اور بیابانی قومیں بھی دلیر ہو کر حملہ آور ہوتیں اور مسلمان اپنے دشمنوں کی خونخواری اور غارت گری کا شکار ہو جاتے۔ افسوس ہے کہ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ عرب کے ملک میں اس زمانہ بے امنی میں سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ ہر ایک قوم اپنی اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرتی۔ اپنے بچاؤ کے لئے

بعض قبیلے دوسرے قبیلوں کے ساتھ مل جاتے تا دشمنوں کے مقابلہ کے قابل ہو جاویں اور تعدی کرنے والوں سے انتقام لے سکیں۔ اگر معترضین اس زمانے کے حالات پر غور کرتے تو کبھی اعتراض نہ کرتے کہ مسلمانوں نے کیوں ہتھیار اُٹھائے۔ وہ اپنے مسیح پر قیاس کرتے ہیں جو ایک مہذب سلطنت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر پھر بھی اپنے کمزور دشمنوں سے جو اس کا باختیار خود کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے چھپتا پھرتا تھا اور عدالتوں میں لے جانے کے واسطے بھیجی یہودیوں کو آتے باغوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی جان۔ مال اور اپنے بیوی۔ بچوں کی حفاظت کے لئے اور دشمن کے پنجے سے انہیں بچانے کے لئے کوئی تدبیر کرنا کس نبی کی تعلیم کے برخلاف ہے۔ کیا خود مسیح نے اپنے شاگردوں کو یہ حکم نہ دیا تھا کہ تم اپنے کپڑوں کو بھی بیچ کر ہتھیار خرید و۔ حالانکہ کسی نے اس کے برخلاف تلوار نہیں اُٹھائی تھی۔ اگر کچھ کیا تھا تو باضابطہ عدالت میں اسکے برخلاف کارروائی کی تھی۔ اس کا تلوار اٹھانے کے لئے حکم دینا سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا تھا کہ داؤد کے کھوئے ہوئے تخت کو دوبارہ حاصل کرے مگر جب اس نے دیکھا کہ اسکے شاگرد اس کام کی قابلیت نہیں رکھتے تو اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اس کی کمر ٹوٹ گئی پھر آسمانی بادشاہت

کا شہزادہ ہونے کا دعوےٰ کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بدر کے مقام پر یہ دعا کرنا کہ اللہم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض (یعنے اے اللہ اگر تونے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا زاد المعاد ابن قیم) صاف بتلا رہا ہے کہ آپ اپنی جماعت کی حفاظت کے لئے جس کی زندگی پر اسلام کی زندگی کا مدار تھا۔ دشمن سے لڑے کیونکہ دشمن نے خود پیشدستی کی اور آپ کی جماعت کو نابود کر دینے پر کمر بستہ ہو گیا۔ غرض آپ نے مجبور ہو کر تلوار اٹھائی اور ایسے کرنے کے سوا آپ کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

غطفانیوں کے حملے میں جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جس سے آنحضرت کا کمال رحم اور کرم ثابت ہوتا ہے۔ اس غزوہ میں مینہ برسا آنحضرت صلعم کے کپڑے بھیگ گئے آپ نے اتار کر ایک درخت پر لٹکائے اور آپ اس درخت کے نیچے سائے میں لیٹ گئے لوگ بھی متفرق طور پر درختوں کے نیچے لیٹے ہوے تھے۔ دعثور جو غطفانیوں کا سرغنہ تھا آپ کو لشکر سے الگ اس درخت کے نیچے تنہا لیٹا ہوا پا کر آپ کی طرف آیا اور آپ کی ہی تلوار جو درخت پر لٹک رہی تھی۔ کھینچ کر اور آپ کے سر پر کھڑا ہو کر پکار کر کہا من یمنعک منی الیوم آج کون تجھے مجھ سے بچا سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے جواب دیا اللہ اس جواب پر اس پر اس قدر رعب پڑا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے وہی تلوار اٹھا کر للکار کر کہا کہ بتا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اس نے کہا کوئی نہیں آپ نے اسے معاف کر دیا اور فرمایا میں رحم کرنے کے لئے آیا ہوں قتل کرنے کے لئے نہیں۔ آپ کے اس کمال رحم کو دیکھ کر اور اس کے مقابل میں اپنی عداوت کو سوچ کر اس نے اسی جگہ اسلام قبول کیا۔ آپ نے اپنے صحابہ رضؓ کو بلایا۔ جو متفرق طور پر مختلف درختوں کے نیچے سوئے پڑے تھے جب وہ آئے تو اس اعرابی کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھ کر حیران ہوئے اور آپ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ (صحیح بخاری۔ جزو ثالث۔ کتاب المغازی صفحہ ۲۳) واقدی اور ابن سعد کے قول کے بموجب اسی غطفانی حملے کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اتری۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم (سورہ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۲۔ (ترجمہ) اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی۔ پھر ان کے ہاتھوں کو تم سے ہٹا رکھا۔

دعثور کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کمال درجے کے رحیم و کریم تھے۔ اور یہ کہ اگر آپ نے کفار سے جنگ کی تو مجبور ہو کر کی جب آپ نے دشمن پر قابو پایا ایسے دشمن پر، جو آپ کو قتل کر دینا

چاہتا تھا تو آپ نے اُس کو اپنے کامل رحم سے معاف فرمادیا پس آپ کا ارادہ جنگ سے کفار کو قتل کرنا یا اُن کا مال لوٹنا معاذ اللہ نہ تھا جس طرح آپ نے اس موقعہ پر دعثور کے قصور کو معاف فرما دیا ایسا ہی آپ نے فتح مکہ پر تمام خونی دشمنوں کے قصور معاف فرما دیئے۔ ایک منصف انسان صرف اسی امر سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ کی لڑائیاں کسی جبر و اکراہ کے لئے نہ تھیں آپ کی فطرت پر رحم غالب تھا۔ ایسے رحیم و کریم سے یہ بعید ہے کہ خود بخود لوگوں کے ساتھ اُن کو قتل کرنے اور لوٹنے کی غرض سے لڑائی چھیڑ دے ورنہ قدرت پانے پر اپنے دشمنوں کو آپ کیوں چھوڑ دیتے؟

مَیں گذشتہ صفحوں میں میور کی شہادت اس امر کی نقل کرچکا ہوں کہ قریش کے قافلوں نے جب شام کا تجارتی راستہ جو مدینے سے مغرب کی طرف واقع تھا چھوڑ دیا اور نجد کے راستے اپنے قافلوں کو بھیجنا شروع کیا تو اُن قافلوں نے بنی سلیم و بنی غطفان اور دیگر بیابانی قوموں کو اُکسانا شروع کیا اور یہ زیادہ تر اُن ہی کے اُکسانے اور اُنہی کے نمونہ کا نتیجہ تھا کہ بنی غطفان و بنی سلیم کے قبائل نے مسلمانوں پر شبخونی کرنے کے ارادے سے بار بار اپنی جمعیت کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور اس طرح مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اُن کی جماعتوں کو منتشر کرنے کے لئے بار بار کوچ کریں مگر جب یہ قبائل بھاگ جاتے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انکا

تعاقب نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا منتشر کر دینا ہی کافی سمجھ کر واپس مدینے تشریف لاتے تھے۔ غرض جو کچھ بنو سلیم و بنو غطفان وغیرہم کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی یہ زیادہ تر مکی قافلوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ مخالفت کی آگ مکہ کے قافلے دوسرے قبائل میں بھی بھڑکا دیں گے غرض یہ نہایت ضروری تھا کہ ان قافلوں کے شر سے بچنے کے لئے حتے الوسع ان کی آمدورفت کو روکا جاتا جو تجارتی راستہ مدینے سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اس راستے پر تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لے جا کر اُدھر کے بہت سے قبائل سے امن کے معاہدے کر لئے تھے مگر اس نئے راستے پر جو قومیں آباد تھیں غارت گری اُن کا پیشہ تھا اس لئے یہ امن کے معاہدوں کو نہیں جانتے تھے۔ اِدھر مکہ کے قافلوں کی شر کا سخت خطرہ تھا بلکہ اسکا نتیجہ بھی مسلمان دیکھ رہے تھے اسلئے آنحضرت م نے اس شر کا انسداد کرنے کے لئے ان قافلوں میں سے بعض کو روکنے کی تدبیر کی اور جبتک ان نام کے قافلوں کو روکا نہ جاتا امن کا حاصل ہونا محال تھا اسلئے جب آپ کو ایک قافلے کے گذرنے کی خبر پہنچی جس کا سردار وہی ابوسفیان بن حرب تھا۔ جس نے ۲۰۰ آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینے پر شبخون مارا تھا کھجوروں کو آگ لگا دی تھی اور دو آدمی قتل کر دیئے تھے تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک جماعت بھیجی جس نے قافلہ پر

مقامِ قردہ پر حملہ کرکے اس کو مغلوب کیا اور یہ قریش کا بہت قافلہ تھا جس کو مسلمانوں نے روکا (ابن ہشام ذکر سریہ زید بن حارثہؓ)

میور جس کو دشمنانِ اسلام کے ساتھ خاص ہمدردی ہے۔ شکایت کرتا ہے کہ مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کی آمدورفت کو روک کر بچارے قریش کا قافیہ تنگ کر دیا۔ مسیحی معترض اُن تکالیف کو نہیں دیکھتے جو قریش اور دیگر دشمنانِ اسلام مسلمانوں پر وارد کرتے تھے۔ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی دُکھ دیں اور اُن پر خواہ کتنا ہی ظلم کریں۔ مسیحی معترض اُن کے فعل کی بُرائی ظاہر کرنے کے لئے ایک سطر بھی نہیں لکھ سکتے۔ لیکن اگر مسلمان دشمن کو ظلم کی تعدی سے روکنے کے لئے ہاتھ اُٹھائیں تو یک لخت مسیحی صاحبان شور برپا کر دیتے ہیں کہ دیکھو ظلم ہو گیا! اُنکے نزدیک کفار عرب کے لئے تو مسلمانوں پر ہر ایک قسم کا ظلم کرنا جائز تھا مگر مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ دشمن کو ظلم سے روکنے کے لئے بھی ہاتھ اُٹھائیں۔

میور خود اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۶ و ۲۴۷ پر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ جب قریش کے قافلوں نے نجد میں سے گذرنا شروع کیا تو اُنہوں نے راستے کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکسانا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی سلیم و بنی غطفان مسلمانوں کے مال و جان کے دشمن ہو گئے۔ مگر قریش کے قافلوں کے اس شرکو

مان کر بھی شور و واویلا کرتا ہے کہ دیکھو مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کو بھی لوٹنا شروع کر دیا۔ تعجب ہے کہ مسیحی لوگوں کو قریش کے ساتھ اس قدر ہمدردی کہاں سے پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے ان کو قریش پر اس قدر رحم آتا ہے مگر مسلمانوں پر ان کو کوئی رحم نہیں آتا اور ان کے مشکلات کو دیکھ کر ان کے دل میں کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔

ایک راستی پسند آدمی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ ان قافلوں کی آمدورفت کو روکنا مسلمانوں کے لئے صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ضروری تھا کیونکہ اوّل تو یہ قافلے ملک میں مسلمانوں کے برخلاف عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے اور وحشی قوموں کو اکساتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور چونکہ ان کا رسوخ ملک میں بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے وہ آسانی سے قوموں کو مسلمانوں کے برخلاف بھڑکا سکتے تھے۔

دوم۔ ان قافلوں کے ذریعے مکہ والے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے سامان جنگ منگواتے تھے۔ چنانچہ جو قافلہ جنگ بدر کے موقعہ پر شام سے ابوسفیان کے ساتھ آ رہا تھا۔ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے واسطے سامان جنگ لا رہا تھا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مکہ میں پہنچا تو اس کا سامان لوگوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ دارالندوہ میں رکھا گیا تھا اور جب دوسرے سال قریش

کے لشکر نے مدینے پر چڑھائی کی۔ اور اُحد کے مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اُس وقت اُسی سامانِ قافلہ کے ذریعہ لشکر کو مسلح کیا گیا۔ پس اس لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ ان قافلوں کو روکا جاتا تا اُن کی مدد سے دشمن مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو۔

سوم۔ قریش مسلمانوں سے جنگ چھیڑ چکے تھے اور جیسا کہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے ابتداء قریش سے ہوئی تھی (وھم بدؤکم اول مرۃٍ ط۔ سورہ توبہ ۲) اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ ہر طرح دشمن کی قوت اور طاقت کو توڑیں اگر جیسا کہ میور لکھتا ہے قافلوں کی آمد و رفت کے روکنے کے مکہ والوں کا قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو کونسی چیز اُن کو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنے سے روکتی تھی۔ اگر قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو اُن کو اختیار تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آ جاتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لیتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر وقت صلح کے لئے تیار تھے اور آپ کا منشاء ہی یہ تھا کہ امن قائم ہو جاوے۔ چنانچہ جب حدیبیہ کے موقعہ پر دشمن نے صلح کرنی چاہی تو اگرچہ شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کے لئے موجب ہتک تھے اور سب مسلمان ایسی شرائط پر صلح کرنے کے مخالف تھے پھر بھی آپ نے بڑی خوشی سے قریش سے صلح کر لی۔ اور صحابہ رضؓ کی ناراضگی کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ آپ دشمنوں

کے ساتھ صلح کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور خدائے تعالےٰ کا بھی یہی حکم تھا کہ اگر دشمن تجھ سے صلح کرنا چاہیں تو اُن سے صلح کرلے اور اُن کے گذشتہ ظلموں کو بھی معاف کردے۔ چنانچہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ہ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ (انفال) یعنے اگر (تیرے دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور خدائے تعالےٰ پر بھروسہ کر (یعنے اس امر کی پرواہ کر کہ شاید یہ صلح کر کے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خواہ اُن کی نیت کیسی ہو تو بہر حال اُن کے ساتھ صلح کرلے) تحقیق خدائے تعالےٰ سننے والا اور جاننے والا ہے (یعنے تیرا خدا اُن کی نیتوں کو جانتا ہے) اور اگر وہ تجھے (صلح کر کے) دھوکہ دینا چاہیں تو تیرا خدا تیرے لئے کافی ہے۔ جنگ بدر کے بعد خدائے تعالےٰ نے فرمایا۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال ۲-) یعنے (اے کفار) اگر تم فتح مانگتے تھے پس تحقیق فتح تو تمہارے پاس آگئی ہے (یعنے ہماری فتح) اور (اب بھی) اگر باز آجاؤ (اور مسلمانوں سے لڑائی چھوڑ دو) تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم (لڑائی کی طرف) لوٹو گے تو ہم بھی لوٹیں گے اور تمہاری جماعت تمہیں کچھ بھی فائدہ

نہ دے گی خواہ وہ مسلمانوں کی نسبت بہت ہی زیادہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ دیکھو بدر کے بعد بھی قریش کو موقعہ دیا کہ اب بھی وقت ہے صلح کر لو۔ اپنی کثرت کا گھمنڈ نہ کرو۔ خدائے تعالےٰ مومنوں کی مدد کرے گا اور تمہیں ذلیل کرے گا۔ بہتر ہے کہ اب بھی صلح کر لو۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوا (اگر تم فتح مانگتے تھے) یہ الفاظ ابو جہل کے اُس مباہلہ کو یاد دلاتے ہیں جو اُس نے بدر کے موقعہ پر کیا تھا۔ اُس کے مباہلہ کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم من کان منا افسد فی القوم واقطع للرحم فاحنہ الیوم۔ اے اللہ ہم دونوں میں سے جس نے قوم میں بگاڑ ڈالا ہے اور قطع رحمی کا باعث ہوا ہے اُس کو آج تباہ کر دے۔ (ابن ہشام) چنانچہ اس مباہلہ کے بموجب وہ خود بھی اُسی ذلت کے ساتھ مارا گیا اور اُس کا لشکر بھی تباہ ہُوا۔ غرض اگر مسلمانوں نے قریش کے قافلے کو روکا تو مبور مسلمانوں کو کیوں ملامت کرتا ہے کیا وجہ ہے کہ وہ قریش کو ملامت نہیں کرتا۔ کہ وہ خود جنگ کو جاری رکھتے تھے اور صلح کی طرف نہیں جھکتے تھے۔

لہ اس قافلے کا سردار ابو سفیان تھا جو اس سے پہلے ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ مدینے پر شبخون مار چکا تھا اور دو آدمیوں کو قتل کر کے اور کھجوروں کو جلا کر بھاگ گیا تھا۔ منہ

غزوہ اُحد

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل کے حملوں کو روکنے اور شہر مدینے کی حفاظت کی تدابیر میں مصروف تھے قریش مدینے پر دوبارہ چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عرب کے قبائل کی طرف قاصد بھیجے گئے اور اُن کو بھی اس آنے والے حملے میں شریک ہونے کے لئے اُکسایا گیا۔ ابوسفیان کے قافلے کا سامان جو دارالندوہ میں اسی غرض کے لئے رکھا گیا تھا اسکے ذریعے فوج کے لئے رسد اور ہتھیار مہیا کئے گئے۔ اسی مال کی طرف قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِین کَفَرُوا ینفقون اموالهم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونها ثم تکون علیهم حسرۃ ثم یغلبون (انفال ۴)

یعنے یقیناً جو لوگ کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر (وہ مال) اُن کے لئے حسرت اور افسوس کا موجب ہوگا پھر وہ مغلوب کئے جائیں گے (انفال ۴) اس طرح جنگ بدر سے ایک سال بعد تین ہزار آدمیوں کا لشکر مدینے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا جن میں ۷۰۰ زرہ پوش اور ۲۰۰ سوار تھے ابوسفیان اس لشکر کا سردار تھا۔ قریش کے ساتھ بنی تہامہ اور بنی کنانہ بھی

شریک ہو گئے تھے۔ فوج کے ہمراہ قریش کی عورتیں بھی تھیں۔ جن میں سب سے زیادہ جوشیلی ہندہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ یہ عورتیں لڑائی کے گیت گا کر سپاہیوں میں جوش پیدا کرتی تھیں۔ فوج کے ہمراہ مدینے والوں کی بھی ایک جماعت تھی۔ جن کا سردار ابو عامر راہب تھا۔ جب اس آنے والے حملہ کی خبر مدینے میں پہنچی تو مدینے کے یہود اور منافقین میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ سوچ کر نہایت خوش ہوئے کہ اب یہ لشکر مہاجرین اور ان کے مددگاروں کا خاتمہ کر کے واپس جائے گا دشمن بھی بڑے گھمنڈ سے جا رہا تھا۔ اس فوج نے مدینے کی طرف اس راہ سے کوچ کیا جو ساحل کے قریب تھا یعنے وہ راہ جس پر ابوجہل کی فوج نے (جس نے مقام بدر پر شکست کھائی تھی) کوچ کیا تھا مدینے پہنچ کر لشکر نے احد کے پہاڑ کے دامن میں مدینے سے ۲ یا ۳ میل شمال مشرق کی طرف ایک مختص مقام میں ڈیرے لگائے اور مدینے والوں کے کھیتوں اور باغوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہزار آدمی ساتھ لے کر شہر سے نکلے عبداللہ ابن ابی ایک سردار جس کا پہلے ذکر گذر چکا ہے اب عین معرکہ جنگ اور اس اڑے وقت میں اپنے تین سو آدمی لے کر الگ ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد اب صرف ۷۰۰ رہ گئی جن میں صرف دو گھوڑے تھے۔ منافقین کی اس کارروائی سے

جو اُنہوں نے یہود کے مشورے سے کی صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُنکا
ارادہ تھا کہ مسلمان تباہ ہو جاویں اور عین معرکہ جنگ کے وقت
الگ ہونا اس لئے اختیار کیا گیا کہ مسلمان حوصلے ہار دیں مگر مسلمانوں
کا بھروسہ خدائے تعالے پر تھا۔ باقی ۷۰۰ آدمیوں کی جمعیت برابر
بڑھتی گئی اور کوہ اُحد پر پہنچ کر رات اس پہاڑ کی کھو میں کاٹی۔
صبح ہوتے ہی لشکر نے نماز فجر ادا کی اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے
لئے میدان میں اُترے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں
کو پہاڑ کے نیچے کھڑا کیا۔ اور عبد اللہ بن جبیر کو چند آدمیوں
کے ساتھ لشکر کے پیچھے ایک ٹیلے پر جدھر سے دشمن کو حملہ کرنے
کا موقعہ مل سکتا تھا کھڑا کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جو ہو سو ہو خبردار یہاں
سے ہرگز نہ ہلنا۔ مشرکین اپنی کثرت کے گھمنڈ میں اپنے ٹھاکروں
کو وسط لشکر میں رکھے ہوئے آگے بڑھے اور اُن کے سرداروں
کی بیبیاں لڑائی کے گیت گاتی تھیں۔ اس لڑائی کا نقشہ جو
میور نے کھینچا ہے میں وہی اس جگہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے
"قریش کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے طلحہ (ابن عبد العزی) اکیلا
آگے بڑھا۔ اور مسلمانوں کو للکار کر مقابلے کے لئے بلایا۔ مسلمانوں
کی طرف سے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نکلے اور اُس پر حملہ کر کے
ایک ہی تلوار سے اُس کو مار کر زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد طلحہ
کا بھائی عثمان آگے بڑھا اور اپنے مُردہ بھائی کے پاس سے

سے جھنڈا اُٹھاکر میدان میں کھڑا ہو گیا۔ عثمان کے مقابل میں حضرت
حمزہ (رضی اللہ عنہ) نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد اُس کو بھی مار کر
نیچے گرادیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے طلحہ کے خاندان یعنے دو بھائیوں
اور تین بیٹوں نے جھنڈے کو اُٹھایا اور سب باری باری قتل ہوتے
گئے۔ جب تک یہ طریق جو عرب کے طرز جنگ کے مطابق تھا۔
جاری رہا قریش نے اپنی کثرت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور اُن کے
علم برداروں کے یکے بعد دیگرے قتل ہونے سے اُن پر دہشت
چھا گئی۔ اب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی مگر مسلمان ایسی بہادری
اور جاں فشانی سے لڑے کہ قریش کی فوج کے پاؤں اُکھڑ
گئے۔ اُن کے سواروں نے مسلمانوں کی جماعت پر بار بار
حملہ کرنا چاہا مگر عبد اللہ بن جبیر کی جماعت نے جس کو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فوج کے پیچھے ایک ٹیلے پر کھڑا کیا تھا۔
ہر مرتبہ ان سواروں پر ایسے تیر برسائے کہ ان کو واپس ہٹنا پڑا۔
جیسا بدر کے مقام پر مسلمانوں نے اپنی جانوں کی کچھ پرواہ نہ
کر کے نہایت شجاعت اور جانبازی سے دشمن کا مقابلہ کیا تھا ایسا
ہی اب بھی کیا۔ جب ابو دجانہ جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے اپنی تلوار دی تھی اپنے سر پر سرخ رومال باندھے ہوئے۔
دشمن کی صفوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک کاٹتا
ہوا جاتا تھا تو اُس کے آگے دشمن کی صفیں متزلزل ہوتی

ہوتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اپنے سر پر ایک لمبا سفید پر بطور نشان کے باندھے ہوئے۔ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) جن کے سر پر شتر مرغ کا پر لہرا رہا تھا۔ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) چمکیلی زرد پگڑی باندھے ہوئے جدھر جاتے تھے دشمن میں ہل چل پڑ جاتی۔ ایسے نظارے تھے جن میں اسلامی فتوحات کے لیڈروں نے تربیت پائی"۔

{لائیف آف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور۔}

قریش کی صفوں کی پریشانی کو دیکھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کی فوج کے اندر گھس گئے اور جو سامنے آتا اس کو تہ تیغ کرتے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہو چکی تھی اور دشمن کے تین ہزار مسلح جوانوں کو صرف سات سَو مسلمانوں نے بھگا دیا تھا کہ عبد اللہ بن جبیر کی جماعت جو گھاٹی پر کھڑی تھی دشمن کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر اور یہ خیال کر کے کہ اب تو لڑائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف غنیمت میں حصہ لینے کے لئے نیچے اتر آئی۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر نے بہت روکا مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر رض خود اور چند ان کے ساتھی اسی مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کھڑے رہے۔ باقی اتر آئے۔ خالد بن ولید جو قریش کی طرف سے لڑ رہا تھا اور اب قریش کے سواروں کے

ساتھ بھاگ رہا تھا جب اُس نے اُس مقام کو خالی دیکھا۔ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی جماعت کو کھڑا کیا تھا تو وہ سواروں کو ساتھ لے کر لوٹا حضرت عبداللہ رضؓ اور آپ کے چند ساتھی جو گھاٹی پر کھڑے تھے اُن سواروں کا مقابلہ کر کے شہید ہو گئے اور اب ان سواروں نے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا۔ قریش کی جو فوج بھاگ رہی تھی وہ بھی ان سواروں کو دیکھ کر لوٹی مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت آگے پیچھے دونوں طرف سے کثیر التعداد دشمنوں سے گھر گئی مگر پھر بھی وہ بہادری سے لڑتی رہی۔ اس گھمسان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت علی۔ حضرت عمر۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم بھی سخت زخمی ہوئے اب دشمنوں نے مل کر خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا نشانہ بنالیا اور سب آپ پر اُمنڈ آئے۔ اور چند صحابہ رضؓ نے جو اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے نہایت ہی جوانمردی سے اپنی جانیں قربان کر کے آپ کے پاک وجود کو دشمن کے حملوں سے بچانے کی کوشش کی۔ اور کئی آپکے پاس شہید ہوئے۔ طلحہ (ابن عبداللہ) آپ کے مبارک چہرے کے آگے اپنا ننگا بازو رکھ کر آپ کے چہرہ مبارک کو دشمن کے

حملوں سے بچاتا تھا اور اس کے بازو پر اس قدر زخم لگے کہ وہ بازو ہمیشہ کے لیئے شل ہو گیا۔ ابو دجانہ نے اپنے وجود کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دشمنوں کے درمیان حائل کر دیا اور جو وار دشمن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کرتے وہ اپنے جسم پر جھیلتا مگر اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ کیا مسیحی صاحبان دنیا کی تاریخ میں ایسی وفاداری اور جاں نثاری کی نظیر پیش کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضہ سے ظہور میں آئی۔

دشمنوں نے تیر، تلوار اور پتھروں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملے کئے۔ آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوا۔ آپ کے دانت شہید ہوئے۔ آپ کے خود کے حلقے آپ کے چہرے میں گھس گئے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر بھی زخم پہنچا۔ جنگ کے اثنا میں ایک دفعہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ ایک شیطان نے بلند آواز سے پکار کر کہا ان محمداً قد قتل کئی مسلمانوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور کئی میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ انس بن النضر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایک جماعت کے پاس سے گذرا۔ جو دل چھوڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دریافت کیا تم کس چیز کا انتظار کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ انس

بن النضر نے کہا ما تصنعون بالحیوۃ بعدہ یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تم جی کر کیا کرو گے۔ اٹھو اور جس طرح آپ نے خدا کی راہ میں جان دے دی تم بھی اسی راہ میں اپنی جان دے دو۔ یہ کہہ کر وہ کفار کی طرف بڑھا۔ راستے میں اس کو سعد بن معاذ ملا۔ انس نے اسے کہا انی لاجد ریح الجنۃ من دون احد مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ پھر وہ کفار کے ساتھ جا کر لڑا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا اور اس کے جسم پر ستر زخم تھے یہاں تک کہ کوئی اسے پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پوروں کے ذریعے اسے پہچانا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالےٰ نے یعصمک من الناس کے وعدے کے مطابق دشمن کی تلواروں اور تیروں اور پتھروں میں سے بچا لیا۔ صحابہ رضہ دشمنوں کو مار مار کر پیچھے ہٹاتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر محفوظ جگہ میں پہنچا دیا۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو رفتہ رفتہ سب صحابہ رضہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ ستر مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے۔ کفار نے بڑی بے رحمی سے صحابہ رضہ کی لاشوں کو بگاڑا۔ عورتوں نے مقتولین کے گوش و بینی کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور

گلے میں پہنے ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ جب صحابہ رض نے شہیدوں کی لاشوں کا یہ حال دیکھا تو اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ آپ نے اپنے صحابہ رض کو حکم دیا کہ آئندہ تم بھی کفار کی لاشوں سے ایسا ہی سلوک کرنا اور اپنے پیارے جاں نثار چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھ کر فرمایا لامثلن بسبعین منھم مکانک یعنے تیرے عوض میں اُن کے ستر کو مثلہ کروں گا۔ مگر فطری رحم عارضی بشری غضب پر غالب آکر مندرجہ ذیل آیت کے نزول کا محرک ہوا۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به۔ ولئن صبرتم لهو خير للصابرين (پارہ ۱۴۔ سورہ نحل۔ رکوع ۱۶) یعنے اگر تم سزا دینی چاہو تو بس اتنی ہی مہربانی جتنی تم کو تکلیف دی گئی۔ اور اگر تم برداشت کر جاؤ۔ تو یہ امر صابرین کے لئے بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لاشوں کے پامال کرنے اور مثلہ کرنے کی قبیح رسم کو ہمیشہ کے لئے قطعاً حرام کر دیا اور صرف اسلام کو ہی یہ فخر حاصل ہوا یہ رسم اسلام سے پہلے سب قوموں میں جاری تھی۔ یہود اپنے اسیروں کو زندہ جلا دیتے اور مقتولین کی لاشوں کو بڑی بیرحمی سے پامال کرتے۔ رومیوں۔ فارسیوں اور یونانیوں میں بھی

یہ قبیح رسم جاری تھی عیسائیت نے بھی اس خوفناک رسم میں کوئی اصلاح نہ کی۔ سولھویں صدی مسیحی تک عیسائی زندہ آدمیوں کے اعضا کاٹ کاٹ کر اُن کو قتل کرتے تھے۔

جنگ کے ختم ہونے کے بعد کفار کے لشکر نے مکہ کی راہ لی۔ اب اُن میں یہ طاقت نہ تھی کہ مدینہ پر حملہ کرکے دوبارہ لڑائی کو چھیڑیں۔ کیونکہ وہ میدان میں مسلمانوں کے ہاتھ وجھ چکے تھے۔ اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں تکلیف پہنچی تو وہ اُن تیراندازوں کی غلطی کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا کفار کی بہادری تو اُس وقت ظاہر ہو گئی تھی جب کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یہاں تک کہ وہ اپنی عورتوں تک پہنچ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ۔

(آل عمران - ۱۶) اور یقیناً اللہ تعالےٰ نے تو اپنا وعدہ (فتح کا) سچا کر دیا تھا جب تم اُن کو (کفار کو) اللہ تعالےٰ کے حکم سے کاٹتے تھے یہاں تک کہ تم پھسل گئے اور جھگڑا کیا (نبی کے) حکم میں اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ خدا تعالےٰ نے تم کو وہ چیز دکھا دی تھی جو تم چاہتے تھے (یعنے فتح دکھادی تھی)

غرض کفار نے لڑائی کا مزہ چکھ لیا تھا اُنھوں نے اتنے ہی کو غنیمت سمجھا کہ ہم اس کہنے کے لائق ہو گئے ہیں کہ ہمیں فتح ہوئی۔ اس لئے اُنھوں نے مدینے کا رخ نہ کیا تاکہ بنا ہوا کام کہیں پھر بگڑ نہ جائے۔ اور نہ اُن میں اب یہ سکت رہی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے لڑائی کو دوبارہ اپنے ذمہ ڈال لیں۔ اس لئے اُنھوں نے سیدھا مکہ کا رخ کیا لشکر کی روانگی سے پہلے کفار کا سردار ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھے۔ یہاں آکر اُس کو معلوم ہوا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اسلام کے ارکین جیساکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صحیح وسالم ہیں۔ اور جو صدمہ وہ اسلام کو پہنچانا چاہتا تھا اُس میں اسکو ناکامی ہوئی ہے۔ اور جو جوابات اُس کو مسلمانوں کی طرف سے ملے اُن سے بھی اُس کو صاف ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت اور شجاعت میں ابھی کوئی ضعف نہیں آیا۔ چلتے ہوئے وہ مسلمانوں کو چیلنج دے گیا کہ آئندہ سال پھر بدر پر لڑائی ہوگی۔ راستے میں جب قریش نے شیخی سے لوگوں کو سنایا کہ ہم فتح یاب ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ اگر تم درحقیقت فتح پا کر آئے ہو تو فتح کے نشان دکھلاؤ۔ قیدی اور غنیمت کا مال تمہارے پاس کہاں

ہیں چنانچہ جب کفار کا لشکر حمرا ء الاسد میں پہنچا جو مدینے سے قریباً ۸ میل کے فاصلے پر ہے تو لوگوں نے اُن کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔ لا محمدً قتلتم و لا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم۔ ارجعوا۔ یعنی تم کس فتح پر ناز کرتے ہو۔ نہ تو تم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ مسلمانوں کی جوان عورتیں (لوٹ کر) اپنے پیچھے چڑھالائے تم نے بُرا کیا۔ پھر لَوٹ جاؤ۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ ان کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ سوچا کہ واقعی ہمیں کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جس کا ہم فخر کرسکیں اس لئے شرم کو مٹانے کے لئے پھر لَوٹنا چاہا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ کہ قریش پھر لَوٹنا چاہتے ہیں تو آپ نے صحابہ رضؓ کو فوراً جنگ کے لئے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو میں تنہا جاؤں گا اور کفار کے ساتھ جنگ کروں گا۔ مسلمان اگرچہ اکثر زخمی تھے۔ اور دن بھر کی گھمسان کی لڑائی کا تھکان بھی تھا پھر بھی لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے۔ اور اُحد کی لڑائی سے دوسرے دن ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب صحابہ رضؓ کو ساتھ لے کر حمرء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا۔ مگر کفار کو کہاں حوصلہ تھا کہ پھر مسلمانوں سے لڑائی کریں۔ اسی میں اُنہوں نے خیر سمجھی کہ ایک دفعہ بھاگ گئے اور شکست کھانے

کے بعد شرم رہ گئی۔ آخر پھر مکہ کی طرف منہ کیا اور ابوسفیان نے راستے سے یہ پیغام بھیجا کہ میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کی دوسرے سال آکر بیخ کنی کرونگا اگر اُس میں بیخ کنی کی طاقت تھی تو اُسی وقت لوٹ کر بیخ کنی کیوں نہ کرلی۔ یہ شیخی صرف فرار کو ڈھانپنے اور بزدلی پر پردہ ڈالنے کے لئے تھی۔ راستے میں ابوسفیان کے سپاہیوں کو دو مسلمان ہاتھ آگئے اُن کو قتل کرکے مکہ کی طرف چل دئے۔

قریش تو اسلام کے دشمن تھے ہی مگر ہمارے مسیحی مہربانوں کو اسلام کے ساتھ کم تبغض نہیں۔ قریش خواہ کیسی بے رحمی کے مرتکب ہوں اُن کو معاف۔ اگر مسلمان مجبور ہو کر اپنی اور اپنے اہل وعیال اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہاتھ اُٹھائیں تو مسیحی صاحبان شور مچا دیتے ہیں کہ دیکھو بھائیو! ظلم ہو گیا۔ اسی جنگ اُحد کو دیکھو۔ کفار نے مسلمانوں کی لاشوں کی کیسی بے رحمی سے بے حرمتی کی۔ مگر کیا مسیحی صاحبان میں سے کسی نے کبھی قریش کو ظالم اور بے رحم ٹھیرایا۔ اور جیسا کہ مسلمانوں کے ایک ایک کام کو چن چن کر اور اُس پر اپنا رنگ چڑھا کر شور ڈالتے اور واویلا کرتے ہیں اسی طرح کبھی قریش کے مظالم کو گن گن کر کبھی اُن پر بھی ایسا ہی شور مچایا ہے؟ برخلاف اس کے قریش تو ان کے نزدیک بالکل بے قصور اور مظلوم

ہیں اور مسلمانوں کو عجیب عجیب ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔
کاش کہ مسیحی صاحبان کے دل میں رائی بھر بھی انصاف ہوتا اور وہ اُنہی دردانگیز الفاظ پر غور کرتے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بلا کسی بناوٹ اور تکلف کے اس وقت نکلے جب صحابہ رضؓ آپ کے چہرے مبارک سے خون کو دھو رہے تھے کیونکہ وہی الفاظ اس امر کے فیصلے کے لئے ایک انصاف پسند آدمی کے نزدیک کافی ہیں کہ فریقین میں سے کس کی طرف سے زیادتی تھی جب آپ کے زخموں کو دھویا جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم و ھو یدعوھم الی ربھم (ابن ہشام۔ بیان غزوہ اُحد) یعنے وہ قوم کس طرح بامراد ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو اُسی کے خون سے رنگ دیا صرف اس وجہ سے کہ وہ اُن کو اُن کے رب کی طرف بلاتا ہے۔ یہ الفاظ بالکل بناوٹ۔ اور تکلف سے خالی ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اندرونی خیالات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں اور ایک منصف مزاج انسان کے لئے ان سے بہتر حقیقی فیصلہ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قریش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس لئے نہیں لڑتے تھے کہ آپ نے اُن سے پہلے جنگ چھیڑی تھی بلکہ اُن کی لڑائی کی بنا

اُس عداوت پر تھی۔ جو شریر لوگوں کو ہمیشہ اپنے انبیاء کے ساتھ
ہوتی ہے۔ اگر مسیحی صاحبان اس امر کو صفائی سے سمجھنا چاہتے
ہیں تو یہی بات دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان ہو سکتی ہے
کہ قریش کے جنگ کی بناء اُسی عداوت پر تھی جو مسیح ؑ کے
صلیب پر لٹکایا جانے اور مُنہ پر تھوکا جانے کا باعث ہوئی۔ اور
اگر مسیحی صاحبان اس امر کو اور بھی واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں
تو ہم یوں کہونگا کہ قریش کے حملے مسلمانوں پر اُسی بُغض اور
کینہ کی وجہ سے تھے جس کی وجہ سے اب تک مسیحی صاحبان
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کر رہے ہیں۔ دونوں
قسم کے حملوں کا دراصل باعث ایک ہی ہے۔ صرف فرق یہ ہے
کہ عرب کے جاہل تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کرتے تھے مگر آجکل
کے تہذیب کے مدعی قلم اور زبان سے اسلام پر حملے کرتے ہیں۔
تعجب ہے کہ مسیحی صاحبان کو اسلام سے اس قدر تعصب اور
بُغض ہے کہ اس تعصب کی وجہ سے وہ دنیا کی تاریخ کو بدلنا چاہتے
ہیں۔ پہلے تو ہمیشہ سے سنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ قومیں اپنے
ناصحین سے عداوت کرتی تھیں مگر ان کے نزدیک جب عرب
میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف
بلایا اور بت پرستی سے اُن کو نفرت دلائی اور کئی سال صبر سے
طرح طرح کے مظالم کو بھی برداشت کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ

دنیا کی تمام تاریخ کے برخلاف مسیحی صاحبان اسی ناصح کو ظالم ٹھہراتے ہیں اور اس کی قوم کو مظلوم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ شرک اور گمراہی کے گڑھے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس ناصح نے ان کو توحید اور ہدایت کی طرف بلایا۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے تئیں دہراتی رہتی ہے مگر تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے نزدیک زمانہ کی تاریخ بالکل الٹ گئی۔ وہ جو ناصح تھا ظالم ٹھہرا اور اس کی قوم دنیا کی تمام قوموں کے برخلاف مظلوم بنی۔

اسی جنگ احد میں اور کئی ایسی باتیں ہیں جن سے ایک انصاف پسند انسان نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قریش کی غرض مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں کیا تھی۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ کفار اپنے ساتھ اپنے بت لائے تھے اور لڑائی کے وقت انہوں نے ان ٹھاکروں کو قلب لشکر میں رکھا۔ اور پھر جب ابوسفیان کی گفتگو لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ ہوئی اس وقت اس نے پکار کر کہا۔ اعل ھبل (ہبل دیوتے کی جے!) جس کے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللہ اعلی و اجل (یعنی اللہ تعالے سب سے اونچا اور سب سے بزرگ ہے) پھر اس نے پکار کر کہا لنا العزی ولا عزی لکم یعنے عزے دیبی کا نام، ہمارا ہے تمہارا نہیں جس کے جواب میں

مسلمانوں نے کہا اللّٰہ مولینا و لا مولی لکم یعنی اللہ تعالے ہمارا آقا و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

لڑائی کے وقت بتوں کو اپنے قلب لشکر میں اس طرح رکھنا جس طرح بادشاہ اپنے لشکر کے وسط میں کھڑے ہوتے ہیں اور مقابلہ میں اپنے بتوں کی جے پکارنا جس طرح سپاہی اپنے بادشاہ کا نام فتح کے وقت پکارتے ہیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تئیں بتوں کے سپاہی خیال کرتے تھے اور ان کی ساری لڑائیاں اپنے بتوں کی عزت کے لئے تھیں۔ چونکہ اسلام کا حملہ ان کے بتوں پر تھا اس لئے اپنے بتوں کی حمائت میں ان کی سلطنت قایم رکھنے کے لئے وہ اسلام پر حملہ کرکے اس کو نابود کرنا چاہتے تھے۔

اس جنگ سے دو بڑے فایدے حاصل ہوئے۔ اول تو منافقین کا نفاق اور یہود کا عناد صاف طور پر کھل گئے۔ دوسرا مسلمانوں کو یہ سبق حاصل ہوا کہ ان کی کامیابی کی مدار کسی ان کی اپنی طاقت اور قوت پر نہیں بلکہ خدائے تعالے کے ہاتھ میں ہے اور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ رسول ص کی اطاعت سے کسی وقت روگردانی نہ کریں۔ ان کو اطاعت رسول ص کا ضروری سبق دیا گیا اور ان کو دکھا دیا گیا کہ خدائے تعالے تو تمہیں فتح دینے پر قادر ہے خواہ تم تعداد میں تھوڑے اور سامان میں کمتر ہو۔ مگر یہ فتح اس شرط کے ساتھ وابستہ ہے کہ تم رسول ص کے حکم پر چلو۔ رسول ص کی معصیت سے ان کو

شکست کا منہ دکھا کر ان پر ثابت کر دیا کہ اطاعت کیسی ضروری ہے یہ ایک ایسا سبق مسلمانوں کو سکھایا گیا جس کی قیمت کا اندازہ اس نقصان کے اندازہ سے زیادہ ہے جو مسلمانوں کو اُحد کے دن پہنچا۔

آپؐ نے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے صحابہ رضہ کو اپنا ایک رویا سنایا۔ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ زرہ پہنے ہوئے ایک مینڈھے پر سوار ہیں۔ آپؐ کی تلوار نوک کے پاس سے ٹوٹ گئی۔ مگر دوبارہ جلدی درست ہوگئی۔ اور آپؐ کی آنکھوں کے سامنے ایک بیل ذبح کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تلوار کے ٹوٹنے سے مراد ہے کہ مجھے کچھ نقصان پہنچیگا۔ بیل ذبح ہونے سے میری جماعت کے بعض افراد کا شہید ہونا مراد ہے مینڈھے پر سوار ہونا دشمنوں میں خونریزی ظاہر کرتا ہے اور زرہ سے مراد مدینہ ہے جو محفوظ رہیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا۔ صحابہ رضہ نے جب یہ سنا کہ مسلمانوں میں کئی آدمی شہید ہونگے تو بعض صحابہ رضہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ دعا فرماویں کہ ان شہدا میں ہم بھی شامل ہوں۔

(دیکھو ابن ہشام۔ زاد المعاد۔ مواہب زرقانی۔ فصل الخطاب مصنفہ مولوی نورالدین۔ لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ ولیم میور۔)

قبائل عرب کی عداوت کا ازسرنو بھڑک اُٹھنا | میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ

جنگ احد کے بعد جب ابوسفیان کا لشکر حمراء الاسد میں پہنچا اس جگہ کے لوگوں نے مکہ والوں کو ملامت کرتے وقت کہا لا محمداً قتلتم و لا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم ارجعوا۔ یعنے تم نے نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ ان کی کنواری عورتیں تم لوٹ کر چڑھا لائے تم نے برا کام کیا۔ پھر لوٹ کر لڑائی کرو۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کے قبائل کو قریش کی طرح مسلمانوں کے ساتھ کس قدر عناد تھا اور وہ مسلمانوں کی تباہی کو کس قدر چاہتے تھے۔ ان کو اسلام سے اس قدر بغض تھا کہ سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور مسلمانوں کی عورتوں کو لوٹ کر لے جانے کے اور کسی بات پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ حمراء الاسد مدینہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ جب مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن ان کے قرب وجوار میں رہتے تھے تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ مسلمان اپنی حفاظت کا سامان کرنے کے بغیر ان خونی دشمنوں کے درمیان امن سے زندگی بسر کرتے۔ لیکن یہ عداوت صرف قرب وجوار تک ہی محدود نہ تھی۔ ملک عرب میں بہت سے سینے ایسے تھے جن میں دشمنی کی آگ جل رہی تھی۔ غزوہ احد کے بعد عظیم الشان جنگ جو قریش اور قبائل عرب نے مل کر مسلمانوں کے ساتھ کی غزوہ احزاب ہے جو غزوہ احد سے دو سال بعد واقعہ ہوا۔ مگر اس درمیانی عرصہ میں عرب کے قبائل نے مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا۔ غزوہ احد کی وجہ سے وہ زیادہ گستاخ ہو گئے اور

یہ خیال کر کے کہ غزوہ احد کے بعد مسلمانوں کی طاقت پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہو گئی ہے ان کو بار بار مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تیاریاں کرنے کی جرات ہو گئی۔ اور ان کی جمعیتوں کو منتشر کرنے کے لئے مسلمانوں کو بار بار دور دراز سفر اختیار کرنے پڑے۔ شمال میں ان کو شام کے حدود تک جانا پڑا۔ جنوب میں مکہ معظمہ کے قرب وجوار تک اور مشرق میں بنی اسد اور بنی غطفان کے علاقوں تک۔ سیورلیکھتا ہے کہ دو غزوہ احد کے بعد دو ماہ تک مسلمانوں کو مدینہ میں امن سے بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ مگر جونہی کہ ہجرت کا چوتھا سال شروع ہوا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مختلف مقامات سے قبائل کے جمع ہونے کی خبریں آنے لگیں اور آپؐ نے ارادہ کیا کہ پیشتر اس کے کہ یہ قبائل مدینہ پر حملہ کر سکیں ان کو منتشر کیا جائے " دلائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۶۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ طلیحہ اور سلمہ جو کہ وسط عرب کے قبیلہ بنی اسد کے سردار تھے مدینہ پر شبخون مارنے کے لئے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کر رہے ہیں یہ سن کر آپ نے ایک جماعت ابو سلمہ کے ساتھ روانہ کی ابو سلمہ کے پہنچنے سے پہلے بنی اسد کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ واپس چلا آیا (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۶۲)

ابو سلمہ بمع کی جماعت کو مدینہ سے روانہ ہوئے ابھی چار پانچ دن ہی ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی ہذیل کے سردار خالد بن سفیان نے طائف اور مکہ کے درمیان ایک بھاری جماعت اکٹھی کی ہے

اور اس کا ارادہ ہے کہ اُحد کی لڑائی میں جو نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور پیشتر اس کے کہ مسلمان اپنی طاقت کی اصلاح کر سکیں اُن پر یکلخت ایک بھاری جماعت کے ساتھ حملہ کر کے ان کا قلع قمع کیا جاوے۔ مگر خدائے تعالے نے جو مسلمانوں کا حامی تھا اُسے موقعہ دیا کہ وہ اپنے بد ارادہ میں کامیاب ہو ایک صحابی عبد اللہ بن انیس نے موقعہ پا کر اس کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح مدینہ شریر دشمن کے بد ارادوں سے محفوظ رہا (مواہب زرقانی جزو ثانی صفحہ ۷۵) ناظرین غور کریں کہ کس طرح متواتر مختلف قبائل مدینہ پر شبخون اور چھاپے مارنے کی تیاریاں کرتے تھے۔ اب عیسائی صاحبان خود ہی فیصلہ کریں کہ اگر ایسی صورت میں مسلمان اپنی حفاظت کے لئے تلوار نہ اٹھاتے تو بادیہ کے رہنے والے قبائل ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟

عرب کے اکثر قبائل مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن تھے۔ کہ ان کی بیخکنی کے لئے نہایت ہی ظالمانہ دغابازی اور فریب سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔ بنو اسد اور بنو ہذیل کے منتشر کئے جانے کے قریباً ایک مہینہ بعد عرب کے دو قبائل قارہ اور عضل نے چند آدمی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے۔ اور انہوں نے ظاہر کیا کہ ہمارے ہم قوم لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں آپ چند مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کے لئے

ہمارے ساتھ روانہ کر دیں امید ہے کہ ان کے جانے سے اسلام ہماری قوم میں بہت ترقی کریگا۔ اس سے بڑھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور کونسی بات زیادہ مرغوب ہو سکتی تھی۔ آپؐ نے چھ یا دس نہائیت چیدہ اور مخلص مسلمان جو قرآن شریف کے حافظ تھے تارہ اور عنصل کی تعلیم کے لئے ان سفیروں کے ساتھ روانہ کر دئے۔ جب یہ قاری مقام رجیع میں پہنچے۔ تو اُن دھوکہ بازوں نے بنی ہذیل کی ایک جماعت کی مدد سے ان بچارے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ اور سوائے حضرت خبیب وحضرت زید رضی اللہ عنہما کے اور سب کو نہائیت بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا اور حضرت خبیب وحضرت زید رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر مکہ میں جا کر بیچدیا۔ جہاں ایک مجمع عام کے سامنے مقام تنعیم میں ان دونوں مسلمانوں کو نہائیت ظالمانہ طریق سے شہید کیا گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کئے جانے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کی اور جب نماز ادا کر چکے تو فرمایا خدا کی قسم اگر تم یہ نہ کہتے کہ میں موت کے خوف سے نماز کو لمبا کر رہا ہوں تو میں نماز کو لمبا کرتا۔ ابوسفیان نے اسے کہا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری جگہ اس وقت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہوتا۔ اور تو اپنے گھر میں امن سے بیٹھا ہوتا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک کانٹے کا بھی دکھ پہنچے

ابو سفیان نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس سے لوگ اس قدر محبت رکھتے ہوں جس قدر کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے رکھتے ہیں۔ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ اگر تم اسلام سے توبہ کرو گے تو تمہیں رہا کر دیا جاویگا۔ مگر انہوں نے کفر پر موت کو ترجیح دی اور نہایت ثبات قدم سے خدائے تعالےٰ کی راہ میں جان دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جب قید میں تھے تو قتل ہونے کی تاریخ سے ایک دن پہلے آپ نے استرا منگوایا۔ ایک عورت نے آپ کو استرا دیا اس کے بعد اس عورت کا لڑکا آپ کے پاس چلا گیا۔ آپ نے اسے اپنی ران پر بٹھا دیا۔ لڑکے کی ماں لڑکے کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھکر گھبرائی اور اس نے خوف کیا کہ ایسا نہ ہو یہ شخص استرے سے میرے بچے کو ذبح کر دے۔ آپ اس کی حالت کو دیکھ کر سمجھ گئے۔ کہ اس کو اپنے بیٹے کی جان کا خوف ہے۔ آپ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ تو خوف نہ کر۔ میں ایسا ہرگز نہیں کرونگا ہمارے مذہب میں غداری جائز نہیں ہے۔ (صحیح بخاری۔ زادالمعاد ابن قیم۔ ابن ہشام۔ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور۔ مکہ والوں کا حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو یہ کہنا کہ اگر تم اسلام سے توبہ کرو گے تو تمہیں رہا کر دیا جاوے گا صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کے جنگ کرنے کی

وجہ صرف یہی تھی کہ مسلمانوں نے اسلام کو قبول کیا تھی یعنے وہ صرف مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کے لئے ان سے جنگ کرتے تھے۔ اور اس کشت وخون سے سوائے اس کے ان کی اور کوئی غرض نہ تھی کہ اسلام کو مٹا دیا جاوے۔

اسی ماہ میں یعنے ماہ صفر ۴ھ ہجری امقدس میں ایک اور خطرناک واقعہ ہوا جو پہلوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ یعنے ابو براء جو کہ بنی عامر کا ایک سن رسیدہ سردار تھا۔ حضرت نبی کریم صلعم کے پاس آیا اور تحفہ تحائف گذران کر ملتجی ہوا کہ اس کو اسلام کی تعلیم سے مطلع کیا جاوے۔ جب اس نے آں حضرت صلعم کا وعظ سن لیا تو کہنے لگا کہ "عمدہ مذہب ہے آپ اپنے چند خدام کو میری قوم میں بنو عامر کے پاس بھیجدیں اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ آپ کے دعاوی کی تصدیق کرینگے" اس کے جواب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو نجد کی دغابازقوم میں اپنے آدمی بھیجتے وقت خطرہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے بعض قبائل قریش کے دوست اور مددگار ہیں۔ اس پر ابو براء نے عرض کی کہ "ان لوگوں کی حفاظت کا میں ذمہ وار ہوں اور آپ اتنی بات کریں کہ عامر بن طفیل کو جو دوسرے قبیلہ کا سردار ہے ایک خط بھی لکھ دیں" اس بڑے عرب سردار کی بات پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین فرما لیا اور صحابہ کرام میں سے ستر چیدہ قاریوں کو منتخب کرکے بنی عامر کی طرف بھیجدیا

اور ساتھ ہی عامر کو ایک خط بھی لکھدیا۔ اس جماعت نے روانہ ہو کر بئر معونہ نام ایک چشمہ پر قیام کیا اور ایک ساتھی کو عامر بن طفیل کے پاس خط دے کر روانہ کیا۔ اس سردار نے خط کا مضمون پڑھنے کے بغیر ہی اس ایلچی کو برچھے سے شہید کروا دیا اور بنی سلیم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ باقی مسلمانوں پر جو کہ اپنے ساتھی کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے یک بیک حملہ کر دیا اور بے ایمانی سے ان سب کو شہید کر دیا۔ ستر مسلمانوں میں سے صرف دو شخص جان سلامت لیجا سکے۔ ایک کو تو مقتولوں کی لاشوں میں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور دوسرا عمرو بن امیہ اونٹ چرانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ آہ! کس قدر انسانیت کا خون کیا گیا۔ ستر بے گناہ شخصوں کو محض اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ وہ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور کعبہ کے بتوں کی پرستش سے دست بردار ہو گئے تھے۔ انہوں نے عامر کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ تو محض پیغامبر ہو کر آئے تھے اور وہ بھی ایک قبیلہ کے سردار کی دعوت پر اور حفاظت کا پختہ وعدہ لے کر (زاد المعاد ابن قیم) اب ناظرین خود غور فرماویں کہ مسلمانوں کو کس قسم کے غیر مہذب خونخوار وحشیوں سے سابقہ پڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب عامر کے حکم سے اس کے کسی آدمی نے جواب کے منتظر بیکس قاصد کی پیٹھ میں برچھا ٹھونک دیا تو یہ بے رحم سردار بولا "کعبہ کے خدا کی قسم تو نے خوب وار کیا"

اس واقعہ سے صریحاً اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ صحرائے عرب کے خونخوار بُت پرستوں کی آنکھ میں کعبہ کے بتوں کی خوشی اسی میں تھی کہ بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جاوے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک مقتول مسلمان ہندوؤں کے نرمیدھ یا انسانی قربانی کی طرح دیوتاؤں کی بھینٹ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ جنگل کے خوفناک درندوں کے درمیان گذارہ کر لیں مگر ان خونخوار شیطان سیرت صحرائی وحشیوں سے نبھاؤ مشکل تھا........ اگر معاملات کی اس صورت پر بھی حفاظت ذاتی کے لئے مسلمان ہتھیار نہ اُٹھاتے تو وہ یقیناً ان انسان صورت بھیڑیوں کا شکار ہو جاتے۔

اس مصیبت سے بچ کر جب عمرو بن امیہ گھر کو واپس جا رہا تھا تو اُسے بنی عامر کی قوم کے دو آدمی ملے جن کو اس ستم رسیدہ مسلمان نے بئر معونہ کے حادثہ کے انتقام لینے کی غرض سے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن یہ دونوں آدمی مدینہ سے آں حضرت صلعم کے ساتھ عہد و پیمان کر کے واپس آ رہے تھے جب اس خوفناک قتل سے بچ کر آئے ہوئے آدمی نے حضرت نبی کریم صلعم سے تمام واقعہ عرض کیا اور ساتھ ہی جو کچھ راستہ میں گذرا تھا وہ بھی بتا دیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مقتولوں کا خون بہا مع اس اسباب کے جو عمرو بن امیہ

اپنے ساتھ لایا تھا بنو عامر کی قوم کے پاس بھیجدیا - ایک منصف مزاج خدا ترس انسان کے لئے یہ خوب موقعہ ہے کہ وہ ان عربوں کی دغا بازیوں اور فریبوں کے مقابلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک اور خوش معاملگی کا موازنہ کرے - رجیع کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ جانکاہ حادثہ وقوع میں آیا - پیارے ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ان جانکاہ واقعات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم قلب پر کیا اثر ڈالا ہوگا اور آپ کو کیسا صدمہ ہوا ہوگا - بئر معونہ کے ستّر اور رجیع کے دس شہداء سب کے سب چیدہ مسلمان تھے - اور ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لئے منتخب کیا تھا - کہ وہ عرب کی اقوام میں داعیان اسلام بنیں دین حقہ کے پاک اصول ان لوگوں کو سکھائیں اور اپنی زندہ مثال سے اسلام کی صداقت کا اظہار کریں -

ان حوادث پر بس نہیں ہوئی - بلکہ ان تازہ زخموں پر نمک لگانے کے لئے اقوام عرب نے جمع ہوکر مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرلیا - اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اسلام کے پرانے دشمن بنی غطفان ذات الرقاع میں جمع ہوگئے ہیں تو آپؐ صحابہ کی ایک جماعت لے کر ان کو منتشر کرنے کے لئے روانہ ہوئے - یہاں پر یہ بتلا دینا بے محل نہ ہوگا

کہ بنی غطفان جیسا کہ میور بھی لکھتا ہے قریش کے مددگار تھے۔ اور جو کچھ ان سے ہوا وہ قریش کے اکسانے سے ہوا۔ جس کثرت سے مدینہ پر حملہ کرنے کی دھمکیاں دی جاتی تھیں شاید وہ کسی کے سنے جانے تعجب ہوں۔ مگر اس زمانے کی تاریخ بتلا رہی ہے کہ ان سب واقعات کا ظہور رہا۔ اگر کوئی اصل عربی کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ تو سر ولیم میور کی لائف آف محمد (صلعم) ہی پڑھ کر دیکھ لے۔ اور اپنا اطمینان کر لے۔ بیر معونہ اور رجیع کے حادثات پر ایک نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر مسلمان ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا سامنے کر دیتے تو ان کی بیویاں اور بچے قید کر لئے جاتے اور غلام بنا کر فروخت کر دئے جاتے اور خود ان پر اسی طرح ہاتھ صاف کیا جاتا جس طرح ان کے بھائیوں کی جماعتوں پر مذکورہ بالا مقامات میں کیا گیا تھا۔ اگر مسلمانوں کے لئے ان کے دشمنوں کی طرف سے کوئی نرمی ہو سکتی تھی تو یہ تھی کہ وہ ارتداد کر کے اپنی جانیں بچا لیتے۔ مگر وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے نہ کہ یسوع مسیح کے شاگرد۔

اس میں کلام نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ارادہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے کا تھا۔ اور اگر ان کا بچاؤ مطلوب تھا تو دشمنوں کی روک تھام کا کوئی بندوبست ضروری تھا۔ جو تدابیر مسلمانوں نے اختیار کیں اگر وہ ہمارے مسیحی معترضین کی

نظر میں ٹھیک نہیں ہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ان حالات کے ماتحت اور کیا کیا جا سکتا ہے کیا یہ سچ نہیں کہ کفار نے مکہ میں ہی اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے ناخنوں تک زور لگایا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے مسلمان مہاجرین کا بحیرہ قلزم تک تعاقب کیا؟ اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ وہ ایک غیر ملک میں پناہ گزین ہونا چاہتے تھے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے نجاشی شاہ حبش کے پاس اپنے قاصد قیمتی تحائف دے کر بدیں غرض بھیجے کہ وہ مسلمان مہاجرین کو جنہوں نے اس کے ملک میں پناہ لی تھی ان کے حوالے کر دے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک وادی میں بند کر دیا تھا۔ جس کا نام شعب ابو طالب مشہور ہے اور جہاں وہ تین سال تک بند رہے اور وہ وہ ناقابل بیان تکالیف برداشت کیں کہ جن سے بعض مکہ والوں کے بھی دل اس قدر نرم ہوئے کہ وہ امداد کے لئے آمادہ ہو گئے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ وہ شریف النسب رسول صلعم قریش کے مظالم سے تنگ آ کر ایک بے خان و مان انسان کی طرح ہو گیا اور اپنی حفاظت کے لئے اس کو پڑوس کی دوسری قوموں سے مدد کی درخواست کرنی پڑی؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب مدینہ والوں نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں پناہ دینی چاہی تو قریش جامہ سے باہر ہو گئے اور اہل مدینہ کے

قافلہ کا محض اس وجہ سے تعاقب کیا کہ ان میں وہ آدمی بھی تھے جنہوں نے کمال جرات سے حضرت نبی کریم صلعم کو مدینہ میں پناہ گزین ہونے کے لئے کہا تھا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک مکہ کو نہیں چھوڑا جب تک کہ مدینہ کے نومسلموں سے یہ پختہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجرین کی اس طرح حفاظت کرینگے جس طرح کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں؟ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کی کینہ توز طبیعت کے باعث یقین تھا کہ وہ آپ کا مدینہ میں بھی تعاقب کرینگے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا؟ جسے پکڑ سکے اسے قید کر لیا اور جس پر زور چلا اسے ارتداد پر مجبور کیا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابی مکہ سے ہجرت کر چکے تو کفار قریش نے مکہ کے تمام قبائل کو گانٹھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر حملہ کرنے کے لئے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب ان لوگوں کے منصوبے خاک میں مل گئے اور خدا کا رسول جس کی نسبت و اللہ یعصمک من الناس کا وعدہ تھا ان کفار کے چنگل سے صحیح سلامت نکل گیا

تو آپ کی تلاش میں ہر طرف سوار دوڑائے گئے اور آپ کے سر مبارک کی قیمت مقرر کی گئی ؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ قریش ان مسلمانوں کو برابر ایذائیں دیتے رہے جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکے ؟ کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ مکہ کے قافلوں نے اپنی دوست قوموں اور دوسرے عربی قبائل کو مسلمان مہاجرین کے خلاف اکسایا ؟ کیا یہ بات مسلّم نہیں ہے کہ جب کفار کی فوج نے ابوجہل کے ماتحت مکہ سے کوچ کیا تو ہر ایک فرد کو جو لڑنے کے قابل تھا اس فوج کی شمولیت کے لئے مجبور کیا گیا اگر آنکھیں ہوں تو یہ صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نیت یہی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کو بزور تلوار ہمیشہ کے لئے نابود کر دیا جائے ؟ کیا کوئی اس امر کو چھپا سکتا ہے ؟ کہ عرب کے قبائل نے جا بجا جمع ہو کر مدینہ پر حملے کرنے کی ٹھان لی تھی۔ کیا یہ سچ نہیں ؟ کہ جب کبھی مسلمان کفار کے ہاتھ پڑے تو کمال بیدردی سے شہید کئے گئے یا ارتداد پر مجبور کئے گئے۔ کیا اس میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے ؟ کہ مخالفین نے شروع ہی سے اسلام کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا اور جس سرعت سے دین حقہ کی ترقی ہوتی تھی اس سے دگنے زور کے ساتھ مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ منصف ناظرین اب ہم ان سوالوں کے ساتھ ہی یہ بھی پوچھنے کی جرات کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ان حالات کے ماتحت اس کے سوا اور کیا صورت ہو سکتی تھی ؟

کہ وہ ذاتی حفاظت کے لئے تیار ہو جاتے اور جو کچھ ان سے بھی بن پڑتا اپنی حفاظت کے لئے کرتے۔ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے؟ اور ان کے اچانک حملوں کے جواب کی تیاری کرتے؟ کیا ہمارے معترض اب بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرینگے کہ ان بیشمار دشمنوں کے نرغہ سے اگر مسلمانوں کا بچاؤ ہوا تو خدا کے فضل کے ساتھ اور اس کی امداد سے محض ان کی ہوشیاری اور مستعدی سے ہوا۔ دشمنوں کو اٹھتے ہی دبانے سے دوہرا فائدہ ہوا۔ ایک تو یہ کہ مفسد قبائل کو آئندہ شرارت کا کم موقعہ ملا۔ اور دوم یہ کہ دوسری قومیں اپنے پڑوسیوں کی پیروی سے باز رہیں۔ اگر اب بھی کوئی شخص مسلمانوں کو جنگوں کی ابتدا کا ملزم بنائے اور ان تمام حالات کو نظر انداز کر دے جن کے باعث مسلمان ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے تھے۔ تو ایسے شخص کو معذور اور ظلمت کا فرزند سمجھ کر ہم حوالہ خدا کرتے ہیں۔

سریہ ذات الرقاع کے متعلق ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی کس رنگ کے انسان تھے۔ دو شخصوں کی نوکری لگائی گئی کہ وہ اس کھوہ کے منہ پر پہرہ دیں جس کے اندر مسلمان قیام پذیر تھے۔ ایک نے پہلی رات کا پہرہ لیا اور دوسرے نے

پچھلی رات کا۔ جب ایک شخص پہرہ پر کھڑا ہوا تو اس نے خیال کیا۔ کہ وقت گذارنے کے لئے سب سے بہتر طریق عبادت الٰہی ہے اس لئے اس نے اپنے مولا کے حضور نماز کی نیت کی۔ اور اس اثنا میں اس کا دوسرا ساتھی سو گیا۔ ایک دشمن نے جو کسی مسلمان کو شہید کرنے کا موقع ڈھونڈتا تھا اس عابد سپاہی کو دیکھا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ایک مسلمان پہرہ دار ہے فوراً ایک تیر چلا دیا۔ جو سیدھا اس باخدا صحابی کے جسم میں داخل ہو گیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ادنےٰ خادم نے اس تیر کو کھینچ کر نکال ڈالا اور نماز جاری رکھی۔ اس دشمن نے دوسرا تیسرا اور پھر چوتھا تیر مارا مگر اُس مردِ خدا نے ہر دفعہ تیر کو کھینچ کر نکال ڈالا اور آخر نماز ختم کر کے ہی چھوڑی۔ سلام پھیر کر اس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور دشمن نے جب دیکھا کہ دو آدمی ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ جب دوسرا صحابی جاگا تو اس نے کہا کہ مجھ کو پہلے ہی تیر پر جگا دیا ہوتا۔ اس کے جواب میں اُس خدا پرست بزرگ نے کہا کہ میں قرآن کریم کی ایک صورت پڑھ رہا تھا اور اس میں مجھے کچھ ایسی لذت آئی کہ میرے دل نے بغیر ختم کئے چھوڑنا پسند نہ کیا۔ سبحان اللہ! کیا ایمان ہے اور کیسے خدا پرست لوگ ہیں۔ مگر غضب ہے تو یہ کہ ان لوگوں کو ہمارے مخالفین نے نہایت بے رحمی سے اور انصاف کا خون کر کے "لٹیرے"

اور "خون کے پیاسے"، وغیرہ قابل نفرت ناموں سے یاد کیا ہے حالانکہ ہمارے عیسائی معترضین کو یسوع مسیح کے حواریوں میں بھی ایسے بُردبار اور راہِ خدا میں جان قربان کرنے والے وجود نہیں مل سکتے۔ ان دو صحابیوں کا نام عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھا (ابن ہشام) چونکہ قریش اور دوسرے طاقتور عربی قبائل نے مسلمانوں کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اس لئے ہمیشہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے ان لوگوں کے ہاتھوں سے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ رضؓ کو متواتر اس قدر تکالیف پہنچیں کہ آخر کار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر دعا کی کہ غضب الٰہی سخت قحط کی شکل میں ان لوگوں پر نمودار ہو تاکہ اس طرح ہی یہ خونخوار دشمن کم از کم مسلمانوں کو لگاتار ایذا دینے سے تو رک جائیں۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ابو سفیان نے اُحد کے میدان جنگ سے واپس ہوتے وقت مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ آئندہ موسم سرما میں بدر کے مقام پر ان سے مقابلہ کیا جائیگا۔ اس نے راستہ سے بھی بعض بُت پرستوں کی زبانی کہلا بھیجا کہ (خاک بدہنش) آئندہ سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضؓ کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ دوسرا جاڑا تو آگیا مگر خشک سالی تھی اس لئے ابوسفیان اس لفظی دھمکی کو عملی صورت میں لانے کے لئے

کافی تیاری نہ کر سکا یا یوں کہیں کہ خدائے تعالے نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سن لی۔ اور سیہ کار دشمن اپنی کوششوں میں ناکام ہوا۔ اور اس نے مجبوراً اس مہم کو کسی دوسرے فارغ البالی کے زمانے تک ملتوی کر دیا۔ عرب کی بعض قومیں ایسی تھیں کہ انہوں نے نہ تو قریش کا ساتھ دیا تھا اور نہ مسلمانوں کی طرف داری کی تھی ان غیر طرف دار لوگوں میں سے ایک شخص نعیم بن مسعود نام تھا۔ جس کو ابو سفیان نے مدینہ بھیجا۔ تاکہ وہاں جا کر مکہ والوں کی تیاریوں کو مبالغہ آمیز الفاظ میں مشہور کرے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو کوچ کرنے سے باز رکھے۔ قرآن کریم اس واقعہ کی مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے :۔ الذین استجابو اللہ و الرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنو امنھم و اتقو اجر عظیم۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعو لکم فاخشو ھم فزادھم ایمانا و قالو حسبنا اللہ و نعم الوکیل (آل عمران - ۱۸) جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا۔ بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا (احد کی لڑائی کی طرف اشارہ ہے) ان لوگوں کے واسطے جو ان میں سے نیک اور پرہیزگار ہیں بڑا اجر ہے٭ وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے برخلاف جمع ہو رہے ہیں اس لئے ان سے ڈرو

٭ یہاں تک واقعہ حمراء الاسد کا ذکر ہے جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔

لیکن اس سے ان کے ایمان میں زیادتی ہوئی اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالےٰ کافی ہے اور وہی کارساز ہے۔

الغرض ان مبالغہ آمیز افواہوں کا صحابہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور آن حضرت صلعم پندرہ ۱۵۰۰ سو آدمیوں کے ساتھ (یعنے جنگ اُحد میں جانے والے مجاہدین سے دگنی تعداد لیکر) مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام بدر پر ڈیرہ ڈال کر قریش کی فوج کے حملہ کا انتظار کرنے لگے ابوسفیان دو ہزار پیادہ اور پچاس سوار لے کر مکہ سے روانہ ہوا مگر ایک دو دن کے سفر کے بعد ہی اس کو خیال آیا کہ اس قدر آدمیوں کے ساتھ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیگا۔ اس لئے وہ اس عذر سے کہ امسال بوجہ گرانی لڑائی مناسب نہیں ہے۔ مکہ کو واپس آگیا اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آٹھ دن تک بدر پر انتظار کر کے مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ (مواہب زرقانی۔ جزو ثانی۔ ۱۱۱)

آئندہ موسم گرما میں حضرت نبی کریم صلعم کو ایک نئی طرف کا لمبا اور بامشقت سفر درپیش ہوا۔ یعنی دومۃ الجندل نام مقام کی طرف جانا پڑا جو کہ مدینہ سے سولہ دن اور دمشق سے پانچ دن کی مسافت پر ملک شام کی حدود پر واقع تھا۔ یہاں پر راہزنوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اس طرح انہوں نے نہ صرف ملک شام اور مدینہ کے درمیان کی تجارت کو روک دیا تھا بلکہ مدینہ پر

حملہ کرنے کا منصوبہ بھی کیا تھا۔ یہ خبر پاکر آں حضرت صلعم مدینہ سے ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ عین موسم گرما میں روانہ ہوئے مسلمانوں کی آمد پر راہ زن قبائل جو عیسائی تھے تتر بتر ہو گئے۔ اور نبی کریم صلعم قریباً ایک ماہ کے بعد مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے۔ راستہ میں آپ نے قوم فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن سے ایک معاہدہ کیا اور اس کو مدینہ کے نواح کی بعض زمینوں پر جہاں باوجود قحط سالی کے کافی چارہ تھا مویشی چرانے کی اجازت دی۔ یہ سفر ماہ ربیع اولاول ۵ھ ہجری المقدس میں پیش آیا (زاد المعاد ابن قیم) اس شمالی سفر یعنے دومتہ الجندل کی لمبی اور تھکانے والی مہم سے واپس آئے آں حضرت صلعم کو چند ماہ ہی گذرے تھے کہ آپ کو ایک لمبا سفر جنوب کی طرف کرنا پڑا یعنے نواح مکہ کی جانب جانا پڑا۔ اس دفعہ بنی مصطلق پر چڑھائی کی گئی۔ جو کہ مکہ کے نواح میں رہنے والے قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔ اس وقت تک تو ان لوگوں کے مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات تھے مگر ان کے سردار الحرث نامی نے ان کو مسلمانوں کی طرف سے برگشتہ کر دیا۔ اس شخص نے محض اپنی ہی قوم پر اثر نہیں ڈالا تھا۔ بلکہ دوسرے قبائل میں بھی چکر لگا کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا تھا۔ جب ان حالات کی اطلاع آں حضرت صلعم کو ہوئی تو آپ نے

الحرث کے منصوبوں کو توڑنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور صحابہؓ کی ایک جماعت ساتھ لے کر ونڈ گروانہ ہو پڑے۔ آخر آٹھ دن کی مسافت کے بعد مریسیع کے کوئیں پر ڈیرے لگا دئے۔ آپؐ کے یک بیک آجانے سے الحرث کے ساتھیوں پر خوف طاری ہو گیا اور اس کے مددگاروں نے علیحدہ ہونا شروع کر دیا۔ تاہم نبی مصطفیٰ کی طرف سے ہی پہلا تیر چلا اور جس طرح آغاز ان کی طرف سے ہوا اسی طرح اس لڑائی کا انجام بھی اسی قبیلہ کی شکست پر ہوا۔ اس طرح اس خطرناک مجمع کو منتشر کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس تشریف لائے۔ یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مسلمان وقت پر نہ پہنچتے تو بہت بڑے خطرہ کا اندیشہ تھا (ابن ہشام) اس غزوہ میں عبداللہ بن ابی اور منافقین کی ایک جماعت بھی اسلامی جھنڈے کے نیچے آموجود ہوئی تھی۔ اور اس شمولیت سے ان کی مراد ظاہرا دوستی کا اظہار تھا مگر اس دفعہ اتفاق سے ایک جھگڑا پیدا ہو گیا اور اس میں عبداللہ بن اُبی بول اُٹھا کہ "تم نے ان اجنبیوں کو اپنے ہاں بلا کر یہ سب کچھ اپنے آپ سہیڑا ہے" اور کہا لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل۔ یعنے مدینہ جا کر عزت والے یعنے ہم ذلت والوں یعنے مسلمانوں کو شہر سے نکال دینگے" اس شخص کا بیٹا عبداللہ پکا مسلمان تھا اور وہ اپنے باپ کو اس بات پر ملامت کر رہا تھا

کہ اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو اذل کیوں کہا۔ اسی اثنا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بھی اس طرف ہوا اور بیٹے اور باپ کی تکرار سن کر فرمایا "اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ میری جان کی قسم جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے ہماری رفاقت اس کے لئے ہر طرح خوشی کا موجب ہونی چاہئے"۔ قرآن مجید میں سورہ منافقون میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

مدینہ کا محاصرہ یا غزوہ احزاب جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شمال، مشرق اور جنوب کی طرف حملہ آوروں کے مجمعوں کو منتشر کر رہے تھے تو آپ کے دشمن مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے کے لئے بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں کر رہے تھے۔ میور لکھتا ہے کہ "قریش ہر جاڑے کے موسم میں مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتے تھے۔ مگر اب کی دفعہ انہوں نے بہت ہی بڑھ چڑھ کر سامان کیا تھا"۔ (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۹۶)

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ابوسفیان نے جنگ احد سے واپس آتے وقت آں حضرت صلعم کو یہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا تھا کہ وہ آئندہ سال (خاک بدہنش) آپؐ اور آپ کے صحابہؓ کا قلع قمع کریگا۔ اگرچہ اس سال وہ اپنی لفظی دھمکی کو عملی لباس پہنانے میں ناکام رہا مگر دوسرے سال اس نے (بزعم خود) مسلمانوں کی

بیخ کنی کے لئے بہت بڑی بڑی تیاریاں کیں۔ یہودی بھی جو کہ مسلمانوں کی تباہی چاہنے میں قریش سے کسی صورت میں کم نہیں تھے ان کے ساتھ مل گئے اور ان کو ہر طرح کی امداد دینے لگے۔ بعض بارسوخ یہودی مثلاً سلام بن حقیق۔ نضری وحیی بن اخطب نضری وکنانہ بن ربیع۔ نضری وہوزہ بن قیس۔ وائلی و ابوعمار وغیرہم بنی نضیر اور بنی وائل کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خیبر سے مکہ کو گئے اور قریش کو اپنی امداد کا یقین دلا کر ان سے درخواست کی کہ ایک بڑی فوج سے مدینہ پر حملہ کریں اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیں مکہ سے وہ بدو اقوام کے پاس گئے اور ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکساتے پھرے۔ قریش اور یہودیوں کی متفقہ کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر صحرائی قبائل ان کی امداد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ان بدو اقوام میں غطفان قبیلہ کی بھی کئی قومیں شامل تھیں جن کے ہاتھ سے مسلمانوں کو پہلے بھی بہت ایذا پہنچ چکی تھی۔ قریش کا افسر ابوسفیان تھا اور صحرائی قبائل کا سردار عینیہ بن حصن تھا۔ اس تمام لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ قوم خزاعہ نے مسلمانوں کو اس آنے والے طوفان کی خبر تو دیدی مگر اب تیاری کا کوئی وقت نہ تھا۔ اقوام عرب کے اس جم غفیر کی طرف قرآن کریم نے مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرمایا ہے۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ

الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ٥ ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً ٥ احزاب ۲۔ یعنی جب وہ تم پر اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی چڑھ آئے۔ اور جب آنکھیں کج ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالےٰ کی نسبت عجیب عجیب خیالات پیدا ہوئے۔ اس جگہ مومنین کے لئے آزمائش کا وقت تھا اور وہ ہلائے گئے سخت ہلانا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو مولا کریم کی ذات پر پورا بھروسہ تھا دعا میں مشغول ہوگئے اور جناب باری میں اس طرح عرض کیا " اے مولا! اے کتاب کے نازل کرنے والے! تو جلدی حساب لینے والا ہے۔ پس ان جماعتوں کو منتشر کردے! اے مالک! تو ان کو بھگا دے اور ان میں تزلزل ڈال! آپ اس دعا کو کئی روز تک برابر مانگتے رہے پھر اپنے صحابہ سے مشورہ کیا اور سلمان فارسی کی تجویز پر شہر کے گرداگرد خندق کھودنے کا ارادہ کرلیا گیا۔ یہ تدبیر بہت کارگر ہوئی کیونکہ عربوں میں اس وقت تک خندق کھودنے کا رواج نہ تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دے دیا تاکہ یہ خندق مسلمانوں اور حملہ آوروں کے درمیان ایک روک اور حد فاصل کا کام دے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس بھی اس خندق کے کھودنے میں حصہ لیا۔ اور کھدی ہوئی

مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر پھینکتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسا تذہ صحابہ کرام رضہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مٹی اور گرد جمی ہوئی تھی اور آپ کی زبان مبارک پر اکثر یہ اشعار جاری ہوتے تھے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا ۔ ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا ۔ وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الألی قد بغوا علینا ۔ اذا ارادوا فتنۃ ابینا

یعنے اے اللہ اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہم راہ راست کو حاصل نہ کر سکتے نہ خیرات کر سکتے اور نہ نمازیں پڑھ سکتے (تونے ہی ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی) پس اب مقابلہ کے وقت تو ہم پر سکینہ نازل فرما کر اور ہمارے قدموں کو لڑائی میں مضبوط کر۔ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی اور تعدی کی ہے اور جب کبھی انہوں نے جبر اور تلوار کے زور سے ہمیں اسلام سے پھیرنا چاہا تو ہم نے انکار کیا (صحیح بخاری)

مذکورہ بالا اشعار کا حوالہ میور نے بھی دیا ہے۔ اور ان کے یہاں لکھنے سے میرا منشا صرف اس امر کا اظہار کرنا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اشعار میں بھی اپنے تئیں مظلوم اور ستم رسیدہ ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو جابر اور زیادتی کرنے والے ٹھہراتے ہیں پانچویں مصرعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مخالفین نے ہی مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے ابتدا کی تھی

اور ان کی غرض بھی مسلمانوں کو راہ راست سے برگشتہ کرنے کی تھی۔ جن الفاظ کا ترجمہ میور نے "مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں" کیا ہے وہ بغو اعلینا ہیں جن کے زیادہ صحیح معنے یہ ہوتے ہیں کہ "انہوں نے ہم سے ظالمانہ سلوک کیا ہے یا ہم پر تعدی اور زیادتی کی ہے" کیونکہ لین پول کی انگریزی عربی لغات میں بَغیٰ کے معنے مفصلہ ذیل دیئے گئے ہیں "تعدی کا مرتکب ہونا۔ ایذا پہنچانا یا ظالمانہ سلوک کرنا۔ یا سختی کرنا" وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخالفین ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں سے ظالمانہ و جابرانہ برتاؤ کیا تھا۔ اور ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ہر طرح ابتلاؤں دکھوں۔ مصیبتوں اور سختیوں میں ڈالا تھا۔ کیا یہ الفاظ ہی اس امر کی کافی شہادت نہیں ہیں کہ مسلمان مظلوم اور ان کے دشمن ظالم تھے؟ ہمیں اگر تعجب ہے تو یہ کہ اگر کہ ایسی صاف اور صریح شہادتوں کی موجودگی میں بھی مسیحی صاحبان اور ان کے ہمرنگ معترضین کو یہ کہتے وقت شرم نہیں آتی کہ مسلمانوں نے عربوں پر ظلم کی تلوار چلائی اور ان کو بزور شمشیر اسلام میں داخل کیا۔

اب ہم پھر محاصرہ کی داستان کی طرف عود کرتے ہیں۔ چھ دن کی متواتر کھدائی کے بعد خندق مکمل ہو گئی اور مسلمانوں کی تین ہزار فوج اس وسیع میدان میں نکل آئی جو خندق اور شہر کے

درمیان تھا۔ قریش اور صحرائے عرب کا ٹڈی دل سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح مدینہ پر بڑھتا چلا آرہا تھا کہ خندق پر آکر یکایک رُک گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ آگے بڑھنا محال ہے تو خندق کے پار والے میدان میں ہی ڈیرے ڈالدیئے۔

اب دشمن نے مدینہ کے اندر اپنے مددگار پیدا کرنے چاہے اور بنی قریظہ کی یہودی قوم سے گفتگو کا سلسلہ جاری کیا۔ خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص حیی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ پہلے پہل تو کعب نے حیی کو ملنے سے انکار کیا اور کہا مسلمان اپنے عہد کا بڑا پاس کرتے ہیں لہذا مجھے عہد شکنی سے خوف آتا ہے مگر جب اس کو یہ بتلایا گیا کہ مخالفین کی فوج مدینہ کے باہر ڈیرے ڈالے پڑی ہے اور طوفانی سمندر کی طرح معاذ اللہ آں حضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کو بہالے جانے کے لئے تیار ہے۔ اور یہ کہ حملہ آوروں نے اس بات پر حلف کرلیا ہے۔ کہ مسلمانوں کو تباہ کئے بغیر واپس نہ جائینگے۔ جب یہودی سردار نے یہ باتیں سُنیں تو وہ نرم ہوگیا۔ اور قریش کی امداد کرنے کا پختہ وعدہ کرلیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے وس تصدیق کے لئے اپنے آدمی بھیجے۔ وہاں پہنچ کر جو دیکھا تو بنی قریظہ کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ اور یہ کہتے تھے۔ کہ

"محمدؐ کون ہے اور خدا کا رسول کون ہے جس کی ہم اطاعت کریں۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں ہے" یہ پیامبر جب حضور نبوی میں واپس آئے تو عرض کیا کہ یہودیوں کا مزاج تو اس سے بھی زیادہ خراب ہے جس قدر کہ ہم نے خیال کیا تھا۔ اس بغاوت کی خبر سے مسلمانوں پر بہت خوف طاری ہوا۔ کیونکہ شہر میں ان یہودیوں کے بہت لوگ طرفدار تھے اور شہر کے اس حصہ میں جس طرف بنو قریظہ رہتے تھے دشمن آسانی سے اندر گھس آسکتا تھا۔ اچانک حملے یا دغا بازی سے بچنے کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً اپنی فوج کا ایک حصہ علیحدہ کر کے شہر کے دوسرے حصہ کی طرف بھیجنا پڑا حالانکہ آپ کے پاس خندق کی حفاظت کے لئے بھی کافی آدمی نہیں تھے اور اس علیحدہ کردہ دستہ کو دو جماعتوں میں تقسیم کر کے آپ نے حکم دیا کہ شہر کے گلی کوچوں میں شب و روز گشت لگائیں۔ اور خطرہ کے مقامات کی نگرانی کریں۔ مسلمان بظاہر اس قدر کمزور اور بے کس تھے کہ اکثروں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عذر کر کے چلے آنے کی اجازت مانگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ بد دل لوگوں اور منافقین نے تو اب علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ "رسول اللہ کی وہ امیدیں اب کدھر گئیں اور آسمانی امداد کے وعدے کیا ہوگئے"

قرآن کریم اس کیفیت کی طرف مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ه (احزاب ۲) اور جس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہتے تھے کہ نہیں وعدے دیئے تھے اللہ نے اور اس کے رسول نے مگر دھوکہ دینے کو۔ اور جس وقت کہتا تھا ایک گروہ ان میں سے اے مدینہ والو! تمہارے رہنے کے واسطے کوئی جگہ نہیں پس پھر جاؤ۔ اور ایک فریق ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

لیکن اگرچہ ظاہری آنکھ میں مسلمانوں کی حالت کمزور معلوم ہوتی تھی اور اگرچہ وہ لوگ جن کے قلوب میں بیماری تھی اس بات پر یقین رکھنے لگے کہ مسلمان تباہ ہو جائینگے۔ مگر سبحان اللہ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت میں رہنے والے صحابہ کا کیا ایمان ہے۔ کہ مخالفین کے اس دل بادل لشکر کو دیکھ کر بجائے دل چھوڑنے کے اس طرح فرماتے ہیں۔

ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہٗ و صدق اللہ و رسولہ (احزاب ۳) یعنے یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا یعنے اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے جو خدائے تعالےٰ نے فرمایا تھا جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب (ص ۱)

پھر اس متفقہ اور متحدہ افواج نے ان پر کیا اثر کیا ؟ صرف یہ کہ ان کے ایمان اور اطاعت میں ترقی ہوئی چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وما زادھم الا ایمانا و تسلیما (احزاب ۳) ان وفادار مسلمانوں نے ایسے ابتلا اور خوف کے موقعہ پر بڑی بہادری سے کام لیا اور شب و روز اچانک حملوں اور دغابازیوں سے بچنے کے لئے شہر کے گلی کوچوں میں پہرہ دیا۔ انہوں نے اپنے آقا و مولا اپنے پیشوا و ہادی اپنے روحانی باپ اور سپہ سالار کے خیمہ کی حفاظت کی اور جب کبھی دشمنوں نے خندق کو عبور کرنا چاہا تو فوراً نہایت ہوشیاری اور جانبازی سے مقابلہ کر کے ان کو پسپا کر دیا۔ اللہ اللہ ان لوگوں کا کیسا ایمان اور کیسا خدا کی ذات پر بھروسہ تھا کہ چاروں طرف سے دشمنوں کا نرغہ ہے اور محاصرہ کے اُٹھائے جانے کی ظاہرا کوئی امید نہیں اور پھر سامنے سے یہ ڈر ہے کہ دشمن خندق

عبور کر کے حملہ نہ کر دیں اور پیچھے سے یہ خدشہ ہے کہ کہیں یہودی
اور منافقین نہ آپڑیں تاہم یہ قدوسیوں کا گروہ کبھی بیدل نہیں
ہوتا اور کبھی مایوسی ان کے پاس نہیں پھٹکتی۔ خدائے تعالیٰ کے
فضل سے مسلمانوں نے ایسی ہوشیاری اور مستعدی سے کام
کیا کہ دشمنوں کا بے شمار لشکر اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکا
ایک دفعہ سواروں کا ایک دستہ خندق کے پار آنے
میں کامیاب ہوگیا اور مسلمانوں کی صف کے عین مقابل
بڑی دلیری سے نمودار ہوا۔ ان میں ایک بڑا بہادر قریش
عمرو نام تھا اس نے مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ کوئی شخص تنہا ہو کر
اس سے نبرد آزمائی کر لے۔ اس چیلنج کا جواب اہل اسلام کی
طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیا آخر دونوں بہادر
مصروف پیکار ہو گئے اور گرد وغبار کا ایک بادل اٹھا اور کچھ عرصہ
کے لئے دونوں کو دیکھنے والوں کی نظروں سے غائب کر دیا۔ لیکن
بہت دیر نہیں ہونے پائی تھی کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے
اللہ اکبر کا نعرہ مار کر یہ اطلاع کر دی کہ دشمن مقتول ہو گیا ہے۔
یہ سن کر عمرو کے ساتھیوں پر دہشت چھا گئی اور وہ خندق کو پھلانگ
کر بھاگ گئے۔ مگر خندق کو عبور کرتے وقت ایک سوار نیچے
گرا جسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً دوسرے عالم
میں پہنچا دیا۔ قریش نے اس مقتول کا جسم کچھ معاوضہ دے کر

واپس لینا چاہا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر معاوضہ ہی اس کی لاش واپس کر دی۔ اس واقعہ کے بعد کی شب کو دشمنوں نے خندق پر قبضہ کرنے کے لئے بہتیری بڑی تیاریاں کیں اور صبح ہوتے ہی مسلمانوں نے دیکھا کہ مخالفین کی ساری فوج ان کے مقابل صف آرا ہے۔ سر ولیم میور کی مفصلہ ذیل عبارت اس منظر کا بخوبی نقشہ کھینچ رہی ہے اور اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ کس بہادری اور مستعدی سے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کی متفقہ اور متحدہ افواج کے حملوں کا دفعیہ کیا تھا۔ میور لکھتا ہے "کبھی تو وہ مل کر حملہ کرنے کی دھمکی دیتے اور کبھی کئی دستوں میں تقسیم ہو کر مختلف مقامات پر بڑی سرعت کے ساتھ حملہ کرنے کی آمادگی ظاہر کرتے تاکہ مسلمانوں کی توجہ بٹ جائے اور پھر موقعہ دیکھ کر اور کسی غیر محفوظ مقام کو تاڑ کر سب کے سب ایک دفعہ پل پڑتے اور تیروں کی بوچھاڑ کی آڑ میں خندق کو عبور کرنا چاہتے۔ کئی دفعہ خالد اور عمرو جیسے قریش بہادروں نے شہر پر حملہ کیا۔ اور ایک مرتبہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خیمہ بھی خطرہ کی حالت میں ہو گیا۔ مگر مسلمانوں کے بہادرانہ مقابلہ اور تیروں کی بوچھاڑ نے حملہ آوروں کا منہ پھیر پھیر دیا۔ یہ حالت تمام دن جاری رہی اور چونکہ مسلمانوں کے پاس بہ مشکل تمام اس قدر فوج تھی۔ کہ

مقابلہ جاری رکھتے اس لئے انہیں آرام کے لئے ذرا بھی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ مزید برآں رات کو بھی خالد کی فوج کی طرف سے برابر خطرہ رہا۔ اس لئے اکثر دور کی چوکیوں کے تعین کی ضرورت لاحق ہوئی لیکن دشمنوں کی تمام کوششیں رائیگان اور بے سود رہیں۔ اور وہ کبھی خندق کو پوری طاقت سے عبور نہ کر سکے" خندق پر ایسا سخت اور لگاتار کام رہا کہ مسلمان وقت پر نمازیں بھی نہ پڑھ سکے۔ اور پانچوں نمازیں ملا کر اس وقت پڑھیں جب کہ دشمن شب گذاری کے لئے میدان کارزار سے واپس ہوئے کئی روز تک متواتر جاگنے اور شب و روز کام کرنے سے مسلمان پریشان اور تھک کر چور ہو رہے تھے اس محنت شاقہ کو سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار اور جاں نثار اصحاب صفہ کے بھلا اور کون برداشت کر سکتا تھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آخر کار خدائے تعالے نے جو ہر ایک چیز پر قادر اور حاکم ہے ایک سخت آندھی کے رنگ میں اپنی آسمانی کمک بھیجدی اور یہ طوفان ایسا سخت تھا کہ خیمے اکھڑ گئے آگیں بجھ گئیں اور دشمنوں کا ہر ایک سامان تہ و بالا ہو گیا۔ اور ان کے کیمپ میں ایسی کھلبلی مچ گئی کہ ابو سفیان جو کفار کی فوج کا سپہ سالار تھا سب سے پہلے بھاگ کھڑا ہوا اور گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ

ابوسفیان کو سوار ہونے سے پہلے اونٹ کی ٹانگیں کھولنے کا بھی خیال نہ رہا۔ قریش نے مکہ کی راہ لی اور بدو اپنے صحرائی گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ مومن کامیاب ہوئے اور منکر ناکام رہے۔ اللہ تعالے کے فرشتوں نے اپنے بندوں کا ساتھ دیا اور قدرت کے زبردست ہاتھ نے اپنے لشکروں کی نصرت اور یاری کی۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ رہ کو اڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی ان پہ اک طوفان لاتی ہے

اسی فتح و نصرت کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا ۰ (احزاب ۲) یعنے اے ایمان والو! اللہ تعالے کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب کئی لشکر تم پر حملہ آور ہوئے۔ پھر ہم نے ان پر ایک ہوا بھیجی اور (فرشتوں کی) فوجیں بھیجیں جن کو تم

نہیں دیکھتے تھے اور اللہ تعالے تمہارے دبہادری کے کاموں کو دیکھتا تھا۔ پھر فرماتا ہے۔ وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِغَیْظِہِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ۝ (احزاب ۳) اور اللہ تعالے نے کفار کو ان کے غیظ و غضب کے ساتھ واپس پھیر دیا انہوں نے کوئی بھلائی حاصل نہ کی۔ اور اللہ تعالے نے مومنوں کو جنگ سے بچا لیا (یعنے خود ہی لشکر کو بھگا دیا۔ اور لڑائی کی نوبت نہ آئی) اور اللہ تعالے طاقتور اور زبردست ہے۔ اور پھر اس خوف کا حوالہ دے کر جو کہ مخالفوں کی کثرت اور یہودیوں کی بغاوت سے منافقین اور بیمار دل لوگوں پر طاری ہو گیا تھا اس طرح فرماتا ہے فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَہُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُہُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ (احزاب ۲) یعنے جب خوف آیا تو نے ان کو دیکھا کہ وہ تیری طرف دیکھتے تھے اور ان کی آنکھیں اس طرح پھرتی تھیں جیسا کسی پر موت کی غشی طاری ہو جاتی ہے۔

جو دعا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز سے اللہ تعالے کے حضور مانگ رہے تھے آخر وہ سنی گئی اور خدائے تعالے نے دشمنوں کی کثیر التعداد فوج کے دلوں پر رعب ڈال دیا اور وہ اپنے گھروں کو پشیمانی۔ حیرانی اور سرگردانی سے واپس

ہوئے۔ مسلمانوں میں سے پانچ آدمی شہید ہوئے جن میں سے
ایک حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی اوس کے سردار تھے
آپ نے حالت نزع میں جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے " اے رسول
اللہ تجھ پر اللہ کی برکتیں نازل ہوں۔ میں شہادت دیتا ہوں
کہ تو خدا کا فرستادہ پیغمبر ہے " جب یہ الفاظ حضرت سعد
رضی اللہ عنہ کے منہ سے دھیمی اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں نکل رہے
تھے اس وقت ان کا سر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو
مبارک پر رکھا ہوا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا
کر رہے تھے " اے مولا! درحقیقت سعد نے تیری راہ میں
محنت اٹھائی ہے۔ اس نے تیرے رسول پر ایمان لاکر اپنے
عہد کو پورا کیا ہے اس لئے اے خدا جو تیرے انعام اس جہان
سے رخصت ہونے والوں کی ارواح پر ہوتے ہیں ان میں سے
بہتر سے بہتر انعام اس شخص کی روح پر نازل فرما " (ابن ہشام
و لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ میور)

اس میں کلام نہیں کہ اب مدینہ پر ہر سال حملہ کرنے کی
تیاریوں سے اور پہلے مکہ میں مسلمانوں کو ایذا دینے سے قریش
کی ایک ہی غرض تھی۔ یعنے اسلام کا قلع قمع کر دینا مگر فرق صرف
یہ ہوا کہ مکہ میں تو مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ارتداد پر مجبور کرنے
سے ان کی غرض پوری ہو جاتی تھی مگر مدینہ میں ان کا مطلب سوائے

مسلمانوں کے تباہ کر دینے کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جوں جوں اسلام نے مضبوطی پکڑی مخالفین کی سختی میں بھی ترقی ہوئی۔ اسلام کی مخالفت میں جو آخری کوشش شہر میں کفار کی طرف سے ہوئی وہ یہ تھی۔ کہ اسلام کے بانی علیہ الف الف سلام کے قتل کا منصوبہ کیا گیا۔ اور اس طرح انہوں نے اس مذہب کا خاتمہ کرنا چاہا جس سے ان کو دلی نفرت تھی۔ آن حضرت صلعم کے قتل کی کوشش سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو مٹا دینے پر تلے بیٹھے تھے لیکن جب وہ اس میں بھی ناکام رہے اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مدینہ میں جائے پناہ مل گئی تو جلے بھنے قریش کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کا تلوار سے ہی صفایا کر دیں۔ بڑی بڑی تعداد میں مسلمانوں پر حملہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قریش کا ان جنگوں سے مسلمانوں کی کامل تباہی کے سوا اور کوئی مدعا ہی نہ تھا۔ انہوں نے ہر جاڑے کے موسم میں مدینہ پر حملہ کرنا ایک ضروری امر سمجھ لیا تھا ہر دفعہ بڑی بڑی تیاریاں کرتے تھے۔ پہلے سال جب کہ مسلمان ابھی کمزور ہی تھے تو ہر ایک لڑنے کے قابل مرد کو مکہ والوں نے مجبور کیا کہ ان کی فوج میں شامل ہو اور پھر ابوجہل اور دوسرے رؤسائے مکہ قریباً ایک ہزار آدمی کی جمعیت سے

بدر کے میدان تک کوچ کر آئے۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل تمام تین سو تیرہ آدمی جمع کر سکے اور ان میں سے بھی اکثر خام اور ناتجربہ کار تھے۔ اور طرفہ یہ کہ علاوہ کمی تعداد کے سامان جنگ بھی کافی نہیں رکھتے تھے۔ دشمن تو چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو بالکل کچل ڈالے مگر الہام الٰہی کے مطابق خدا کے زبردست ہاتھ نے اپنی امداد کا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کے چیدہ چیدہ دشمن قید ہو گئے یا مارے گئے۔ مسلمانوں کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ منافقین مدینہ اور یہودی تو امید لگائے بیٹھے تھے کہ اب وہ ضرور لڑائی میں تباہ ہو گئے ہونگے اور جو ایلچی فتح کی خبر لے کر آیا اس کو انہوں نے سمجھا کہ ساری فوج میں سے ایک بچ کر آیا ہے۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود نصرت الٰہی کے متواتر وعدوں کے خدائے تعالےٰ کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے صحابہ کی سلامتی کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ پہلے حملہ کی تو یہ کیفیت تھی۔ اب سنئے کہ دوسرے حملے کے وقت قریش نے تین ہزار نبرد آزما کی ایک مضبوط فوج جمع کی اور سب کو سامان جنگ سے خوب آراستہ کر لیا مگر مسلمان صرف ۷۰۰ آدمی تھے۔ اگلے سال قحط ہو گیا اور قریش مسلمانوں کے کچلنے کے لئے کافی فوج نہ جمع کر سکے اس لئے یہ سال بغیر جنگ کے ہی گذر گیا۔ دوسرا سال غیر معمولی تیاریوں میں صرف ہوا

اور چونکہ پہلی تمام کوششیں بے سود ہوئی تھیں لہذا قریش نے اب آخری اور فیصلہ کن حملے کا ارادہ کرلیا۔ یہودیوں نے بھی ان کی امداد کی اور چاروں طرف بدو اقوام میں آدمی بھیج بھیج کر ان کو بھی امداد کے لئے بلایا گیا۔

ان محنتوں کا جیسا ہم پہلے بیان کرچکے ہیں یہ نتیجہ ہوا کہ ہجرت کے پانچویں سال دس ہزار جنگجوؤں کی متحدہ فوج نے مدینہ پر حملہ کیا اور سوائے چند منتخب لوگوں کے باقی سب شہر والوں کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس متفقہ فوج کا جو اثر شہر والوں پر ہوا اس کو قران کے الفاظ سے بہتر عبارت میں ادا کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اذ جاؤکم من فوقکم و من اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا ہ ھنالک ابتلی المؤمنون و زلزلوا زلزالا شدیدا ہ جب وقت آئے تمہارے پاس (دشمن) اوپر سے اور نیچے سے (یعنی شہر کی دونوں طرف سے) اور جس وقت آنکھیں ٹیڑھی ہوگئیں اور دل (بوجہ گھبراہٹ کے) حلق تک پہنچ گئے۔ اور تم اللہ تعالے کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے تھے۔ اس وقت مومن آزمائے گئے مسلمانوں کی ظاہری حالت ایسی نازک تھی کہ خود ان کے درمیان سے ایسے لوگوں نے جن کے قلوب میں

اعراض بتے علانیہ کہنا شروع کر دیا "اب رسول خدا (صلعم) کی امیدیں کہاں ہیں۔ اور آسمانی امداد کے وعدے کیا ہو گئے"۔

الغرض اس بات میں ذرہ بھی شبہ نہیں کہ قریش کا ارادہ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کا تھا اور یہی ارادہ تھا جو ان سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں کراتا تھا۔ اب جو شخص اس بات سے انکاری ہو کہ قریش کا اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کا ارادہ نہیں تھا وہ ایک ثابت شدہ امر کا منکر ہے کیونکہ قریش کی لمبی چوڑی تیاریاں اس امر پر پوری روشنی ڈالتی ہیں کہ ان کا مسلمانوں کو کچل ڈالنے اور صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا پختہ ارادہ تھا۔

ایک یاد رکھنے کے قابل بات

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان جو لڑائیاں ہوئی تھیں ان سب میں ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فوج مدینہ سے اس وقت روانہ ہوئی۔ جب مکہ والوں کی فوج نصف سے زیادہ رستہ طے کر چکی تھی۔ جب مسلمان میدان بدر میں پہنچے تو قریش کی فوج وہاں پہلے ہی سے موجود تھی۔ اب دیکھئے کہ بدر مدینہ سے تین روز کا اور مکہ سے نو روز کا راستہ ہے۔ پس اس صورت میں مکہ والے مسلمانوں کی روانگی سے کئی روز

پہلے چلے ہونگے۔ اب قرآن کریم سے جو ان معاملات میں میور اور دوسرے عیسائی معترضین کے نزدیک بھی ہماری نہائت ہی معتبر سند ہے۔ (ملاحظہ ہو لائف آف محمد صلعم صفحہ ۲۹۹ اور دیباچہ صفحہ ۲۶) جیسا کہ میں پہلے اس سے بھی ظاہر کر چکا ہوں یہ صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا کہ ان کا مقابلہ دو جماعتوں میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یعنے ان کو قریش کے لشکر کا علم تھا۔ یہی حالت ہر ایک جنگ میں ہوتی رہی۔ جنگ اُحد جنگ احزاب اور بدر کی دوسری لڑائی میں بھی قریش ہی کی طرف سے پیشدستی ہوئی۔ ان واقعات سے جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے زیادتی ہوئی اور مسلمانوں نے محض حفاظت ذاتی کے لئے ہتھیار اُٹھائے۔ لیکن جائے افسوس ہے تو یہ کہ عیسائی معترض ان کھلی کھلی شہادتوں پر آنکھ بند کر کے نہائت دلیری سے مسلمانوں کو ظالم اور قریش کو مظلوم ٹھیراتے ہیں۔ آہ! اس سے بڑھ کر انصاف کا خون اور کون کریگا۔ منصف ناظرین! اگر آپ عرب کا نقشہ لے کر مقامات جنگ پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ کس نے زیادتی کی اور کس نے محض مدافعت اور حفاظت ذاتی کا سامان کیا

آسمانی امداد — اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا اہل اسلام کی امداد کرنا بھی ایک بدیہی امر ہے جس کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ جب مسلمان کمزور اور بیکس تھے اور قریش ان پر ہر طرح کی سختیاں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی امداد کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ خونخوار بھیڑیوں کے منہ میں آئے ہوئے تھے اور ظاہراً مخلصی کی کوئی امید نہ تھی۔ مگر مولا کریم نے مکہ میں ہی ان سے وعدہ فرمایا کہ میں ان بھیڑیوں کو ہلاک کر دوں گا اور اسلام کو دنیا کے کونوں تک پھیلا دوں گا۔ خواہ دشمن اس کی بنیادیں اکھاڑنے کے لئے ناخنوں تک زور ہی کیوں نہ لگائیں اگر آسمانی وعدوں پر ایمان اور کامل یقین نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس خطرناک مایوسی کے عالم میں مسلمان دل توڑ بیٹھتے۔ اور ہم تو صریحاً دیکھ رہے ہیں کہ خدائی ہاتھ اپنے وفادار بندوں کی شروع سے ہی دستگیری کرتا رہا تھا۔ یہ خدا کا ہی فعل تھا صادق اور راستی پسند قلوب کو اسلام کی طرف پھیر دیا اور باوجود قریش کی سخت سے سخت مخالفت اور ایذادہی کے دین حق کی اشاعت جاری رہی۔ یہ تائید الٰہی کی پہلی علامت تھی۔

اسلام لانے میں کیا کیا خطرات تھے اس کا اندازہ ان لوگوں کے عذرات پڑھ کر لگ سکتا ہے۔ جو کہ قبول اسلام میں متردد تھے ایسے لوگ قریش کی ایذارسانی سے ڈر کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے حضور جو عذرات کرتے تھے ان کو قرآن کریم ذیل کی عبارت میں پیش کرتا ہے۔ و قالوا ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا ہ (قصص ۶) یعنے یہ لوگ عذر کرتے ہیں کہ جو ہدایت تو لایا ہے اگر ہم اس کی پیروی کریں اور تیرے ساتھ شامل ہو جاویں تو (اسلام کے دشمن) ہمیں اس زمین پر سے اُچک لینگے۔

تائید آسمانی کی ایک اور علامت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ایک ایسے عیسائی بادشاہ کے ملک میں پناہ مل گئی جس نے قریش کے سفیروں کی اس درخواست کو کہ مسلمان مہاجرین کو ان کے سپرد کر دیا جائے بالکل رد کر دیا۔ اور پھر خدا کے سوا یہ کس کا کام تھا کہ حضرت نبی کریم صلعم کے قریبی رشتہ داروں کو آپ کا محافظ بنا دیا اور وہ اپنے امکان کے مطابق دشمنوں کے حملوں سے آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ خدائے تعالےٰ نے اپنی تائید کا ثبوت ایک اور طرح پر بھی دیا یعنے مدینہ میں انصار کی جماعت پیدا کر دی جو خدمت اسلام میں دل و جان سے مصروف ہو گئی۔ اور مکہ کے برادران دینی کو اپنے ہاں پناہ دی۔ یا یوں کہو کہ مدینہ والوں کے اس فعل سے قریش کا یہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔ کہ اسلام کو مکہ سے باہر نہ پھیلنے دیا جاوے۔ پھر جبکہ جلے بھنے غضب آلود قریش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے لئے اپنی تلواروں کو نیام سے باہر کیا

تو اللہ تعالے نے ان کفار کی کھینچی ہوئی تلواروں سے اپنے
نبی کو اعجازی طور پر محفوظ رکھا اور صحیح سلامت مدینہ پہنچا دیا
اگرچہ دشمنوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک
کی قیمت مقرر کی اور تیز سواروں کو آپ کی تلاش میں روانہ کیا۔ بلکہ
ایک موقعہ پر تو وہ نشان لگاتے لگاتے آں حضرت صلعم اور آپ
کے یار غار رضی اللہ عنہ کے اس قدر قریب آ گئے کہ ان کے
پاؤں دکھائی دیتے تھے۔ تاہم خدائی ہاتھ نے ان کی آنکھیں بند
کر دیں اور وہ اپنی کوششوں میں نامراد رہے۔ پھر جب دشمنوں
نے مسلمانوں پر مور و ملخ سے لشکر کے ساتھ چڑھائیاں کیں اور
ان کو تباہ کرنا چاہا اور ظاہر بیں آنکھ میں وہ ہر طرح کمزور اور بیکس
دکھائی دیتے تھے تو تائید ایزدی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔
اور قریش کو اکثر ناکام و نامراد واپس آنا پڑا۔ مقام بدر پر اللہ تعالی
نے بارش کر دی اور اس طرح سے ریت جم گئی اور مسلمانوں کے
قدم مضبوط ہو گئے اور ایک آندھی نے چل کر مخالفوں میں پریشانی
پھیلا دی اور ان کی آنکھوں کو ریت سے بھر دیا۔ پھر مدینہ میں آندھی
اور طوفان ہی کا لشکر تھا جس نے مخالفین کے جم غفیر کو شکست
دی ان کے خیمے اکھاڑ ڈالے اور ایسی گھبراہٹ پیدا کر دی کہ
ان کو راتوں رات سردی طوفان اور جاڑے کی مار کھاتے ہوئے
بھاگنا پڑا۔ پھر کوئی بتلائے کہ خدا کے سوا اور کون تھا جس نے

آں حضرت صلعم کو میدان اُحد میں بال بال بچا لیا جب کہ مکہ والوں کی تمام فوج آپ پر حملہ آور تھی اور آپ تن تنہا تیروں اور تلواروں کا نشانہ ہو رہے تھے۔ یہ ہیں تائید ایزدی کے صریح اور بدیہی نشان جس کی آنکھ ہو دیکھے۔ جس کا دل ہو غور کرے۔ ہم خدائے تعالے کو دیکھ نہیں سکتے۔ مگر ہم اس کے نشانات سے اس کے وجود کا پتہ لیتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خدائے تعالے کے مظاہر قدرت اور نشانات کی وہ کثرت پائی جاتی ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تنہا انسان کا اپنے طاقتور دشمنوں پر غلبہ اور فتح پانا سوائے خدائے تعالے کی تائید کے اور کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اور آں حضرت صلعم کی اس کامیابی اور فتح کے ساتھ اگر اس پیشگوئی کو بھی شامل کر لیا جائے جو کئی سال پیشتر اور ایسے وقت میں کی گئی تھی جب کہ دشمنوں کا پورا زور تھا۔ اور نبی کریم صلعم محض بے کس اور دشمنوں کی ہنسی کے مورد تھے۔ تو یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ ایک تن تنہا انسان کا قبل از وقت ان پیشگوئیوں کی اشاعت کرنا دشمنوں کے جوش اور غصہ کو بھڑکانا تھا۔ اور مخالفین نے اس خیال سے کہ مبادا یہ سب کچھ لفظ بہ لفظ پورا ہو جائے اسلام کا قلع قمع کرنے کے لئے وہ کئی کوششیں شروع کر دیں لیکن جائے تعجب ہے کہ جس قدر

ان لوگوں نے جان توڑ کوششیں کیں کہ یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوں اسی قدر صراحت اور بداہت کے ساتھ آئے دن یہ پیش گوئیاں پوری ہوتی رہیں۔ اور آخر کار طاقتور اور مغرور دشمنوں کو اسی بیکس داعی کے ہاتھ سے نیچا دیکھنا پڑا اور اسلام کی آخری اور پوری کامیابی نے اس پیشگوئی کی تصدیق کر دی جو کئی سال پہلے شائع ہو چکی تھی۔ قریش نے جو کچھ اس پیشگوئی کا ظہور دیکھا وہ ان کے متعلق تھا۔ لیکن اور زیادہ اس کے بعد ظہور میں آیا۔ الغرض جو کچھ خدا نے چاہا وہی ہوا اور خدائے تعالےٰ کے کام بندوں سے نہ رک سکے۔ دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ الحق کی فتح اور کفر کی ذلت ہوئی اور کسی کی کچھ پیش نہ گئی ؎

غرض رکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

اسلام کی ترقی | جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ خود دشمنوں کے حملوں کا دفعیہ کرنے میں مصروف تھے تو اسلام چپ چاپ اور سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ اس کا بہتہ بڑی بڑی جنگوں میں مسلمانوں کی آئے دن بڑھتی ہوئی تعداد سے بخوبی چلتا ہے۔ جنگ بدر جو ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی تھی۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ دوسرے سال جب مسلمانوں اور کفار کا احد کے میدان میں مقابلہ ہوا تو ان کی تعداد

تین سو منافقین کے سوا ۷۰۰ تھی۔ آئندہ سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کی فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے دوبارہ میدان بدر پر تشریف لائے تو آپ کے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے۔ مگر ایک ہی سال بعد جب عربوں کی متفقہ فوج نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو خندق کی حفاظت کے لئے تین ہزار مسلمان موجود تھے۔ اگرچہ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی کل تعداد اسی قدر تھی تاہم ان اعداد سے بڑھتی ہوئی تعداد کا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔ اس طرح باوجود جنگ کے زور شور کے جو اشاعت کا ستارہ تھا اسلام برابر ترقی کرتا گیا۔ اس بات کو میور بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ تمام لوگ اپنی رضا و رغبت سے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ محاصرہ مدینہ کے بعد کے واقعات کا تذکرہ کرتے وقت لکھتا ہے کہ نبی کریمؐ نے "تاحال لوگوں کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ کسی کو مسلمان نہ ہونے پر سزا دی تھی" لائف آف محمدؐ صفحہ ۳۱۱۔ اگرچہ میور "تاحال" کا لفظ ایزاد کرتے وقت یہ تبلانا چاہتا ہے کہ آں حضرتؐ نے بعد میں جبر سے کام لیا مگر کیا خوب ہوتا کہ میور ہی کوئی ایسی مثال پیش کرتا جہاں کسی کو آں حضرت صلعم نے اسلام لانے پر مجبور کیا ہو یا انکار پر سزا دی ہو دراصل بات یہ ہے کہ میور کا "تاحال" ایزاد کرنا اُس تعصب کا

نتیجہ ہے جو اسلام کی دشمنی کے باعث عیسائی طبیعتوں میں داخل ہو گیا ہے۔ اور جس کے باعث اگر وہ کبھی سچ بولنے پر مجبور بھی ہو جاتے تو بھی ان کے منہ سے صاف صاف کوئی کلمہ خیر نہیں نکل سکتا ورنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں کوئی بھی ایسی مثال نہیں جہاں کسی فرد یا قوم کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا ہو یا انکار پر سزا دی گئی ہو۔ اگر کوئی جبر اور سختی کا موقعہ تھا تو فتح مکہ کے بعد تھا جب آپ کے تمام دشمن مغلوب اور مطیع ہو چکے تھے مگر اس موقعہ کے متعلق بھی ہم میور کا ہی بیان پیش کرتے ہیں وہ لکھتا ہے " اگرچہ شہر مکہ نے آں حضرت کی اطاعت تو خوشی سے قبول کر لی تھی لیکن تمام باشندوں نے تا حال اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ آں حضرتؐ کے دعوائے رسالت کو تسلیم کیا تھا۔ شائد آپ کا منشا یہ تھا کہ یہاں بھی مدینہ کا سا طرز اختیار کریں اور بلا جبر و اکراہ لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل کریں" شہادت وہی ہے جو دشمن کے منہ سے نکلے۔ اب دیکھئے خود میور شہادت دیتا ہے کہ نہ مدینہ میں اور نہ فتح کے بعد مکہ میں کسی شخص کو جبراً مسلمان کیا گیا۔ مسلمانوں کے ایمان کی صداقت کے لئے یہی ایک شہادت کافی ہے کہ انہوں نے خطرناک سے خطرناک موقعہ پر آں حضرت صلعم کا ساتھ دیا۔ فتح مکہ کے بعد مکہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی نسبت میور لکھتا ہے

کہ " ان میں منافق کوئی نہیں تھا۔ بلکہ آن حضرت ؐ کی وفات پر جو بغاوت ہوئی اس میں بھی کوئی متزلزل نہیں ہوا۔ اور فتح مکہ سے دو ہفتہ کے اندر اندر ہم دو ہزار مکہ والوں کو آن حضرت کے پہلو بہ پہلو نہایت وفاداری سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں " میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان لوگوں کے لئے " بددل " یا " ناراض " کا لفظ استعمال کرتا ہے جنہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں " منافقین " کہا جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ترجمہ میں منافقین کا لفظ ہی اختیار کیا ہے۔ پس ہر ایک شخص جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا وہ میور کے اپنے الفاظ اور اس کی اپنی شہادت سے بلا جبر و اکراہ مسلمان ہوا۔ اور خلوص نیت سے مسلمان رہا کیونکہ ان لوگوں میں کوئی منافق ہی نہ تھا۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ باوجود لڑائیوں کی شدت کے اسلام کی برابر اشاعت ہوتی رہی۔ ہاں مخالفت اور لڑائیاں اسلام کی اشاعت میں سدِ راہ ضرور ہوئیں۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو ضرور بالضرور اسلام اور زیادہ سرعت سے ترقی کرتا۔ اس کے لئے ہمارے پاس یہی صریح شہادت ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کثرت سے مسلمان ہو گئے اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ اشاعت اسلام میں اگر کوئی سدِ راہ تھی تو لڑائی تھی اور جب یہ رکاوٹ

دور ہو گئی۔ تو لوگ جوق در جوق آ کر مسلمان ہونے لگے۔

مدینہ کا محاصرہ بھی بلا نتائج نہیں رہا۔ مسلمانوں کے کچل ڈالنے کے لئے مخالفین کی طرف سے یہ آخری کوشش تھی اور اس حملہ کے لئے عظیم الشان تیاریاں کی گئی تھیں۔ سب کے سب دشمن اس وقت مل کر چڑھ آئے تھے۔ چار ہزار تو قریش نبرد آزما تھے اور یہودیوں نے تمام عرب کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا تھا تاکہ اسلام کا تازہ لگا ہوا پودا جو روز بروز زیادہ سرسبز ہو رہا تھا عرب کی زمین میں نشو ونما نہ پا سکے علاوہ ازیں صحرا کے خانہ بدوش بدوؤں کے گروہ در گروہ جمع ہو گئے۔ اور کل تعداد مع قریش کے جوانوں کے دس ہزار ہو گئی تھی۔ اگرچہ اسلام کے دشمنوں نے اس طرح متفق ہو کر دین اسلام کی بنیادیں ہلا دینے کی کوشش میں بال بھر بھی فرق نہیں چھوڑا تھا۔ اور انہوں نے ایک ماہ کامل مدینہ کا محاصرہ کر رکھا۔ لیکن آسمانی لشکر ان متحدہ اور متفقہ افواج سے کہیں زیادہ زبردست تھا جس کے آتے ہی ان لوگوں کو نہایت سرگردانی سے محاصرہ اٹھانا پڑا اور اپنے اپنے گھروں کو راتوں رات سردی اور اندھیرے میں طوفان اور آندھی کے تھپیڑے کھاتے ہوئے روانہ ہونا پڑا۔ اس ناکامی اور ذلت سے مغرور دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اب یہ ناممکن تھا کہ متکبر قریش یا چالباز یہودی

مسلمانوں کی بربادی کے لئے پھر کوئی بڑی فوج جمع کر سکیں۔ اس شکست اور ذلت کے بعد یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بدّو اقوام کو اکسا کر قریش کی امداد کے لئے بلایا جائے اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ اب بدو لوگ مسلمانوں کے خلاف قریش کی امداد نہیں کرنا چاہتے تھے جیسی کہ مشہور محاصرہ مدینہ میں اُنہوں نے پہلے کی تھی۔ بلکہ اب انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں اور کفار قریش کے معاملات میں بالکل مداخلت نہ کریں اور جنگ کے نتیجہ کا صبر سے انتظار کریں۔ ان لوگوں نے خیال کیا۔ کہ کفار رشتہ دار اپنے مسلمان عزیزوں سے محض اس وجہ سے برسر پیکار ہیں کہ وہ رسول اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اس لئے انہیں باہم لڑنے دو تاکہ دیکھ لیں کہ کون فتح یاب ہوتا ہے۔ اور اگر رسول اللہ صلعم کا دعویٰ سچا ہے اور وہ درحقیقت دنیا کی اصلاح کے لئے مامور ہو کر آئے ہیں تو اللہ تعالےٰ کفار کے مقابل ان کی ضرور تائید کریگا اور پیغمبر خدا صلعم کو اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور کریگا۔

ایک دلچسپ منظر کیا یہ ایک معمولی جنگ و جدل تھا؟ نہیں نہیں یہ ایک دلچسپ واقعہ تھا۔ مکہ میں ایک خدا کا رسول صلعم پیدا ہوا اور اس نے اپنی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی مگر اس کے اپنے ہی عزیز اقربا اس کے دشمن بن گئے

اور ناکامی کے لئے ناخنوں تک زور لگایا۔ مگر وہ برابر اپنا کام کرتا گیا
اور بہت سے آدمی اس پر ایمان لے آئے۔ مگر جن لوگوں نے اس کے
دعوی کو تسلیم کیا ان پر کفار کی طرف سے وہ وہ سختیاں کی گئیں
کہ آخر وہ اپنے گھروں کو چھوڑنے اور ایک دور شہر میں اجنبی
لوگوں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اقوام عرب نے
بھی حج کے موقعہ پر اس نبی صلعم کا وعظ سنا تھا اور اس کے
نرالے وعظ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ جس استقلال
سے یہ نبی اپنا دعوی بیان کرتا رہا اور جس اخلاص سے اس کے
صحابہ نے اس کا ساتھ دیا۔ اس کو دیکھ کر اہل عرب حیران
اور متعجب تھے۔ جب اس مقدس نبی صلعم نے یہ اعلان کیا
کہ میں آخرکار کامیاب ہونگا اور میرے دشمن اگر باز نہ آئینگے
تو نیچا دیکھینگے اور مغلوب ہونگے۔ تو مکہ میں آنے والے حاجیوں
اور تاجروں نے ان باتوں کو بڑے تعجب سے سنا۔ جب
ایذا دہی آخر حد تک پہنچ گئی اور جب یہ نبی صلعم بالکل ایک
بے خان ومان انسان کی طرح ہوگیا۔ اور جب عرب کی
کوئی قوم اس کو قریش کی تعدی سے پناہ دینا منظور نہیں کرتی
تھی تو مدینہ کے بعض لوگوں نے اس کی درخواست پر پناہ دینے
کا وعدہ کرلیا۔ ۔ ۔ ۔

قریش نے مہاجرین کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالنی چاہیں

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر بھی وار کرنا چاہا مگر سب جگہ ناکام و نامراد رہے۔ تب جلے بھنے قریش نے مسلمانوں سے جنگ کر کے ان کو تباہ کرنا چاہا۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ تھا اور تمام عرب بڑے شوق سے اس کے نتیجہ کا منتظر تھا۔ ایک گمنام انسان کے ہاتھ سے مغرور اور طاقتور قریش کا مغلوب ہونا اس نظارہ میں سب سے دلچسپ امر تھا اور ابوجہل۔ عتبہ اور شیبہ جیسے مشہور قریش سرداروں کے قتل ہونے سے دشمنوں کی ذلت ہوئی اور عرب ششدر رہ گئے۔ جس اخلاص سے اس نئے نبیؐ کے صحابیوں نے اپنے آقا کے لئے لڑائیاں لڑیں اس سے لوگوں کے دل میں تشویش بھی اور تعجب بھی پیدا ہوا۔ جب قریش تنہا اسلام کو کچل نہ سکے۔ تو انہوں نے دوسری اقوام کو اکٹھا کر کے اپنے ساتھ ملا یا۔ مگر بدقسمتی سے یہ متفقہ فوجیں بھی ان کی دلی خواہش کو پورا نہ کر سکیں۔ یعنے ان سے مسلمانوں کی تباہی نہ ہو سکی بلکہ ان کو خود ناقابل بیان پریشانی سے واپس بھاگنا پڑا! اور بھاگنے والوں کا آسمان کی زبردست فوجوں نے تعاقب کیا پھر اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ قریش کے بہت سے مددگار ان سے علیحدہ ہو گئے اور باقی عربوں کے ساتھ مل کر دیکھنے لگے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور کامیابی کس کے حصہ آتی ہے حضرت نبی کریمؐ کی روزانہ فتح و نصرت سے ان لوگوں کو آپ کی مکہ والی باتیں یاد آتی تھیں جبکہ ناموافق حالات اور سخت ایذا دہی کے

زمانہ میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخر کار میں کامیاب ہونگا۔ اور اسلام کے دشمن خائب و خاسر ہونگے۔ اسی زمانہ میں آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں پہلے انبیاءؑ کی طرح ایک نبی ہوں اور میں اسی طرح کامیاب ہونگا جس طرح مجھ سے پہلے رسولؑ کامیاب ہوئے ہیں۔ اس لئے اکثر قومیں نتیجہ کا بڑے شوق سے انتظار کر رہی تھیں۔ اور آں حضرت صلعم کی روزانہ کامیابیوں سے ان کو آپؐ کی صداقت پر دن بہ دن زیادہ یقین ہوتا جاتا تھا۔

چھوٹی چھوٹی مہمیں

مگر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ عربوں کی طرف سے بالکل امن امان ہوگیا۔ چونکہ لوٹ مار کرنا ان کی طبیعت ثانی ہو رہا تھا اس لئے اگرچہ اکثر قومیں کھلم کھلا جنگ کرنے سے باز آگئی تھیں تاہم بعض افراد اور بعض قبائل محاصرہ مدینہ کے بعد بھی مسلمانوں کو تنگ کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو جنگ احزاب اور صلح حدیبیہ کے درمیان بھی چھوٹی چھوٹی مہموں پر جانا پڑا۔ لہذا یہ مناسب ہوگا کہ ان مہمات کا بھی مختصر تذکرہ کردیا جائے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ حضرت نبی کریم صلعم کو کس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس صرف دو مہموں میں تشریف لے گئے جن میں سے اول بنی لحیان یا بنی ہذیل کے مقابل تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے مقام رجیع پر

(جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) چند صحابہ رضؓ کو قتل کر دیا تھا۔ اور ایسے واقعات کے اعادہ کو روکنے کے لئے ان کی گوشمالی کرنا نہایت ضروری تھا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے جوں ہی آں حضرت صلعم کی آمد کی خبر سنی سب کے سب پہاڑیوں میں بھاگ گئے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس مقام پر ٹھیرے جہاں آپ کے صحابہؓ کو دغا بازی سے شہید کیا گیا تھا اور ان شہیدوں کے لئے اللہ تعالے کے حضور دعا مانگی۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم ایسے مجرموں کی گوشمالی کے لئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو یہ وحشی قومیں دلیر ہو جاتیں اور بڑی بڑی سختیاں کر گذرتیں۔ یہ مہم ان کو اس امر کا یقین دلانے کے لئے کافی تھی کہ آئندہ اگر وہ ایسے جرائم کے مرتکب ہونگے تو مسلمان ایسے لوگ نہیں کہ ان کو بغیر سزا کے چھوڑ دیں۔ چند ہی ایام کے بعد قوم فزارہ کا سردار عینیہ مقام الغابہ پر سے جو مدینہ سے چند ہی میل کے فاصلہ پر تھا اونٹوں کا ایک گلہ پکڑ کر لے گیا۔ ڈاکہ میں اونٹ چرانے والا تو مارا گیا اور اس کی بیوی کو ڈاکو پکڑ کر لے گئے۔ سلع کی پہاڑی پر سے ایک شخص کے پکارنے سے شہر والوں کو خبر ہوئی اور فوراً سواروں کا ایک دستہ تعاقب میں روانہ ہو گیا جن کے بعد ہی تھوڑی سی فوج لے کر رسول اللہ علیہ وسلم خود بھی روانہ ہوئے۔ کچھ اونٹ واپس کر لئے گئے اور قیدی عورت

پکڑے ہوئے اونٹوں میں سے ایک پر چڑھ کر بھاگ آئی۔
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذی قرد تک تشریف لے گئے
لیکن لٹیرے صحرا کے اندر محفوظ مقامات میں چلے جا چکے تھے
اس لئے آں حضرت صلعم مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔
ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی عینیہ تھا جس کے ساتھ آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دومتہ الجندل سے واپس آتے
وقت عہد و پیمان کیا تھا اور جس کو مدینہ کی بعض زمینوں پر اونٹ
چرانے کی اجازت دی گئی تھی۔ مگر یہ لٹیرے بد وعہد و پیمان وغیرہ
کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یہی عینیہ محاصرہ مدینہ میں کفار کی فوج کے
ساتھ بڑی جماعت سے شامل ہوا تھا۔ بلکہ ایک ہزار اونٹ
سے بھی ان کو مدد دی تھی۔ اور اب یہی شخص مسلمانوں کے اونٹوں
کا گلہ بھگا لے گیا تھا۔ قوم فزارہ ہی نے وادی القرے کے
نزدیک رہ زنی کر کے حضرت زید بن کو لوٹا تھا جب کہ وہ
شام کے سفر پر تشریف لے جا رہے تھے۔ اس لئے جب
حضرت زید بن کے زخم اچھے ہو گئے تو ان کو ایک مضبوط
فوج کے ساتھ اس ڈاکو سردار کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا
اسی وادی القری میں بنی جذام نے بھی لوٹ مار کی۔ جب
حضرت وحید رضی اللہ عنہ ملک شام سے اپنی کامیاب سفارت
کے بعد واپس آ رہے تھے تو بنی جذام نے وادی القرے میں

ان کا سب سامان لوٹ لیا۔ اس لوٹ کا حال سن کر حضرت نبی کریم صلعم نے زید بن کو لٹیروں کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت زید بن نے عدم واقفیت کے باعث بنی جذام کے ایک اور قبیلہ پر حملہ کر دیا جو کہ آں حضرت صلعم سے عہد و پیمان کر چکے تھے مگر جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو فی الفور مال غنیمت اور قیدیوں کو اس قبیلہ کے سردار کے حوالہ کر دیا۔

ملک نجد میں ابھی تک قحط تھا اور غطفان کے قبیلے اپنے علاقے سے نکل آئے تھے اور مسلمانوں کے چند اونٹ بھی اس طرف چرنے کے لئے گئے ہوئے تھے اس لئے جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ قبیلہ والے حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو آپ نے محمد ابن مسلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر ذی القصہ پر بہت سے آدمیوں نے اس کو گھیر لیا اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد محمد ابن مسلمہ کے سب ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود بھی مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو ان مجرمین کی سرکوبی کے لئے فوراً چالیس سوار روانہ کئے گئے لیکن وہ پڑوس کی پہاڑیوں میں جا چھپے۔ مسلمانوں کی اس جماعت کا سرد مہری سے شہید کر دینا اور بار بار لوٹ مار کا مرتکب ہونا ایسے امور ہیں جو مسلمانوں کے

گرد و نواح کی اقوام کے اوضاع و اطوار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کیا ان واقعات کو دیکھ کر بھی عیسائی اور ہمارے دوسرے مخالف اب بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرینگے؟ کہ مسلمانوں کو تلوار مجبوراً اٹھانی پڑی تھی (مواہب رزقانی)

حضرت نبی کریم صلعم کی رحم دلی

اگرچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجرموں کو مناسب سزائیں دیں۔ مگر آپ کا انصاف بھی رحم سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور آپ اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ حملہ آور اقوام کی گوشمالی کے لئے جو مہیں بھیجی جاتی تھیں ان میں سے ایک میں ایسا ہوا کہ بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال الحنیفی مسلمانوں کے ہاتھ پڑا۔ وہ مدینہ کو لایا گیا اور آں حضرت صلعم کی رحمدلی اور غریب نوازی سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ جب اس سردار سے پوچھا گیا کہ اب تمہارا کیا حال ہونا چاہیئے تو اس نے جواب دیا ان تقتل تقتل ذا دم و ان تنعم تنعم علی شاکر۔ یعنے اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایسے شخص کو قتل کرینگے جو مسلمانوں کے قتل کے باعث اس سزا کا مستحق ہے لیکن اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو آپ ایسے شخص پر رحم فرمائینگے جو اس کا شکر گذار ہوگا!! یہ جواب سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رہا کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن وہ بجائے اس کے کہ اپنے گھر واپس جائے ایک

باغیچہ میں گیا اور نہا کر لوٹ آیا اور اسلام قبول کر لیا اس نے حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے کہا کہ واللہ ماکان علی وجہ الارض وجہ ابغض علیّ من وجھک فقد اصبح وجھک احب الوجوہ الیّ واللہ ماکان علی وجہ الارض دین ابغض الیّ من دینک فقد اصبح دینک احب الادیان الیّ (زاد المعاد صفحہ ۳۷۷) یعنے "واللہ روئے زمین پر مجھے کسی چہرہ سے اس قدر نفرت نہ تھی جس قدر کہ آپ کے چہرہ سے تھی لیکن آج آپ کا چہرہ ہی مجھے دنیا بھر کے چہروں سے خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور واللہ مجھے کسی دین سے اس قدر نفرت نہ تھی جس قدر آپ کے دین سے تھی مگر یہی مذہب آج میرے نزدیک دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ پیارا ہے" پھر مدینہ سے وہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ گیا اور وہاں جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آیا تو بھی بے دین ہو گیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو قبول کیا ہے۔ اللہ اللہ کہاں وہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا اور کہاں اب جان نثار دوست بن گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ ملک یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچیگا۔ جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نہ ہوگا۔ سامان خورد و نوشی کی بندش سے قریش کا ناک میں دم آگیا اور انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

جن کی فیاضانہ طبیعت سے وہ واقف تھے۔ سفارش کرنے کی درخواست کی اور باوجود قریش کی مخالفت اور سخت دشمنی کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا اور آپ کی شفاعت اور سفارش سے قریش کو یمامہ کی طرف سے اناج وغیرہ کے قافلے آنے شروع ہو گئے۔ لیکن ناسپاس اور محسن کش قریش اسلام کے اب بھی ویسے ہی دشمن رہے جیسے پہلے تھے۔

کیا ہمارے مخالفین ثمامہ کی تبدیلیٔ مذہب اور آں حضرت صلعم کی فیاضی پر غور کریں گے ؟ یا بدستور ناسپاس اور محسن کش قریش کا ہی ساتھ دیں گے ؟ افسوس اسی رحیم کریم انسان کی نسبت یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ محض لوٹ کی غرض سے قریش کے قافلوں کا مزاحم ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اب کیوں قریش کی درخواست پر ثمامہ کو سفارش کرتا کہ وہ قریش کے قافلوں کی آمد و رفت کو نہ روکے اور نہ ہی قریش آپ کے پاس ایسی درخواست لاتے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کا ایک اور واقعہ بھی قابل تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ ابو العاص جس سے آں حضرت صلعم کی بیٹی زینبؓ بیاہی ہوئی تھی اور جو کہ ایک بڑا مالدار تاجر تھا وہ ابھی تک بت پرست ہی تھا اور جنگ بدر میں کفار کی طرف سے لڑتا ہوا پکڑا آیا تھا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس شرط پر

رہا کر دیا کہ زینب رض کو مدینہ بھیجدے۔ محاصرہ مدینہ کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رض کے ہاتھ پڑ گیا اور وہ اس کو مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے باعث نہ تو اسکے ساتھیوں میں سے کسی کو قتل کیا اور نہ انکو کوئی تکلیف دی بلکہ بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسکو فوراً آزاد کردیا۔ لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں آیا اور درخواست کی۔ ان کا تمام مال جوکہ دراصل قریش نے تجارت کے لئے اس کے سپرد کیا ہوا تھا واپس دلایا جائے۔ حضرت نبی کریمؐ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا اور تمام اسباب واپس کرادیا۔ خون کے پیاسے دشمنوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فیاضی سے سلوک کرنا ابوالعاص کے دل پر گھر کر گیا اور مکہ پہنچ کر اس نے تمام لوگوں کا مال اسباب انکو واپس کردیا۔ اور جب سب کچھ ادا کر چکا تو اس نے قریش سے پوچھا "اے قریش کیا تمھاری کوئی چیز ایسی باقی رہ گئی ہے جو میں نے ادا نہیں کی؟" انہوں نے جواب دیا "خدا تمہیں اجر دے ہم نے تمکو دیانتدار اور راستباز پایا ہے" اس پر ابوالعاص نے قریش کو مخاطب کرکے دوبارہ کہا "بخدا اس وقت تک مسلمان ہونے سے محض اس وجہ سے رکا رہا کہ میرے اسلام لانے سے شاید تم یہ خیال کرو کہ میں نے تمہارا مال اڑانے کے لئے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے۔ مگر اب میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی خدا کا رسول ہے"[۵]

[۵] زاد المعاد ابن قیم ؒ

یہ تھیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی فتوحات جنہوں نے ظاہری فتوحات سے بھی بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

ایک اور مہم عیسائی بدّو لٹیروں کی سرکوبی کے لئے عبدالرحمٰن کی سرکردگی سے روانہ کی گئی۔ یہ دومتہ الجندل کی طرف دوسری مہم تھی۔ اس میں جو ہدایات آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر جیش کو دی تھیں وہ قابل غور ہیں۔ اس کو حکم دیا گیا کہ پہلے اگر ممکن ہو تو ان کو صلح کی طرف بلائیں اور اگر کچھ بھی نہ بن پڑے تو پھر جنگ کریں۔ مگر کسی صورت میں دھوکہ و فریب سے کام نہ لیں۔ اور نہ بچوں وغیرہ کو قتل کریں (ابن ہشام) کیا اب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فیاضی اور رحمدلی میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امن پسندارادے۔

جب اس بات پر غور کیا جائے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اقوام عرب کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپؐ اپنی طبیعت کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے پہلا کام یہی کیا کہ کفارِ مدینہ اور گرد و نواح کی یہودی اقوام کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ کی رو سے ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور یہ بھی شرط تھی کہ امن سے زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کے لئے اچھے پڑوسی بن کر رہیں۔ پھر آپؐ نے شام کے راستہ پر رہنے والی اقوام سے

جو مدینہ کے مغرب کی طرف آباد تھیں عہد و پیمان کئے۔ پھر جب آپ غزوہ دومۃ الجندل سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں فزارہ قوم کے سردار عیینہ سے بھی ایک عہدنامہ کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے مدینہ کے شمال کی طرف رہنے والی بعض اقوام سے بھی معاہدہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جب وحیہ کو شام سے آتے وقت لوٹ لیا گیا تو پڑوس کی ایک اور قوم نے جن کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امن کا معاہدہ کیا ہوا تھا لٹیروں پر حملہ کر کے تمام مال واپس دلا دیا (دیکھو لائف میور) اور جس قوم پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غلطی سے حملہ کیا تھا۔ اور جن کا مال اور قیدی واپس کئے تھے وہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر چکے ہوئے تھے جس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔ اگرچہ عرب کی خانہ بدوش لٹیری قومیں جنگ و جدل کی اس قدر مشتاق تھیں کہ ان سے کوئی معاہدہ کرنا محال تھا۔ تاہم دیکھا جاتا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امن قائم رکھنے کے لئے جو قوم بھی رضامند ہوئی اُسی سے امن کا عہدنامہ کر لیا اور معاہدوں کی پابندی میں آپ جس قدر محتاط اور مضبوط تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب بیر معونہ کے حادثہ سے بچے ہوئے صحابی نے راستہ میں غلطی سے ایسے دو شخصوں کو قتل کر دیا جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر آئے تھے تو آپ نے اُن دونوں شخصوں کا خونبہا ادا کر دیا اور ان کا مال بھی واپس کر دیا۔ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) امن کے اس قدر خواہشمند

سکتے کہ آپ نے اسلام کے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے ان سے ناطہ رشتہ کر لینے کی بھی کوشش کی۔ اور اس طرح بنی مصطلق جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مریسیع کے مقام پر شکست بھی دی تھی آخر اپنے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہونے پر مسلمانوں کے ساتھی ہو گئے جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو مسلمانوں نے بنی مصطلق کو اپنے رشتہ دار سمجھ کر ان کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور اس بات کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ سب کے سب بطیب خاطر مسلمان ہو گئے اور اس طرح وہ قوم جو پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی اب گہری دوست اور جان نثار بن گئی (ابن ہشام) انہی صلح آمیز اغراض کو مدنظر رکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن کو دومۃ الجندل کی عیسائی قوموں کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔ تو اس کو ہدایت فرمائی تھی کہ بنی کلب کے عیسائی سردار صبغ کی لڑکی سے شادی کر لے۔

(زاد المعاد)

پھر ہجرت مدینہ کے بعد کا برس تو امن کے معاہدوں کے لئے خاص ہی شہرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسی سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور مکہ کے درمیان رہنے والی بہت سی قوموں کے ساتھ دوستانہ عہد نامے کئے تھے (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۴۰)۔

ان معاہدوں سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

طبعاً امن کے خواہاں تھے اور آپ کو جہاں کہیں لڑنا پڑا وہ مجبوراً۔ اور آپ کی رحیم کریم طبیعت کے خلاف تھا۔ ہر ایک عقلمند آدمی اس بات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزوں تھا۔ زمانہ امن میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آسانی سے وعظ فرما سکتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتے تھے۔ مگر جنگ کے وقت یہ کہاں ممکن ہو سکتا تھا۔ اگر کل دنیا بھی تلوار کے زور سے مسلمان ہو جاتی تو متکبر عرب پھر بھی کل دنیا کے بعد اسلام کے مطیع ہوتے۔ اگر عربوں کو جبراً مسلمان کرنے کے لئے تلوار اُٹھائی جاتی تو بجائے رغبت کے ان کو اسلام سے نفرت ہو جاتی اور اشاعت رُک جاتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ عربوں کو اُنکی طبیعت کے خلاف اسلام لانے پر مجبور کیا گیا وہ ان کے چال چلن اور اخلاق و عادات سے اپنی ناواقفیت ظاہر کرتا ہے اسلام ایک ایسا مذہب تھا جس کی تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق تھی اور اس کی اشاعت کا سب سے بہتر ذریعہ یہ تھا کہ لوگوں کے نور قلب اور انکی فراست سے اپیل کی جاتی اور اسلام کی خوبیاں ان کے سامنے پیش کیجاتیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مذہب کی طاقت سے واقف تھے اور آپ کو یقین تھا کہ اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپ کی کامیابی تلوار کی فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ دل وجان سے امن کے خواہاں تھے۔

صلح حدیبیہ

اب سنہ ہجری کا تو چھٹا سال ہو گیا تھا۔ مگر اس عرصۂ درازمیں قریش کی دشمنی کے باعث مہاجرین کو نہ تو اپنا وطن عزیز دیکھنا ملا اور نہ سالانہ حج کر سکے۔ اور اگرچہ قریش مجاز نہ تھے کہ کسی شخص کو خواہ وہ اُن کا دشمن ہی کیوں نہ ہو حج سے باز رکھ سکیں۔ تاہم ان لات ومنات کے پُجاریوں سے نے خدائے واحد کے ماننے والے مسلمانوں کو اس قاعدے سے بھی مستثنےٰ کر دیا۔ اور بیت الحرام کی مقدس ومبارک چار دیواری کے طواف سے ان کو محروم رکھا۔ مکہ سے ہجرت کر جانے کے چھ سال بعد حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے رویا میں دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ رضؓ امن امان سے عمرہ کے فرائض ادا کر رہے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ رؤیا اپنے صحابہ رضؓ کو سنا دیا اور ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اگر یہ رویا کل پورا ہونے والا ہے تو آج ہی ہو جائے۔ اب ذو القعد کا مقدس مہینہ آنے والا تھا اور عرب کے رواج کے مطابق اس ماہ کے اندر ملک بھر میں عموماً حدود حرم میں خصوصاً جنگ وجدل کی قطعی ممانعت تھی۔ علاوہ ازیں دشمن اقوام کے ساتھ مٹھ بھیڑ ہو جانے کا اس ماہ میں چنداں اندیشہ نہیں تھا۔ البتہ اگر زیادہ خوف ہو سکتا تھا تو آیندہ مہینے میں حج کے موقعہ پر تھا۔ پس ان امن پسند ارادوں کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ رضؓ کو ہمراہ لیکر عمرہ کرنے کے لئے مکہ کو روانہ ہوئے۔ ان سب نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اور ان کے پاس صرف وہی ہتھیار تھے جن کی رواجاً اجازت تھی یعنے

اول تلوار جو میان میں ہو۔ دوئم کمان اور سوئم ترکش۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بہت دور نہیں گئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے بیوی بچوں سمیت مدینہ کی سڑک پر ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہوتا دیکھنے کے بجائے مرنا پسند کرتے ہیں اور ان کے جنگی مردوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ درندوں کی طرح لڑیں گے اور جب تک دم میں دم ہے منہ نہیں پھیریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سُن کر اپنے صحابہ رضہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے یک زباں ہو کر کہا کہ "ہم تو عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں نہ کہ کسی سے جنگ کرنے کے لئے۔ ہاں اگر کوئی ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکے گا تو ہم اُس سے لڑیں گے"۔ پس جنگ سے بچنے کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے دائیں طرف ہو لئے اور بڑی سخت کوچ کے بعد پگ ڈنڈیوں میں سے ہوتے ہوئے حدیبیہ پُہنچے۔ یہ مقام مکہ کی سرزمین کی سرحد پر تھا یہاں پُہنچ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس کا نام القصوا تھا ٹھہر گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ "القصوا تھک گئی ہے"۔ مگر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "یہ تھکی نہیں بلکہ اس کو وہی ہاتھ روک رہا ہے جس نے اصحاب الفیل کو روکا تھا"۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ کے دوسرے مسلمان سب کے

سب حدیبیہ میں اُتر پڑے۔ اور اب قریش اور آپؐ کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوا۔ قریش نے یکے بعد دیگرے یہ پیام بھیجا کہ "ہم لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں" قریش نے جو سفیر بھیجے تھے ان میں طائف کا ایک سردار عروہ نام بھی تھا۔ اس شخص نے آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "قریش جامے سے باہر ہو رہے ہیں اور وہ تمہاری اس آوارہ جماعت کو شہر کے نزدیک تک بھی نہیں پہنچنے دینگے اور واللہ مجھے تو دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب لوگ تیرا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائینگے" یہ سُن کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور بڑے جوش سے اسکا جواب دیا۔ پھر جب عروہ نے اثنائے گفتگو میں ایک دفعہ اپنی عادت کے موافق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جو پاس کھڑے تھے فوراً اُسکا ہاتھ ٹھکوکر پیچھے ہٹا دیا اور سختی سے کہا "خبردار! اپنا ہاتھ پیغمبرؐ خدا سے دور رکھو" صحابہ رضؓ کی اس غیرت اور اپنے آقا و مولیٰ کے ساتھ سچی اُلفت کا یہ اثر ہوا کہ اس عربی سردار نے قریش کے پاس واپس جاکر کہا "میں نے کسریٰ قیصر اور نجاشی شاہ حبش کو دیکھا ہے اور انکی شاہانہ تزک و احتشام کا ملاحظہ کیا ہے مگر میں نے کسی بادشاہ کی رعایا میں اپنے فرمانروا کی وہ اطاعت اور عزت نہیں دیکھی جسقدر مسلمانوں کے نزدیک انکے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے"! غرض ان سب سفیروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی جواب دیا۔ وہ یہ کہ "طواف مکہ کے سوا ہماری کوئی اور غرض مطلقاً نہیں ہے" ان سفیروں کو مسلمانوں کے پاک اغراض کا کامل یقین ہوگیا اور اسی لئے انہوں نے واپس جاکر قریش کو بھی

یقین دلانا چاہا اور مسلمانوں کے مقابلہ سے روکنا چاہا مگر انہوں نے کوئی بات نہ سنی بلکہ یہ جواب دیا کہ "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسکے پیروؤں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیکر اہل عرب کی نظروں میں ذلیل اور حقیر نہیں ہونا چاہتے"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لئے اپنے خاص بھی قریش کے پاس بھیجے جن میں سے پہلا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار ہوکر گیا۔ ظالم قریش نے اس پیام امن کا جواب یہ دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور سفیر کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے اور قریب تھا کہ اُسے شہید ہی کر دیتے۔ جبکہ بدوؤں نے مداخلت کرکے چھڑا دیا۔ اللہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بھی کیا ہی رحم مجسم تھی کہ باوجود قریش کی اس ظالمانہ حرکت کے آپ نے دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لئے ایلچی بناکر انکے پاس بھیجدیا۔ چونکہ قریش کے درمیان حضرت عثمان رض کے اکثر ذوی اشرہ رشتہ دار موجود تھے اسلئے انکی زندگی زیادہ خطرہ میں نہیں ہوسکتی تھی۔ پس حضرت عثمان رض براہِ راست سرداران مکہ کے پاس گئے اور انسے کہا "ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت اور اسکی تعظیم و تکریم کرنیکے لئے آئے ہیں اور ہمارے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں انکو قربان کرکے ہم امن و خوشی سے روانہ ہوجائینگے"۔ اس دوسرے پیام کا جواب بھی قریش کی طرف سے یہی ملا کہ "ہم نے تو محمد (صلعم) کو کعبہ کی چار دیواری میں داخل ہونیسے روکنے کی قسم کھائی ہوئی ہے"۔ ایک طرف تو یہ نامہ و پیام ہو رہا تھا مگر دوسری طرف انہوں نے اسّی آدمیوں کے ایک دستہ کو اِس بات پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے اِردگِرد منڈلائیں اور اگر کوئی مسلمان ہاتھ لگ جائے تو اسکا کام

تمام کردیں۔ پھر یہ لوگ تو یہاں تک بڑھ گئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پتھر اور تیر برسانے لگے۔ مگر آخر کار گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کے حضور پیش کئے گئے اور آپؐ نے حسب عادت انکو معاف کر دیا اور واپس چلے جانیکی اجازت فرما دی سُبحان اللہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والتکریم بھی کیا رحیم کریم اور رحمۃٌ للعالمین تھے کہ پتھروں اور تیروں کا جواب رحم اور عفو سے دیتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گئے ہوئے جب بہت دیر ہو گئی اور مسلمانوں کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا آپؓ کو شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور تمام صحابہؓ نے آپ کے گرد حلقہ باندھ لیا اور آپکے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ ہم موت تک آپ کا ساتھ دینگے۔ اسکو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس واقعہ کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ میں اشارہ فرماتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جس وقت کہ بیعت کرتے تھے تجھ سے درخت کے نیچے۔ پس اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو کچھ ان کے دل میں تھا اور ان کے اخلاص کو دیکھکر خدا نے انپر سکینت نازل فرمائی (فتح - ۳) بارے حضرت عثمانؓ کے صحیح سلامت واپس آجانے سے مسلمانوں کو جو کھٹکا انکی جان کی نسبت لگا ہوا تھا وہ دور ہو گیا۔

پیارے ناظرین! خدا کے مامورین کے ساتھ تائید غیبی ہمیشہ اور ہر حالت میں عجیب عجیب انداز سے ہوا کرتی ہے اور یہی ان کی سچائی کا بڑا نشان ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے ارادوں کو

پورا کرنیکے لئے اپنے فرشتوں کی فوجیں بھیجتا ہے جو دلوں کو تسخیر کرلیتی ہیں اور
اور جس طرح وہ چاہتے ہیں عموماً وہی ہوتا ہے اور دنیا اور دین میں ہمیشہ بامراد ہوتے
ہیں۔اب دیکھئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح چاہتے ہیں اور قریش جنگ وہ
پیام صلح دیتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے قتل اور خود آنحضرت پر پتھر اور تیر برسانے کے
لئے اسی آدمیوں کا ایک دستہ بھیجتے ہیں۔آخر وہی ہوتا ہے جو خدا کا رسول چاہتا
ہے اور اسکی کیفیت یہ ہے کہ قریش کے سفیروں میں نواح مکہ کا ایک بدو سردار بھی
تھا۔اسکو بھی دوسرے سفیروں کی طرح مسلمانوں کے امن پسندارادوں اور صدق و
صفائی کا کامل یقین ہوگیا۔چنانچہ اسنے واپس آکر قریش سے کہا کہ مسلمانوں کو
عمرہ کرنے سے نہ روکیں۔اس بدو سردار کے قول کا قریش پر کچھ اثر نہ ہوا۔وہ
باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں کا ارادہ نیک ہے برابر اپنی ہی ہٹ پر مصر
رہے۔بدو سردار یہ دیکھ کر برافروختہ ہوگیا اور قسم کھائی کہ اگر قریش نے اب
بھی آنحضرت صلعم کو زیارت کعبہ سے باز رکھا تو میں اپنے بدوؤں سمیت ان کا
ساتھ چھوڑ دونگا۔اس دھمکی سے قریش کو کسیقدر ہوش آگیا۔انکے غضب کی
آگ دھیمی ہوگئی اور اس بدوی سردار سے کہنے لگے کہ "تم اسوقت تک
انتظار کرو جبتک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مناسب عہد وپیمان کرلیں"۔پھر انہوں
نے اپنے ایک سردار سہیل نام کو حضرت نبی کریم صلعم سے عہد وپیمان کرنیکے لئے بھیجدیا
حضرت نبی کریم صلعم تو پہلے ہی صلح صفائی کے ارادوں سے آئے تھے اور اللہ تعالی
نے آپ ہی کے ارادہ کو پورا کرنے کی خاطر قریش کو صلح کی تجویز کرنے پر مجبور کیا تھا جو
آنحضرت صلعم اس بات کے لئے بالکل تیار تھے کہ جسطرح ہو سکے صلح صفائی کرلیں اس لئے

آپ نے تمام شرائط کو تسلیم کر لیا جو قریش کے قائم مقام نے حضور کے سامنے پیش کیں پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عہدنامہ لکھنے کا ارشاد فرمایا اور خود لکھانا شروع کیا۔ ابھی حضور صلعم نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہی لکھا یا تھا کہ سہیل بول اٹھا کہ "ٹھہرو اللہ کا نام تو ہم جانتے ہیں۔ مگر ان نئے ناموں یعنی رحمن وغیرہ سے ہم ناآشنا ہیں آپ اسی طرح لکھیں جس طرح ہم ہمیشہ کہتے ہیں "بسمک اللہ" حضرت نبی کریم نے اس بات کو مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح سہی اور پھر لکھانا شروع کیا۔ "بسمک اللھم یہ شرائط صلح مابین محمد رسول اللہ اور...." اب یہاں پر سہیل نے پھر روکدیا اور کہا اگر ہم تمہارے دعوی رسالت کو تسلیم کر لیتے تو پھر تم کو کعبہ سے کیوں روکتے اور تم سے لڑائی کیوں کرتے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے اور بس۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح لکھئے۔

"یہ شرائط صلح مابین محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمر کے قرار پائے ہیں۔ اور جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرفدار ہونا چاہے وہ ایسا کرنے میں آزاد ہوگا اور جو شخص قریش کا طرفدار ہونا چاہے اُسے بھی آزادی ہوگی اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف جائیگا تو اسکو واپس کرنا پڑیگا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کی طرف چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائیگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو امسال شہر میں داخل ہونے کے بغیر ہی لوٹنا ہوگا اور آئیندہ سال اسکو مع متبعین کے مکہ میں آنے اور تین روز تک ٹھہرنے کی اجازت ہوگی اور اس تین یوم کے عرصہ میں قریش شہر کو مسلمانوں کے لئے خالی کر دینگے۔ لیکن یہ اجازت نہوگی۔ کہ مسلمان اپنے ساتھ کوئی ایسا ہتھیار لائیں جسکی حجاج کو ممانعت ہو یعنی سوائے ایسی تلوار کے جو میان میں ہو اور کسی

قسم کے آلہ حرب کی اجازت نہو گی"؛ اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط ثبت ہو گئے اور اصلی عہدنامہ تو آنحضرت صلعم کے پاس رہا۔ مگر اسکی ایک نقل قریش کو دیدی گئی ؎ مومنین کے لئے ابتلا | اس عہدنامہ کے شرائط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضہ کو کمال درجہ کا رنج ہوا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایسی شرائط قرار پا جانا پرلے درجہ کی ہتک تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ مگر ان سے ضبط نہو سکا اور حضرت نبی کریم صلعم کو بدیں الفاظ مخاطب کیا۔ "یا رسول اللہ! کیا آپ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم راستی پر نہیں ہیں؟۔ اور کیا ہمارے دشمن گمراہ اور غلطی پر نہیں؟"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جواب میں فرمایا "بیشک میں خدا کا رسول ہوں۔ ہم راستی پر ہیں اور ہمارے دشمن غلطی پر ہیں۔ میرا مولا اکیلا ہی میری مدد کریگا اور مجھے تنہا نہیں چھوڑیگا میں اسکی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں"۔

غرض صحابہ کرام رضہ کو اس قدر غم تھا کہ جب آنحضرت صلعم نے انکو اپنے جانور ذبح کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا تو اس رسم کے ادا کرنے کے لئے بھی کوئی نہ اٹھا۔ ان سب کی تو شرم کے مارے جان ٹوٹ رہی تھی۔ اور جبتک حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے حکم کا تین دفعہ اعادہ نہ کیا اور خود جانور ذبح کرنے اور حجامت بنوانے کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوئے اسوقت تک کوئی صحابی نہ اٹھا۔ وہ رنج والم میں اسقدر منہمک تھے کہ حجامتیں بنانے وقت قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے۔ (زاد المعاد)۔

ناظرین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ کسقدر امن کے خواہاں تھے کہ محض صلح کی خاطر اس امر کی بھی پرواہ نہیں کی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ناراض ہوتے ہیں۔ اور جب دشمن صلح کی تجویز پیش کرتا ہے تو محض صلح کی خاطر اسکی ہر ایک پیش کردہ

شرائط کو قبول کرنیکیلئے تیار ہیں اگرچہ وہ شرائط بظاہر اپنے اندر ایک ہتک کا رنگ رکھتی ہیں یہاں تک کہ صحابہ رضؓ بھی ابتلا میں آ گئے۔

یہاں پر شاید کسی کو یہ خیال آ جائے کہ قریش سے ڈر کر ان شرائط پر صلح کر لی گئی ہو گی۔ اس لئے ہم قریش کی اصل طاقت کا اس جگہ اظہار کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہو گا کہ بدّو سردار یلنے سفارت سے لوٹ کر قریش کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم اب بھی مسلمانوں کو روکو گے تو میں اپنے آدمیوں کو لیکر تم سے علیحدہ ہو جاؤنگا اور اس دھمکی کا ہی نتیجہ تھا کہ قریش صلح کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر قریش میں یہ طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے۔ اب قریش کی طاقت پیشتر کی نسبت بہت کمزور ہو چکی تھی اور وہ اپنے مددگاروں پر ایسا بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ غزوہ خندق سے پہلے ان کو بھروسہ تھا۔ اسلئے انکو سوائے صلح کے کوئی چارہ نہ تھا برعکس اسکے مسلمان اس بات پر آمادہ تھے کہ اگر قریش انکو کعبہ کی زیارت سے روکنے پر مصر رہے تو جنگ کرینگے۔ اور ایسی صلح کا دن انکے لئے ماتم کا دن تھا مگر باوجود ان سب باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح ہی کر لی۔ کیونکہ آپ کی جو مقدم غرض تھی وہ اشاعت اسلام تھی۔ اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جس سرعت سے اسلام امن کے زمانہ میں ترقی کرتا تھا جنگ کے وقت ایسی تیزی سے ترقی نہیں کرتا تھا۔ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ کے سوالات کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور میرا مولا ہی میرا واحد مددگار ہے وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا۔ اور میں تو اسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔"

اس جواب سے بھی آپ صحابہ کرام رضؓ کو یہ اطلاع دینا چاہتے تھے۔ کہ اگر تم سب لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دو گے۔ تو بھی میرا رائی برابر نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میرا مولا جس کے ارادوں کے ماتحت میں نے صلح کی ہے وہی میری مدد کریگا۔ صحابہ رضؓ کے لئے یہ موقعہ بڑے ابتلا کا تھا اور اگر ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر زبردست ایمان نہ ہوتا تو ایسے موقعہ پر وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اگر ان کو اس نازک موقعہ پر کسی چیز نے سہارا دیا تو محض ان کا پختہ ایمان تھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شکایت جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کی تو آخرالذکر نے یہ جواب دیا " یا عمر الزم غرزہٗ فانی اشھد انہ رسول اللہ " یعنے اسکی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) رکاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے " پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا پورا یقین ہی تھا جس نے ان تمام خیالات کو دبا دیا جو کہ اس عہدنامہ کے باعث صحابہ رضؓ کے دلوں میں بار بار اُٹھتے تھے۔ گو اس عہدنامہ سے ظاہرًا ہتک نظر آ رہی تھی تاہم وہ لوگ برابر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ ان کے ایمان میں کوئی لغزش نہ آئی۔

جو ابتلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کو پیش آیا وہ ایسا تھا کہ عربوں کی برداشت سے بالاتر تھا دشمن کی آنکھ میں ذلیل ہونے کی نسبت مرجانا ان کے نزدیک زیادہ آسان اور سہل بات تھی۔ وہ کعبہ کی زیارت سے روکے گئے

اس لمبے سفر کا جو مدعا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔ اور مزید برآں انہوں نے اپنی آنکھوں سے دشمنوں کے ساتھ ایسا معاہدہ ہوتے دیکھا جو ان کی نظر میں قابل شرم تھا۔ تاہم اس ظاہری ہتک اور تکلیف سے ان کے ایمان میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے نفس کو وہی لفظ سنائے جو ابو بکر صدیق رضؓ نے حضرت فاروق رضؓ سے کہے تھے۔ یعنے اُس کے رکاب کو مضبوط پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے! سبحان اللہ۔ صحابہ کرام رضؓ کا بھی کیا ہی ایمان تھا اور کیسے پاکباز لوگ تھے کہ کوئی ابتلا کوئی ذلت اور تکلیف ان کے ایمان کو جنبش نہیں دے سکتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جیسا کامل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا ویسے ہی کامل صحابی رضی اللہ عنہم تھے دوسرے انبیا علیہم السلام کی زندگی میں یہ نمونے اور مثالیں مفقود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جبر اور زیادتی کا الزام دینے والوں کے گھر کا حال دیکھیں تو خیر سے کل بارہ ۱۲ حواری اور انہوں نے بھی مصیبت کے وقت اپنے خداوند کی بات نہ پوچھی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک ثبوت

اس عہدنامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی مکار شخص ہوتا تو اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے پیرووں کی خواہشات پر چلتا اور ایسا راہ اختیار نہ کرتا جس سے اس کی تمام جماعت کے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا اور عمر بھر کی کمائی ایک ہی دن میں برباد ہو جاتی

یہ یقینی بات ہے کہ اگر کوئی جھوٹا دعویدار ایسا اپنے مریدین کے خلاف منشا کرتا تو اس کی تمام جماعت فوراً اسی جگہ اس کا ساتھ ترک کر دیتی۔ جھوٹے انسان میں یہ جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے متبعین کی متحدہ خواہش کے خلاف ہو کر ایسا کام کر گذرے جو ان کی عزت پر حرف لائے۔ اس معاہدہ کی شرائط مسلمانوں کو نامناسب ہی نہیں بلکہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے بظاہر خلاف شان بھی معلوم ہوئیں لیکن آں حضرت نبی کریم صلعم نے صحابہ کی خواہشات کا ذرہ بھر بھی خیال نہ فرمایا اور نہ ہی اس بات کی پروا کی کہ وہ لوگ آپ کے اس فعل کی نسبت کیا کہینگے۔ بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہی کیا جو اللہ تعالے نے آپ کے دل میں ڈالا اور جس کی نسبت آپ کو یقین تھا کہ یہی خدا تعالے کی رضا کی راہ ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم کو محض اللہ تعالے کی خوشنودی مدنظر تھی اور اس کو خوش کرنے کے لئے آپ کو نہ کسی کی ناراضگی کا خوف تھا اور نہ ہی کسی کے قطع تعلق کر لینے کا ڈر تھا۔ اور جو الفاظ آپ نے صحابہ کے سوالوں کا جواب دیتے وقت فرمائے تھے وہ صرف ایسے ہی منہ سے نکل سکتے تھے جس کا محض اللہ کی ذات پر بھروسہ ہو اور وہ کسی انسانی امداد پر اپنی کامیابی کا انحصار نہ سمجھتا ہو۔ ناظرین! کسی جھوٹے دعویدار کا یہ حوصلہ کہاں ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے جو اس کے ظاہر و پوشیدہ حالات سے کما حقہ واقف ہوں یہ الفاظ کہے۔ کہ

"میں اللہ کا رسول ہوں" پھر ایک مکار اور جھوٹے شخص کو یہ جرات کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے خاص الخاص ساتھیوں کو عین ابتلا کے وقت جب کہ اُن کے دلوں میں مختلف خیالات کا اتار چڑھاؤ موجیں مار رہا ہو یہ الفاظ کہنے کہ "وہی مولا میرا واحد مددگار ہے۔ اور (تم خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ) وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" (زاد المعاد) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہہ فرما دیا تھا کہ "میں ایسا کرنے میں اپنے مولا کی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں"، اس کا باعث خدائے تعالے کا مفصلہ ذیل صریح حکم تھا چنانچہ خدائے تعالے فرماتا ہے "وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝" اور اگر وہ (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالے پر بھروسہ رکھ (یعنی اس بات کا خوف نہ کر کہ شاید صلح کر کے دشمن تجھے دھوکہ دیدے) بالتحقیق خدا تعالے سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر دشمن تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو تحقیق اللہ تعالے تیرے لئے کافی ہے۔ وہی اللہ جس نے اپنی نصرت سے تیری مدد کی اور مومنوں کی ایک جماعت تجھے دیکر تیری تائید کی (انفال ۔ ۸)

اب ایک طرف تو قریش کی طاقت اور ان کا جتھا بہت کمزور ہو چکا تھا

اور اس لیئے وہ صلح پر رضامند ہوگئے تھے اور دوسری آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی درخواست مان لینے کا الہی ارشاد تھا اس لیئے آں حضرت صلعم نے ان کی تجویز کردہ شرائط کو ہی منظور فرمالیا اور یہ محض اس وجہ سے کہ ارشاد الہی کی تعمیل ہوجائے۔ اگر اس وقت دشمن کی پیش کردہ شرائط کو نہ مانا جاتا تو وہ صلح پر رضامند نہ ہوتے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے اس لیئے آپ نے صلح کرنے کی خاطر ہر ایک شرط کو قبول کرلیا آں حضرت صلعم کی نظر میں صلح سے بڑھ کر کوئی اور قیمتی بات نہ تھی اور اس امن کے مقابل وہ نقصانات بالکل ہیچ تھے جن کے امکان کا احتمال دشمن کی تجویز کردہ شرائط کے منظور کرلینے پر تھا۔ پس صلح حدیبیہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم امن پسند طبیعت رکھتے تھے اور یہ کہ آپ اپنے دعوی میں صادق تھے۔ مزید برآں آپ کو اللہ تعالے کی ذات پر کامل اور پورا بھروسہ تھا آپ نے گھبرا کر مسیح کی طرح یہ نہیں کہا ایلی۔ ایلی لما سبقتنی بلکہ ہر دفعہ یہی فرمایا "میرا مولا ہی میرا اکیلا مددگار ہے اور وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا"۔ اس مقابلہ اور موازنہ پر دل ہاتھوں اچھلتا ہے اور بے اختیار منہ سے نکلتا ہے "ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔"

قریش کی زیادتی کا ثبوت صلح حدیبیہ کے واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ قریش کی طرف سے ہی ابتدائے جنگ ہوئی تھی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قریش کے وکیل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ و اللہ لو کنا نعلم انک رسول اللہ ما صددنک عن البیت وما قتلناک (زاد المعاد) "اللہ کی قسم اگر ہم تمہارے دعوائے نبوت کو مانتے تو ہم تم کو خانۂ کعبہ کی زیارت سے کیوں روکتے اور تم سے کیوں جنگ کرتے" اب ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بانی مبانی قریش ہی تھے اور ان کا آں حضرت صلعم سے برسر پیکار رہنے کا سبب محض یہ تھا کہ آپ (صلعم) نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ یا یوں کہو کہ قریش آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سبب سے نہیں لڑے کہ آپ نے ان کے خلاف تلوار اٹھانے میں ابتدا کی جیسا کہ ہمارے معترضین کا خیال ہے بلکہ وہ اس وجہ سے برسر پرخاش ہوئے تھے کہ ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی سے نفرت تھی اور وہ آپؐ اور آپ کے پیروؤں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اس میں وہ ٹھیک اُن لوگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے جنہوں نے پہلے انبیاء ع کی مخالفت کی تھی۔ ہاں فرق تھا تو یہ کہ جس طرح قریش کا نبیؐ سب نبیوں ع سے افضل اور برتر تھا اسی طرح ان کی دشمنی اور مخالفت بھی اپنی نظیر آپ تھی۔ ہجرت کے بعد جو جنگ شروع ہوا وہ اسی مخالفت کے تسلسل میں تھا یعنے اسی عداوت کا ایک حصہ تھا جو ہجرت سے پیشتر جاری تھی اور اس کے لئے کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ اصل موجب وہی ایک تھا جس کے باعث مکہ میں مسلمانوں کو تکلیف اور دکھ پہنچایا جاتا تھا

اگر مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی سے قریش کی غرض اسلام کی بیخ کنی کے سوا کوئی اور نہ تھی تو اب مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ لینے کے بعد جو انہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اٹھائے تھے اس کی غرض بھی سوائے اسلام کی بیخ کنی کے اور کچھ نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ موجودہ جنگ اسی دشمنی اور ایذا دہی کے سلسلہ میں تھی جس کا آغاز مکہ میں ہی ہو چکا تھا۔ قریش کے وکیل سہیل نے عہد نامہ کی شرائط طے کرنے کے وقت مسلمانوں کو زیارت کعبہ سے روکنے اور ان سے جنگ کرنے کا جو باعث بیان کیا وہ صرف ایک ہی تبلایا یعنے آں حضرت صلعم کا دعوے نبوت۔ پس اگر قریش مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روکنے میں راستی پر تھے تو مسلمانوں سے ان کا جنگ بھی راستی پر مبنی کہا جا سکتا ہے لیکن اگر ایک فعل انصاف سے بعید ہے تو دوسرے کے غیر منصفانہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے ہمیں کوئی افسوس ہے تو یہ کہ قریش خود تو اپنی ایذا دہی کا سبب اسلام سے عداوت بتلائیں مگر مدعی سست گواہ چست کے مصداق بن کر ہمارے عیسائی معترضین قریش کو حفاظت ذاتی کے لئے لڑنے والے ظاہر کرتے ہیں۔ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ہر ایک لڑائی میں جو قریش اور مسلمانوں کے مابین ہوئی حضرت نبی کریم صلعم ہمیشہ دشمنوں کی زیادتی کے شاکی رہے بدر۔ احد۔ اور محاصرہ مدینہ کے موقعوں پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیالات کا جن درد انگیز اور موثر الفاظ میں اظہار فرمایا ان سے قریش کے جبر اور زیادتی کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً بدر کے موقعہ پر

جب سرداران قریش کی مردہ لاشوں پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپ نے فرمایا "بئس عشیرۃ النبي کنتم لنبیکم کذبتمونی و صدقنی الناس و اخرجتمونی و آوانی الناس و قاتلتمونی و نصرانی الناس (ابن ہشام) " تم اپنے نبی ؐ کے بُرے رشتہ دار تھے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیروں نے میری تصدیق کی تم نے مجھے نکالا اور دوسروں نے مجھے جگہ دی تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور دوسروں نے آکر میری مدد کی "

پس قریش اور آں حضرت ؐ کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی اور یہ کہ قریش محض اسلام کی عداوت کے باعث جنگ کرتے تھے۔ لیکن ہمارے آج کل کے مسیحی معترضین کو ان باتوں کے جاننے کا دعوی ہے جن کا علم نہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور نہ ہی قریش کو ان کی کچھ خبر تھی اور جنگ کے وہ وہ اسباب گھڑتے ہیں جو قریش کے خواب میں بھی نہ آئے ہونگے۔

قریش نے صلح کیوں کر لی

اب قریش نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی جماعت خاصی طاقتور ہے اور ان کا قلع قمع کر دینا اب ان کی طاقت سے باہر ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے برباد کرنے کی کوشش میں ناخنوں تک زور لگایا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہے۔ جب مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے تو انہوں نے بدر کے مقام پر مکہ کی فوج سے ہی ان کو کچل ڈالنا چاہا تھا۔ مگر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی

اور فوج مکہ سے قریش کا مدعا پورا ہونا محال ہوگیا تو انہوں نے ایک تو اپنے مددگار بلا لئے اور دوم صحرائی قبائل سے مدد مانگی اور اس بڑی فوج کے ساتھ مسلمان مہاجرین کو نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ان کی یہ کوشش بھی خاک میں مل گئی اور اب وہ اسلام کا خاتمہ کر دینے سے مایوس ہو گئے۔ مگر ان کا تکبر و غرور تا حال پورے طور سے نہیں ٹوٹا تھا اس لئے جب مسلمان عمرہ کرنے کے لئے مکہ کو گئے تو انہوں نے قرب و جوار کے بدووں کی امداد سے ان کو روک دیا۔ اور کہا کہ ہم مسلمانوں کو بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہونے کا موقع دے کر عربوں کی نظر میں ذلیل نہیں ہونا چاہتے۔ دراصل اب وہ اسلام کی روزانہ کامیابی اور اپنی طاقت کے تنزل سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ مسلمان ہمیشہ کے لئے کعبہ کی زیارت سے روکے نہیں رہ سکتے اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اب کے سال تو واپس ہو جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ خیال رہے کہ قریش اب مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور صلح کا عہد نامہ کر لیا۔ مگر اس عہد نامہ سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی غرض ہمیشہ یہی تھی کہ اسلام کی اشاعت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے جو شرائط صلح کیں۔ ان میں یہ بھی شرط تھی کہ "اگر کوئی قریش مسلمان ہو جائے تو اس کو واپس کر دینا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جا ملے تو اس کو واپس نہ کیا جائیگا"۔ ایسی شرائط کرنے سے ان کا صاف یہ منشا تھا۔ کہ نو عمر لوگ مسلمان ہونے سے رک جائیں

اس طرح اگرچہ وہ برائے نام صلح کا معاہدہ کر رہے تھے۔ مگر انہوں نے اسلام کی دشمنی کو تا حال اپنے سے جدا نہیں کیا تھا۔ بے شک اب ان کی طاقت کمزور ہو گئی تھی۔ مگر جس بات کو وہ اب زور اور طاقت سے حاصل نہیں کر سکتے تھے اس کے حصول کے لئے اب انہوں نے امن اور صلح کا بھیس بدل لیا تھا۔ اگرچہ ان کی کمزوری نے ان کو ظاہراً صلح کر لینے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ دل میں اسلام کے برابر ایسے دشمن تھے جیسا کہ پہلے تھے۔

لوگوں کا برضا و رغبت اسلام لانا

صلح حدیبیہ کی شرائط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کرنے کے لئے کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ نے لوگوں کو جبراً مسلمان کیا ہوتا تو اب چاہیے تھا کہ سہیل کی پیش کردہ تجاویز کو نہ مانتے کیونکہ عہدنامہ کی رو سے ہر شخص کو اجازت تھی کہ مرتد ہو کر قریش سے جا ملے۔ ایسے شخص کو قریش کے ہاں امن بھی ملتا اور پھر مسلمان اس کو معاہدہ کے رو سے واپس بھی نہیں لے سکتے تھے۔ پس اگر کسی شخص کو جبراً مسلمان کیا ہوتا تو اس کے لئے یہ نہایت ہی عمدہ موقعہ تھا کہ اپنے پرانے مذہب کی طرف دوبارہ رجوع کر لیتا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جبراً مسلمان کرنے کے لئے جنگ کیا تھا تو اب تو کوئی جنگ بھی نہ تھا اور نہ کوئی اور ان کو اپنے پرانے مذہب میں واپس جانے سے روک سکتا تھا۔ پھر اگر جبر کی مضبوط زنجیر سے ان کو اسلام کے ساتھ جکڑا گیا تھا تو اب یہ زنجیر بھی کھول دی گئی تھی اور ان کے لئے عمدہ موقع تھا کہ

اسلام سے ارتداد کر کے فوراً اپنے آبا و اجداد کے مذہب میں شامل ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں کی ترقی محض لڑائی کے باعث ہی ہوئی ہوتی تو اب جبکہ آں حضرت صلعم اور آپ کے جانی دشمنوں کے درمیان صلح ہو چکی تھی ضرور مسلمانوں کی تعداد کم ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی برعکس اس کے اسلام نے بڑی سرعت سے ترقی کرنی شروع کر دی اور اس طرح اس امر کی سچائی پر مہر لگا دی کہ اسلام کی اشاعت کے لئے لڑائی ہی ایک رکاوٹ تھی۔ اور جب یہ سدِ راہ دور ہو گئی تو لوگوں نے جوق در جوق مسلمان ہونا شروع کر دیا۔

قریش کے مظالم کا ایک ثبوت

اس صلح کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی قریش کی طرف سے تھی۔ نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے۔ آپ دیکھئے صلح ہو جانے کے بعد ہی قریش کی طرف سے مرد اور عورتوں نے آ آ کر مسلمان ہونا شروع کر دیا مگر مسلمانوں کا ایک متنفس بھی قریش کی طرف واپس نہیں ہوا۔ یہ واقعہ اس امر میں ذرہ بھی شک و شبہ نہیں چھوڑتا۔ کہ ظلم کا ارتکاب ہمیشہ قریش کی طرف سے ہی ہوتا رہا۔ اور جنگ و جدل سے ان کی غرض محض اشاعت اسلام میں روک ڈالنا تھا۔ کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی جب کہ لڑائی فسا د بند ہو گیا اور اسلام لانے والوں کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دور ہو گئیں تو جھٹ قریش کے مرد و عورتوں نے

اسلام کی طرف آنا شروع کر دیا۔ قریش خود بھی جانتے تھے کہ صلح کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام اور بھی ترقی کریگا اور اسی امر کو روکنے کے لئے انہوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ "جو قریش کا آدمی مسلمانوں کی طرف آملے اس کو قریش کے پاس لوٹا دینا ہوگا" مگر یہ شرط بھی قریش کی بدقسمتی سے کچھ ایسی کارگر ثابت نہ ہوئی کیونکہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت معاہدہ کی اس شرط کی بھی سختی سے پابندی فرمائی اور مکہ سے آنے والے نومسلموں کو اپنے ہاں لینے سے انکار کر دیا مگر ان لوگوں نے واپس جانے کے بجائے ایک نئی جماعت قائم کر لی آخر قریش نے تنگ آکر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ عہدنامہ سے اس شرط کو نکال دیا جائے۔ بس اب کیا تھا سب مانی مرادیں مل گئیں اور مسلمانوں نے جوق در جوق آکر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا شروع کر دیا۔

اسلام کے نہ رکنے والی کشش

جب سہیل حضرت نبی کریم صلعم سے شرائط صلح طے کر رہا تھا تو اس کا بیٹا ابو جندل بھی وہیں آگیا۔ یہ نوجوان اسلام لے آیا تھا۔ اور اس کے باپ نے محض اسی جرم میں اس کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا اور سخت سخت اذیتیں دے کر ارتداد پر مجبور کرنا چاہا تھا۔ مگر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی محبت نے اس کے ایمان میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔ اور جونہی اس نے دیکھا کہ اس کا باپ باہر ہے فوراً معہ زنجیروں کے بھاگ آیا

اور مسلمانوں سے پناہ مانگی۔ اس کے باپ نے جب اس کو دیکھا تو فوراً پکڑ لیا اور سخت زدوکوب کی اس پر وہ زور زور سے چیختا اور مسلمانوں سے مدد طلب کرتا تھا۔ مگر مسلمان اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے کیونکہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم انہی شرائط معاہدہ کے باعث اس کے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ ناظرین! اگر انصاف کی آنکھ بینا ہو۔ اگر تعصب کا خمار کسی دماغ میں نہ ہو۔ اگر کوئی دل صداقت پسند ہو تو اسی ایک واقعہ کو دیکھ کر دوبارہ یہ اعتراض نہ کرے گا کہ "اسلام بزور تلوار پھیلا" بلکہ اسلام کی پرلے درجہ کی کشش کی داد دیگا۔ عجیب تر یہ بات ہے۔ کہ جس شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر ابوجندل نے یہ سب دکھ اور مصائب اٹھائے اور ناقابل بیان سختیاں جھیلیں اب وہی اس کو لینے اور پناہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ اب اس نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور! میں نے اپنے ایمان کی خاطر بڑی بڑی صعوبتیں اٹھائی ہیں اس لئے میری درخواست ہے کہ مجھے پناہ دی جاوے۔ مگر آپ نے عہدنامہ کا لحاظ فرما کر صاف انکار کر دیا۔ اس نے بار بار الحاح و منت سے حفاظت اور پناہ کی درخواست کی۔ مگر اس کو پھر انہی ہاتھوں میں دے دیا گیا جن سے بمشکل تمام اسے بھاگ کر رہائی ہوئی تھی۔ آہ! غریب ابوجندل انہیں آنکھوں کے سامنے چابکوں سے پٹ رہا تھا جن کی خاطر اس نے یہ سب دکھ برداشت کئے تھے۔ اور وہ مدد کے لئے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا مگر اس کی حمایت

کے لئے ایک ہاتھ بھی نہ اٹھایا گیا اس کے بے رحم باپ کے ہاتھ سے ابوجندل کے ایمان میں کمزوری آگئی؟ کیا اس انکار کے بعد اس کے دل سے اسلام کی محبت نکل گئی؟ نہیں نہیں ذرہ بھی نہیں۔ نہ اس کے باپ کی سختی نے اور نہ ہی مسلمانوں کے انکار نے اس پر کوئی بُرا اثر کیا۔ وہ واپس تو چلا گیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر بھاگ آیا یعنے صلح حدیبیہ کے چند ہی روز بعد مکہ سے بچ کر نکل آیا۔ اور اُن مسلمان بھائیوں کے ساتھ شامل ہوگیا جو اس کی طرح مکہ سے بھاگ کر ایک خاص مقام پر جمع ہوگئے تھے کیونکہ مدینہ میں ان کو عہد نامہ کے مطابق جگہ نہیں ملتی تھی۔

ابوجندل کی داستان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریش جس طرح مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے ایذا دیتے تھے اسی طرح مکہ کے مسلمانوں کو ہجرت کے بعد بھی ایذا دیتے رہے اور جس صبر و استقلال سے ابوجندل نے مصائب کو برداشت کیا اور باوجود آں حضرت صلعم کے انکار کر دینے کے برابر آپ کا حلقہ بگوش غلام بنا رہا اس سے اسلام کی طاقت اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔ دلوں کی جو تسخیر اسلام نے کی تھی وہ واقعی اپنی نظیر آپ تھی۔ مگر اسپر بھی ہمارے مسیحی مہربان برابر یہ کہے جاتے ہیں کہ اسلام کسی اندرونی قوت سے نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر اس کی اشاعت ہوئی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار اس سے بڑھ کر فتوحات حاصل کر سکتی ہے؟

جس قدر کہ اسلام نے عرب کے لوگوں کے درمیان حاصل کی تھیں اور کیا بزور شمشیر دلوں پر اس قدر تسلط ہو سکتا ہے؟ جس قدر کہ اسلام کی مخفی طاقتوں نے عربوں کے قلوب پر حاصل کر لیا تھا۔

اسلام کی قوت جاذبہ کے متعلق میور کی اپنی شہادت

اگرچہ ولیم میور صاف الفاظ میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اشاعت اسلام کا موجب اس کی زبردست اندرونی طاقت تھی تاہم اس کے مفصلہ ذیل الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے امن کا زمانہ نہائت مفید تھا۔ اور اس طرح اس کے الفاظ عملاً اس اعتراض کا خود بخود دفعیہ کر دیتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھائی صلح حدیبیہ کی شرائط کے منظور کر لینے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا غرض تھی اس پر بحث کرتے ہوئے میور لکھتا ہے کہ " دس سال کے امن سے نئے مذہب کو ملک میں پھیلنے اور قریش کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کے لئے نہائت عمدہ موقعہ مل سکتا تھا" (صفحہ ۳۴۸)

میور کی رائے میں صلح حدیبیہ کا یہی بڑا سبب تھا اور اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بظاہر ایسی نامناسب شرائط پر صلح کر لی تھی اس سے صاف صاف مفصلہ ذیل نتائج نکلتے ہیں

(۱) حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً لڑنا پڑا اگر آپ کو اپنے

حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ کبھی جنگ کی طرف منہ بھی نہ کرتے۔

(۲) یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کے لئے لڑائی نہیں کی کیونکہ لڑائیوں کے وقت ہی اسلام کی اشاعت رُکی رہی۔

(۳) یہ کہ اگر کوئی لڑائی فساد نہ ہوتا بلکہ امن کا زمانہ ہوتا تو اسلام بہت بڑی ترقی کر لیتا۔

(۴) یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

(۵) یہ کہ اشاعت اسلام کے لئے امن سے بڑھ کر کوئی اور وقت زیادہ موزون نہیں۔ اور امن کے زمانہ میں جنگ کے وقت کی نسبت یقیناً کئی گنا زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔

پیارے ناظرین! میور کا اپنا اقرار رہم کو مذکورہ بالا نتائج پر پہنچاتا ہے اور ہمارے نزدیک مسلمانوں پر زیادتی اور جبراً اسلام پھیلانے کا الزام ۔ .. .. .. لگانے والوں کا منہ بند کرنے کے لئے اس سے زیادہ زبردست کوئی اور حربہ نہیں ہو سکتا۔ اور واضح ہو کہ جس طرح خاک ڈالنے سے چاند نہیں چھپ سکتا اس طرح سچائی بھی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی اور کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالے نے میور جیسے دشمن کے قلم سے کیا کیا الفاظ لکھوا دئے ہیں مذکورہ بالا اقتباس تو آپ نے پڑھ ہی لیا اب اور دیکھئے کہ وہی دشمن اسلام کس طرح ذیل کے الفاظ میں

اسلام اور مسلمانوں کے صدق اور راستی کا ثناخوان ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اپنے پیرووں کی وفاداری اور اسلام کی زبردست کشش کا اس قدر کامل یقین تھا کہ اس فقرہ کے اندراج سے کہ مرتدین کو واپس نہ کیا جاویگا آپ صلعم کو کسی قسم کے برے اثر کا قطعاً خوف نہ ہوا"۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہزاروں آدمی جو اب تک مسلمان ہو چکے تھے وہ کسی دنیوی طمع یا سزا کے خوف سے اسلام نہیں لائے تھے بلکہ دین حق کی طاقتور کشش ان کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اطاعت میں کھینچ لائی تھی۔ اب جنگ چھڑے ہوئے بھی چھ سال کا عرصہ گذر گیا تھا اور اگرچہ اشاعت اسلام کے لئے لڑائی کا زمانہ نہائت ہی ناموزون تھا تاہم مسلمانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی جو میور کے قول کے مطابق سب کے سب بڑے صادق مسلمان تھے اور ان کو جس چیز نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل کیا تھا وہ اسلام کی طاقتور کشش تھی۔

کھلی کھلی فتح حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جو غرض اس صلح سے تھی اس کا صحیح صحیح اندازہ میور نے خوب لگایا ہے۔ میور کے قول کے مطابق حضرت نبی کریم علیہ الصلواۃ والتسلیم کو اسلام کی فتح اور کامیابی امن کے زمانہ میں ہی نظر آتی تھی اور اسی لئے آپ نے باوجود صحابہ کی ناراضگی کے ایسی شرائط پر صلح کر لی جو بظاہر گری ہوئی

تھیں۔ عہد نامہ حدیبیہ کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قیاس فرمایا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے اور خیالات منشائے ایزدی کے ماتحت تھے اور اسی لئے اللہ تعالے کا فضل اور تائید ہر وقت آپ کے شامل حال ہوتے تھے غرض شرائط صلح طے ہونے کے تھوڑی دیر بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الہی کا نزول ہوا۔ اور اس میں اللہ تعالے نے اس صلح کو بھی "فتح مبین" یعنے کھلی کھلی فتح فرمایا۔ میور لکھتا ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت " ابھی پہلی ہی منزل طے کی تھی کہ مسلمان جلدی جلدی میدان کی ہر طرف سے اپنے اونٹوں کو ہانک کر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو رہے تھے اور ہر ایک کے لب پر یہ لفظ جاری تھے کہ " آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل ہوئی ہے" پس اپنے اونٹ پر ہی کھڑے حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورہ فتح تلاوت فرمائی۔ جس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے " اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا " یعنے ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عنایت فرمائی ہے۔ جب اس تازہ وحی کو آں حضرت صلعم پڑھ کر سنا چکے تو ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ " آیا یہ فتح ہے " حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا " اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ واقعی فتح ہے " اور آخر ثابت بھی یہی ہوا۔

زہری لکھتا ہے کہ "اس سے قبل اسلام کو ایسی نمایاں فتح کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اور تمام موقعوں پر تو لڑائیاں ہوتی رہیں۔ مگر یہاں لڑائی سے کنارہ کشی کر کے امن و امان سے ہم آغوشی اختیار کی گئی تھی اور اب ایک جماعت دوسری جماعت سے آزادی کے ساتھ ملتی اور بات چیت کرتی تھی۔ اس بت پرستوں میں سے کوئی بھی سمجھ دار اور عقلمند شخص ایسا نہیں تھا جو اسلام کی طرف مائل نہ ہو گیا ہو۔ اور ٹھیک صلح کے بعد دو سال کے اندر ہی اندر اس قدر لوگ مسلمان ہو گئے جس قدر کہ پہلے سالوں میں ہوئے تھے بلکہ یوں کہئے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ لوگ اسلام لائے۔" (ابن ہشام) گو بعض لوگوں کو یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہو لیکن اس کے ثبوت کے لئے یہ امر کافی ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کو تشریف لے گئے تو آپ ص کے ساتھ چند سو آدمی تھے۔ مگر دو سال بعد جب آپ ص مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ص کے ساتھ دس ہزار قدوسیوں کی جماعت تھی۔

آہ! جو لوگ اسلام پر تلوار سے پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں وہ ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں پر ایسا تعصب کا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ صاف صاف اور صریح واقعات پر بھی نظر نہیں ڈال سکتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جو مذہب زمانۂ امن میں حیرت انگیز ترقی کر سکتا تھا اور جس کی اشاعت کے لئے جنگ کی نسبت امن زیادہ مفید تھا

اس کے پھیلانے کے لئے پھر کسی تلوار کی کیا ضرورت تھی؟ صلح حدیبیہ اور اس کے بعد امن کے دو سال میں اسلام کو جو کامیابی ہوئی اس سے ہمارے معترضین کو سبق حاصل کرنا چاہئے کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کا موجب اس کی اندرونی صداقت کا طاقتور اثر تھا نہ کہ کسی بیرونی طاقت کا زور۔

ابو بصیر کی داستان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو واپس آنے کے تھوڑی دیر بعد ابو بصیر نام ایک نوجوان مسلمان مکہ سے بچ کر بھاگ آیا اور مدینہ آپہنچا۔ قریش نے دو آدمی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام خط دے کر روانہ کئے اور مطالبہ کیا کہ اس نوجوان کو عہدنامہ کی شرط کے بموجب ان کے حوالے کر دیا جائے۔ جب وہ خط آں حضرت صلعم کو پہنچا تو آپ نے ابو بصیر سے فرمایا "اے ابو بصیر تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے عہدنامہ کیا ہوا ہے۔ ہمارا پاک مذہب عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا اللہ تعالے تمہارے لئے اور مکہ کے دوسرے بیکس نومسلموں کے لئے کوئی اور راہ نکال دیگا اب تم اپنے لوگوں میں واپس چلے جاؤ" ابو بصیر نے عرض کی "کیا حضور مجھے ان بت پرستوں کے پاس واپس بھیجتے ہیں جو مجھے ہر طرح کی ایذا دے کر راہ راست سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرینگے" حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر فرمایا "جاؤ۔ اللہ تعالے تمہارے لئے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لئے کوئی اور

راہ نکال دیگا" پس وہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چارو ناچار روانہ ہو پڑا لیکن جب یہ لوگ ذوالحلیفہ پہنچے تو ابو بصیر نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کی تلوار کھینچ کر اسے قتل کر دیا۔ اب دوسرا آدمی مارے ڈر کے بھاگ کھڑا ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا۔ ابو بصیر بھی اس کے پیچھے پیچھے مدینہ آپہنچا اور آں حضرت صلعم کے حضور حاضر ہو کر عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ (صلعم) آپ نے تو مجھے ان لوگوں کے سپرد کر کے اپنا عہد پورا کر دیا۔ لیکن میں نے بھی اپنے ایمان کی حفاظت کی سے اور بت پرستوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بننے اور ان کی ایذائیں جھیلنے سے اپنے تئیں بچا لیا ہے"۔

ابو بصیر کا منشاء اس عرض سے یہ تھا کہ اب وہ آزادی سے مدینہ میں رہ سکتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ آپ تو عہد نامہ کی شرائط کے پابند ہو کر اس کو دشمنوں کے حوالہ کر ہی چکے تھے۔ مگر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک بھی نہ سنی۔ آخر ابو بصیر نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کبھی قریش کے سفیر آئینگے تو آپ ضرور اسے دوبارہ مکہ والوں کے حوالہ کر دینگے۔ اس لئے وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور چونکہ مکہ کی صعوبتیں ابھی اسے یاد تھیں اس لئے ساحل سمندر کے قریب ایک جگہ کی طرف چلا گیا۔ یہ خبر جلدی ہی مکہ پہنچ گئی اور

دوسرے نومسلم جن میں ابوجندل ابن سہیل بھی تھا اور جو کہ ابھی تک مسلمان ہونے کی وجہ سے ایذا و تکالیف کا نشانہ بن رہے تھے مکہ سے بچ کر نکل گئے اور ابوبصیر سے جا ملے۔ اس طرح ابوبصیر اور اس کے ہمراہیوں کی جماعت کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اور انہوں نے مکہ والوں کے قافلوں کو روک کر اپنا گذارہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سے قریش بہت تنگ آ گئے اور انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ ان نومسلموں کو مدینہ بلا لیں اور عہد نامہ میں سے نومسلموں کو واپس کر دینے والا فقرہ خارج کر دیں۔ آں حضرت صلعم نے ان کی درخواست کو منظور فرما لیا اور یہ جماعت بھی مدینہ بلا لی گئی۔

ہمارے مسیحی معترضین جو قریش کے مظالم پر ہمیشہ آنکھ بند رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی اعتراض کی جگہ ہاتھ آ جائے۔ ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کے فعل پر اعتراض کریں۔ لیکن ایک منصف معترض ان کے اس فعل کو قابل اعتراض نہیں ٹھیرا سکتا۔ بدیں وجہ کہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین امن کا عہد نامہ ہو چکا تھا۔ مگر ان نومسلموں کو کسی قسم کا امن نہیں دیا جاتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سہیل نے جو قریش کی طرف سے عہد نامہ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا شرائط صلح طے ہونے کے بعد ہی مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے

اپنے بیٹے ابوجندل کو مسلمان ہونے کے جرم میں نہائیت بیدردی سے مارا (زاد المعاد)

ہمارے ناظرین اس سے بےخبر نہیں کہ جب ابوجندل مسلمانوں کے ڈیرہ میں آیا تھا تو دست و پا بہ زنجیر تھا اور اس نے بڑی منت والحاح سے درخواست کی تھی کہ اسے اس کے بے رحم باپ کے ظالمانہ سلوک سے نجات دلائی جائے۔ ابوجندل نے کیا قصور کیا تھا صرف یہ کہ مسلمان ہوگیا تھا۔ پھر ایک ابوجندل پر کیا موقوف ہے مکہ کے ہر ایک غریب مسلمان کا یہی حال تھا۔ اگرچہ مکہ میں مسلمانوں پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جارہے تھے مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ معاہدہ ان کو پناہ نہیں دے سکتے تھے۔ اور جب کبھی وہ بھاگ کر مدینہ آتے تو قریش کی جانب سے مطالبہ ہونے پر اُن کو واپس کردیا جاتا اور بیچاروں کو پھر پہلے سے بھی بڑھ کر مشکلات اور تکالیف برداشت کرنی پڑتیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابوبصیر نے کس طرح مکہ والوں کے مظالم اور تکالیف سے بچنے کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ اس کو ان ظالموں کے ہاتھ میں دوبارہ نہ دیا جائے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدنامہ کا پاس کرکے اُس کی اِس درخواست پر توجہ نہ فرمائی تھی۔ اب غور کا مقام ہے کہ ایک طرف تو محض اسلام لانے کی خاطر سے نومسلموں پر سختیاں کی جارہی ہیں اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم عہدنامہ کا

پاس کر کے ان لوگوں کو پناہ نہیں دے سکتے تھے۔ پھر یہ غریب سوائے اس کے اور کیا کرتے کہ مکہ سے بھاگتے اور اپنے ظالم دشمنوں کے قافلوں کے مال پر گذارہ کرتے۔ مکہ والوں نے ان کو پہلے تو ہر طرح کی ایذائیں اور دکھ دئے اور ارتداد پر مجبور کرنا چاہا پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ ان کو مدینہ کے دینی بھائیوں سے بھی ملنے نہ دیا۔ پس اس طرح مکہ سے بھاگ کر بھی ان کو آرام میسر نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے جو کچھ کیا مناسب کیا اور آخر ان پر ظلم توڑنے والوں کو مجبور ہونا پڑا کہ اس سختی سے باز آجائیں اور ان نومسلموں کو مدینہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو کر رہنے کی اجازت دیں۔ اب یہاں میور صاحب فرماتے ہیں کہ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے الفاظ کو پورا کر دیا مگر اس بات کی کوشش نہ کی کہ مسلمانوں کو قافلوں کے روکنے سے باز رکھ کر امن وامان کو ترقی دیتے اور یہ کہ ایسا کرنا معاہدہ کے رو سے آپ پر لازم بھی آتا تھا" یہاں ہم کو یہ دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے کہ عیسائی معترض مسلمانوں کی تو ذرا ذرا سی بات پر گرفت کرنے کے لئے تیار کھڑے رہتے ہیں مگر اسلام کے دشمنوں کی ناملائم حرکات کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے ہم ولیم میور سے پوچھتے ہیں کہ صلح کے بعد مسلمانوں کو مکہ میں جو درد انگیز ایذائیں دی گئیں کیا ان کے ارتکاب سے قریش امن وامان کو ترقی دے رہے تھے؟ اور کیا عہد نامہ کی رو سے ان کو یہی لازم تھا؟

ایک طرف تو قریش مسلمانوں پر برابر سختیاں کئے جا رہے تھے اور نہ ان کو مکہ میں چین سے لینے دیتے تھے نہ ہی مدینہ جا کر رہنے کی اجازت دیتے تھے اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم کی طرف سے ان نومسلموں کو کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پس ایسی حالت میں ان کو حق پہنچتا تھا کہ وہ اپنی مخلصی کی کوئی تدبیر کر لیتے۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ان مظلوموں کی کوئی امداد نہیں ہو سکتی تھی تو آپ سے یہ بیرحمی بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ ان کو اپنی جان بچانے اور آزادی حاصل کرنے سے روک دیتے۔ اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ ابو بصیر۔ ابو جندل اور دوسرے مسلمان مظلوم اور قریش ظالم تھے تاہم آنحضرت صلعم نے صرف عہدنامہ کا پاس کر کے ان کی کوئی امداد نہ کی۔ اور درد بھرے دل سے اپنے پیارے اور وفادار شاگردوں کو اپنے ہی حال پر چھوڑ دیا۔ لازم تو یہ تھا کہ اس صبر و تحمل۔ بردباری اور عہد کی پابندی کی تعریف کی جاتی۔ لیکن دشمن کی نظر میں تو ہر ایک خوبی بھی بڑا عیب ہو جاتی ہے۔ اس لئے میور صاحب اس حضرت صلعم پر اب بھی راضی نہیں بلکہ ان کی خواہش ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کا ساتھ دیدیتے اور غریب مظلوم مسلمانوں کو ایذا دلانے میں خود بھی ظالموں کے معاون و مددگار ہو جاتے۔ آہ! یہ عیسائی معترض مکہ کے نومسلموں کی حالت کا اندازہ لگانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس کو

یہ خیال آتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کی خاطر ظالموں کے ہاتھوں سے ہر طرح کی اذیتیں اٹھا رہے تھے اور قیدیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر لطف یہ کہ اگر کوئی اس ناجائز قید اور مصیبت سے بچ کر نکل جاتا تو بھاگ جانے کے بعد بھی اس کو مکہ والوں کے ظلم سے نجات نہیں مل سکتی تھی۔ کیونکہ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ ان کو پناہ دے جب خود مدینہ کے مسلمان ان کو پناہ نہیں دے سکتے تو اور کون ان کو پناہ دے سکتا تھا۔ مکہ کے باہر بھی ان کو اس طرح رہنا پڑتا تھا جیسا کہ ایک سلطانی مجرم گرفتاری کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ نہ ان کو مکہ میں امن تھا اور نہ ان کو مکہ سے باہر امن سے زندگی بسر کرنے کی اجازت تھی۔ پھر ایسی صورت میں اگر انہوں نے اپنے ظالم شہر والوں کے قافلوں کو روک کر ان کی بیجا تعدی سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر کی تو کیا برا کیا۔ جو کچھ انہوں نے کیا خود قریش نے ان سے کرایا اور ان کی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ فوراً قریش نے ان کو آزادی دیدی اور جب ان کو امن سے مدینہ میں رہنے کی اجازت مل گئی تو پھر انہوں نے قافلوں کی مزاحمت بھی چھوڑ دی یہ ایک نجات کی راہ تھی جو انہوں نے مجبوراً اختیار کی اور نتیجہ نے ثابت کر دیا کہ یہی راہ تھی جس کے ذریعہ ان کو نجات مل سکتی تھی۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو بیساختہ ابو بصیر اور اسکے ساتھیوں کے ایمان پر مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے اور اسلام کی زبردست اندرونی طاقت پر مزید روشنی پڑتی ہے مثلاً دیکھئے کہ ابو بصیر نے

اپنے دین کی خاطر ہر طرح کی چوٹیں اٹھائیں اور آخر کار رسول صلعم کے پاس بھاگ کر پہنچا اور مدد کی
درخواست کی۔ لیکن وہاں سے صاف جواب ملا اور اس کو پھر انہی ہاتھوں میں دیا گیا
جن کے ظلم سے تنگ آ کر وہ پہلے بھاگا تھا۔ وہ دوبارہ بچ کر بھاگا اور پھر مدد مانگی۔ مگر
اب بھی اسے پہلی کی طرح نفی میں ہی جواب ملا۔ لیکن کیا اس انکار سے اور بار بار کی تکلیف سے
اس کے ایمان میں کوئی تغیر آیا؟ ہرگز نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ
جس کی خاطر یہ سب دکھ جھیلے اور جس کی بدولت یہ مصیبتوں کا پہاڑ
سر پر اٹھایا۔ وہی اب مدد سے انکار کرتا ہے اور اس پر بس نہیں
بلکہ دو دفعہ دشمنوں کے حوالے کر دیتا ہے مگر پھر ابو بصیر کو ذرا بھی
لغزش نہیں ہوتی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام کی
نہایت ہی زبردست طاقت تھی اور اسی طاقت نے مسلمانوں کو
ایسا جکڑا ہوا تھا کہ کسی صورت سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے تھے؟
پھر یہ کہنا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے؟
اگر ابو بصیر کے ساتھ ابو جندل کا واقعہ ملا دیا جائے اور اس بات پر
نظر کی جاوے کہ اس غریب نو مسلم کو اس کے باپ نے مسلمانوں
کے ہی ڈیرے میں اسلام کی خاطر چابکوں سے مارا اور باوجود اس کے
چیخ چیخ کر مدد کی درخواست کرنے کے کوئی مدد نہ دی گئی بلکہ الٹا دوبارہ
ظالموں کے حوالے کر دیا تاہم اس کے ایمان میں رائی برابر بھی خلل
نہ آیا تو یہ امر سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر انس تھا اور دونوں ان کے نزدیک

جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ ہم پھر پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار سے بھی یہ اُنس پیدا ہوا کرتا ہے۔

والیان ملک اور بادشاہوں کے نام آں حضرتؐ کے مراسلات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت محض عرب کے ملک کی خاطر نہیں تھی بلکہ آپ کل دنیا کے لئے مبعوث ہو کر آئے تھے اور جب مکہ میں آپؐ اور آپؐ کے صحابہ پر بغو اع انواع واقسام کے مظالم توڑے جا رہے تھے اور ایک ظاہر بین آنکھ کو آپ اور آپ کی مختصر اور مظلوم جماعت سے کوئی بڑی توقع نہیں ہو سکتی تھی، عین اس وقت اللہ تعالیٰ کا مفصلہ ذیل کلام نازل ہوا اور حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (السبا ۳) یعنے ہم نے تجھ کو سب لوگوں کے واسطے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ نے آپؐ کو فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ۷) یعنے ہم نے تجھ کو کل عالموں کے لئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔

الغرض جب قریش اسلام کو کچل ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام مکہ کی دیواروں تک ہی محدود رہ کر نابود ہو جائے تو ایسے وقت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ خدائے تعالےٰ نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ (اعراف ۹)

یعنے۔ "تو کہدے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالے کا رسول کر کے بھیجا گیا ہوں" چونکہ حضرت موسےؑ اور دوسرے اسرائیلی نبیوںؑ کی بعثت صرف اُنہی کی قوم تک محدود تھی اس لئے وہ اکثر خدا تعالے کو اسرائیل کا خدا کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا صرف قریش یا عربوں کا خدا نہیں بلکہ کل جہانوں کا رب تھا۔ اس لئے اُس کا رسول بھی کل دنیا کی طرف مامور ہو کر آیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تئیں قریش کے خدا کا رسول نہیں فرمایا۔ بلکہ اس مولا کی طرف سے مبعوث ہونے کا دعوےٰ فرمایا جو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عجمی کو اس طرح نہیں دھتکارا جس طرح کہ یسوعؑ نے کنعان کی عورت کو یہ کہہ کر دھتکار دیا تھا کہ "میں تو اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں" اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع علیہ السلام کی طرح غیر اسرائیلیوں کو "کتے" کہہ کر پکارا (متی ۱۵-۲۶) بلکہ آپ ہونے تو رحمۃ للعلمین ہونے کا دعویٰ فرمایا صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سے ہی اپنی بعثت عالمگیر سمجھتے تھے اور جب مکہ میں رہنے والے بعض بیرونی لوگ آپ پر ایمان لائے تو آپ نے اُن کو اُن ملکوں کے سابقین کہہ کر پکارا جن سے وہ آئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو ان ممالک سے بڑی بڑی فصلیں کاٹنے کی توقع تھی۔ اپنے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام حبشہ کا پہلا آدمی رکھا۔ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا نام سابق الروم یعنی "رومیوں میں سے پہلا آنے والا" رکھا۔ یہ لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع شروع میں ہی ایمان لائے تھے۔ اور آپ صلعم نے جو القاب ان کو دئے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں صرف عرب کا نبی صلعم نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کل دنیا کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور آپ صلعم کا مذہب نہ صرف اہل عرب قبول کرینگے بلکہ اس کی اشاعت دور دراز ممالک میں بھی ضرور ہوگی۔ اب اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اول الذکر ابتدا سے ہی کل دنیا کی طرف آنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر آخر الذکر کو جب اسرائیل کے "بچوں" کے ہاں جگہ نہیں ملتی تو ناچار غیر اسرائیل "کتوں" کی طرف منہ کرتا ہے۔ یسوع ع نے کہا تو تھا کہ بچوں کی روٹی لے کر کتوں کے سامنے ڈالنا مناسب نہیں لیکن جب بچوں نے اس کی لائی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر دیا تو مجبوراً وہی روٹی کتوں کے سامنے ڈالنی پڑی۔ قسمت کا تماشا دیکھئے کہ جن کو یسوع مسیح ع "کتے" اور "کتوں کے پلے" کہہ کر پکارتے ہیں اور جن کو وہ اپنے دسترخوان پر کا "چورا" بھی دینا پسند نہیں کرتے آخر وہی سالم کی سالم روٹی چھین کر لے جاتے ہیں۔ اور جن کو وہ اپنے بچے سمجھ کر پیار کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کو ایک

؎ ابن ہشام

ٹکڑا تک بھی نہیں ملتا۔* لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع علیہ السلام کی طرح دنیا کے لوگوں میں سے بعض کو "کتے" اور بعض کو "بچے" نہیں بنایا بلکہ روئے زمین کی تمام اقوام کو اپنے "بچے" ہی سمجھا۔ اور ابن مریم ع نے تو اپنی بعثت کے انعامات سے بنی اسرائیل ہی کو مستفیض کرنا چاہا۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس اپنی رسالت کو تمام جہانوں کے لئے رحمت ظاہر فرمایا۔ اور جوں ہی کہ آپ کو قریش کے جنگوں سے فرصت ملی وہیں آپ ص نے قرب وجوار کے لوگوں کو دعوت دینی شروع کر دی۔ اگرچہ آپ کا بہت سا وقت اپنے بیشمار دشمنوں کے حملوں کی مدافعت میں صرف ہوا تاہم آپ ص ساتھ ساتھ مختلف قوموں میں اسلام کی منادی کرنے کے لئے واعظ تیار کرتے رہے۔ بہت سے ایسے صحابی تھے جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حفظ کرایا تھا تاکہ دوسروں کو سنا سکیں اور جو واعظین رجیع اور بیر معونہ پر شہید ہوئے تھے وہ سب قرآن کے حافظ تھے۔ پھر جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے بہت سے مکہ والوں کو گرفتار کر لیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے اکثروں کو جو پڑھے لکھے تھے بلا معاوضہ رہا کر دیا۔ دس دس نوجوان مسلمانوں کو لکھانے پڑھانے کے لئے ایک ایک کے سپرد کر دیا۔ گویا زر فدیہ میں ان سے یہی خدمت لے لی گئی۔ جن لوگوں کو بدر کے قیدیوں نے لکھنا سکھایا

* اس بیان کی تصدیق کے لئے ناظرین ملاحظہ کریں انجیل متی باب ۱۵۔

تھا۔ ان میں سے ایک زید بن ثابت بھی تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو ہوشیار دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ وہ عبرانی اور سریانی زبانیں بھی سیکھ لے (ولیم میور)

پیارے ناظرین! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش سے آپ بھی اندازہ لگائیں کہ حضور صلعم کو اپنے صحابہ میں تعلیم پھیلانے اور ان کو قرآن سکھانے کا کس قدر خیال تھا۔ اور کیا اس سے صاف یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ آپؐ ان لوگوں کو اسلام کے واعظ بنا کر امن پسندانہ طرح سے دین حقہ کی اشاعت کرانا چاہتے تھے اور یہ کہ آپ صلعم اسلام کی اشاعت صرف عرب تک ہی محدود رکھنا نہیں چاہتے تھے بلکہ غیر ممالک کے لئے بھی واعظ تیار کر رہے تھے؟ پھر جب کوئی عرب مسلمان ہوتا تو آپ پہلے اس کو اسلام کے اصول سکھاتے۔ پھر قرآن پڑھا کر اسے اس کے اپنے ہی قبیلہ میں اسلام کا واعظ مقرر کر کے بھیج دیتے۔ آپ کے بہت سے صحابہ اچھے مقرر بھی تھے اور اکثر دفعہ انہوں نے اپنی دلچسپ تقریروں سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کیا تھا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں میں فصحا اور شعرا بھی موجود تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عربی قبیلہ نے اپنے وفد کے ساتھ اپنا شاعر اور خطیب بھیج کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے شاعر اور خطیب کے مقابلہ کے لئے تم اپنے شاعر اور خطیب پیش کرو۔ جب جواب اثبات میں ملا اور خوب مقابلہ ہو چکا تو اس قبیلہ کے سردار نے کہا خدا کی قسم یہ شخص بڑا خوش قسمت ہے۔ اس کا شاعر اور خطیب

دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے فصاحت و بلاغت میں سبقت لے گئے ہیں" (زاد المعاد)

جب صلح حدیبیہ کے ہو جانے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ آرام ملا تو آپ صلعم نے گرد و نواح کی قوموں کی طرف توجہ فرمائی اور ان کے بادشاہوں کے پاس سفارتیں بھیج کر ان کو اپنے دعوے کی اطلاع اور اسلام کی دعوت دی۔ ان خطوط پر مہر کرنے کے لئے آپؐ نے ایک انگشتری تیار کرائی جس پر محمد رسول اللہ نقش کرایا گیا تھا۔ اور اس کی یہ شکل تھی (محمد رسول اللہ) اس شکل کے دیکھنے سے ہی آں حضرت صلعم کے اس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو آپؐ کو ذات باری سے تھا۔ سبحان اللہ کس طرح مہر سے ہی ظاہر فرما دیا ہے کہ میرے اور میرے مولا کے درمیان رسالت کا تعلق ہے اور اگرچہ میں عام زمینی لوگوں کی طرح دکھائی دیتا ہوں مگر میری رسالت کا تعلق رب السمٰوات کی بلند ذات سے ہے اور اللہ تعالے سے تعلق پیدا کرنے کا اب میرے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں وغیرہ۔ یہ خطوط ہرقل قیصر روم۔ خسرو پرویز کسرے ایران۔ حارث شہزادہ بنی غسان۔ مقوقس شاہ مصر۔ حاکم یمامہ اور شاہ حبش کی طرف روانہ کئے گئے کچھ عرصہ بعد آپ نے دیگر حاکمان وقت کے پاس بھی سفیر بھیجے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر روم کے نام	جو سفیر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر روم کے پاس لے کر گیا

اس کا نام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جب یہ نامہ پہنچا تو ہرقل یروشلم کے پیدل سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے منت مانی ہوئی تھی کہ اگر ایرانیوں پر اس کو فتح ہوگی تو وہ پا پیادہ بیت المقدس کی زیارت کریگا۔ آں حضرت صلعم کے سفیر سے اچھی طرح پیش آیا اور آپ کے دعاوی کو بڑی توجہ اور اشتیاق سے سنا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے مکہ کے چند تاجروں کو اپنے حضور بلوایا جو اتفاقاً ایک قافلے کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ان تاجروں میں ابوسفیان بھی تھا جو کہ تاحال حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور اسی کے ذریعہ سے ہم تک اس ملاقات کی تمام کیفیت پہنچی ہے جو قیصر اور خود ابوسفیان کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ جب ان سوداگران مکہ کو قیصر کے حضور باریابی ہوئی تو اس نے ترجمان کی مدد سے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس مدعی نبوت کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا حضور "میں"۔ تب ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے نزدیک کھڑے ہونے کا حکم دیا اور باقی تاجروں کو اس کے پیچھے کھڑے رہنے کا ارشاد کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کسی سوال کے جواب میں یہ کوئی بات خلاف واقعہ کہے تو فوراً اس کی اصلاح کرو۔ ابوسفیان خود بیان کرتا ہے کہ "اگر مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ میرے کذب کی تردید کریں گے۔ تو میں ضرور قیصر کے حضور

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جھوٹی باتیں بھی بیان کرتا۔ لیکن میرے ساتھیوں کی موجودگی نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا" جو سوالات قیصر نے اس وقت کئے تھے وہ ایسے معقول اور طالب حق کے لئے ایسے راہ نما ہیں کہ ان کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ انشا اللہ تعالے ہمارے ناظرین کے لئے بھی فائدہ سے خالی نہ ہونگے ایک سعید روح اس سوال وجواب سے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نسبت بہت فائدہ اٹھا سکتی ہے ذیل میں ہم قیصر کے سوالات اور ابوسفیان کے جوابات نقل کرتے ہیں۔

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
۱۔ محمدؐ قوم کا کیسا ہے؟	۱۔ قوم کا بڑا شریف اور نجیب الطرفین ہے۔
۲۔ تمہاری قوم (قریش) نے کبھی اس سے آگے بھی اس طرح نبوت کا دعوی کیا ہے؟	۲۔ ایسا دعوے ہماری قوم میں کسی نے کبھی نہیں کیا۔
۳۔ اس کے بزرگوں میں کوئی ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کی بادشاہت جاتی رہی ہو۔؟	۳۔ ایسا کوئی بادشاہ اس کے آباؤ اجداد میں نہیں گذرا۔
۴۔ امیر لوگ علی العموم اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں یا غریب۔؟	۴۔ غالباً غریب اور مساکین لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
۵- دن بدن مسلمان بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں ؟	۵- دن بدن بڑھتے ہیں-
۶- کوئی آدمی محمدؐ کے دین میں داخل ہوکر ان ولوں مرتد ہوتا ہے یا نہیں-؟	۶- کوئی مرتد نہیں ہوتا- محمد کے دین کو برا مان کر اسے کوئی نہیں چھوڑتا
۷- اس دعوے سے پہلے یہ شخص جھوٹ کا عادی تھا- یا نہیں؟	۷- اس کو ہم لوگ ہمیشہ سچا اور راست گو یقین کرتے تھے-
۸- کیا لڑائی میں عہد شکنی کرتا ہے یا نہیں-؟	۸- آج تک اس نے عہد شکنی نہیں کی- آگے دیکھئے کیا کرتا ہے-
۹-۱۰- تمہاری اور اس کی لڑائی ہوتی ہے یا نہیں- اگر ہوتی ہے تو کون فتحیاب ہوتا ہے-؟	۹-۱۰- کبھی وہ فتح پاتا ہے- اور کبھی ہم غالب آتے ہیں-
۱۱- تم کو کیا حکم کرتا ہے-؟	۱۱- اللہ کی بندگی کرو- ذرہ بھی شرک نہ کرو- مشرکوں کی تقلید مت کرو اور حکم کرتا ہے نماز پڑھنے سچ بولنے اور گناہوں سے بچنے اور صلہ رحمی کا-

جب ہرقل نے یہ جوابات سنے تو اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی صداقت کا یقین ہو گیا اور وہ کہنے لگا کہ پہلے سوال سے میرا منشا یہ تھا
کہ تمام نبی اعلےٰ خاندانوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں (کیونکہ اگر وہ ادنےٰ درجہ
کے لوگوں میں سے ہوں تو لوگ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے
ہیں اور اس طرح ان کی ادنےٰ پیدائش کی وجہ سے اُن کی قوم کے اکثر
افراد سچائی سے دور رہ جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ پنچ قوم کے
لوگوں میں سے پرہیزگار اور خدارسیدہ آدمی پیدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ ہاں
ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالےٰ مامور کرکے دنیا میں بھیجتا ہے
وہ ہمیشہ اعلےٰ اور شریف خاندانوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں) اور دوسرے
سوال سے ہرقل نے کہا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر قریش میں سے
کسی نے پہلے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے تو شاید یہ نبی اس کے
نقش قدم پر چلتا ہو پھر قیصر نے ابوسفیان سے تیسرے سوال کا جواب سن کر فرمایا
"اگر اس کا کوئی جد امجد بادشاہ ہوتا تو یہ شک ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے موروثی
سلطنت کے حاصل کرنے کا خواہاں ہے" اسی طرح سوال ۷
کا جواب سن کر ہرقل نے کہا کہ "اگر اس نے کبھی انسانوں کے
متعلق جھوٹ بولنے کا گناہ نہیں کیا تو خدا پر جھوٹ بولنے کا گناہ
اس سے کیونکر سرزد ہو سکتا ہے" باقی سوالوں کے جوابات سن کر
قیصر نے کہا کہ اگر یہ تاجر جو کہتا ہے وہ سچ ہے تو اس نبی کی صداقت
میں کلام نہیں کیونکہ بلاشک و شبہ یہ علامات ایک راستباز کے سوا
دوسرے میں نہیں پائی جا سکتیں۔

پس حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خط کو پڑھنے کے بعد قیصر روم نے اس علاقہ کے رؤساء کو حکم دیا کہ مقام حمص پر حاضر ہوں وہاں پہنچ کر ہرقل نے ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ " اے روم کے سردارو! اگر تم سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو تو اسی نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کرو " یہ الفاظ سنکر وہ سب کے سب صحرائی گدھوں کی طرح نفرت ظاہر کرنے اور صلیبوں کو اٹھا کر اوپر ہوا میں جنبش دینے لگے۔ جب ہرقل نے یہ عالم دیکھا۔ تو وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ اور چونکہ اپنی سلطنت سے دست کش نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے یہ کہکر بات کو ٹال دیا کہ " میں تو تمہارا ایمان آزمانا چاہتا تھا اور اب مجھے تمہارے استقلال اور جانفشانی پر پورا اطمینان ہے "۔ (صحیح بخاری)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بنام خسرو پرویز کسرائے ایران اور ایک بڑا معجزہ

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ایلچی کسرے ایران کے پاس خط دے کر بھیجا۔ اس کا نام عبد اللہ بن حذیفہ تھا۔ اس خط کا مضمون آخر میں دیا جاتا ہے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط مغرور شاہ فارس کے پاس پہنچا اس نے غصہ میں آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نامہ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے دعا کی اور فرمایا " مزق اللہ ملکہ (زاد المعاد صفحہ ۷۵ جلد ۲)

یعنی " خدا ئے تعالے اس کی بادشاہت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے"
اس پیشن گوئی کا پورا ہونا تفصیل کے ساتھ صفحات پر منقش ہے۔ کسرے
فارس نے یمن کے ایرانی حاکم کو حکم بھیجا کہ اس نبی (صلعم) کو گرفتار کر کے
ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ اس غریب کو یہ کیا معلوم تھا۔ کہ جس
شخص کو آج وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا اور ایک معمولی و اعظ
سمجھتا ہے کل اسی کے پیرو ایرانی تخت پر متمکن ہو نگے۔
اور جس جگہ سے آج وہ بڑے غرور کے ساتھ گرفتاری کا حکم
نافذ کر رہا ہے کل وہی اس نبی (صلعم) کے خادموں کے پاؤں
تلے ہو گا یمن کے ایرانی گورنر نے دو آدمی آں حضرت علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی گرفتاری کے لئے روانہ کردئے۔ چونکہ کسرے
بڑا شہنشاہ تھا اس لئے اس کے احکام ایسے سمجھے جاتے تھے
کہ جن کی کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ یہ لوگ پہلے طائف آئے اور
ان کو دیکھ کر قریش بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کے خیال میں
کسرے فارس کا اس نئی تحریک کی بیخ کنی پر مستعد ہونا بہت
بڑی بات تھی۔ ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا کہ دیکھو اب
شاہ فارس نے محمد (صلعم) کی بیخ کنی کا ارادہ کیا ہے۔ اس لئے
اب محمد (صلعم) زندہ نہیں رہ سکتا۔ عامل یمن کے بھیجے ہوئے
آدمی طائف سے مدینہ کو گئے۔ لیکن جب وہ حضرت نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو ان پہ ایسا رعب چھایا

کہ انہوں نے مارے خوف کے کانپنا شروع کر دیا۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کا مدعا معلوم ہوا تو آپ صلعم نے فرمایا کہ آج کا ایک دن ٹھہر جاؤ ہم کل جواب دینگے۔

اسی رات آپ صلعم نے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی۔ اس دعا کے جواب میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ آج ہی کی رات اس شہنشاہ کو اس کے بیٹے نے مار ڈالا ہے۔ صبح کو حضرت نبی کریم صلعم نے ان ایلچیوں کو اپنے سامنے بلا کر فرمایا دیکھو آج ہی کی رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کا اسی کے بیٹے کو اس پر مسلط کر کے کام تمام کرا دیا ہے یہ جواب پاکر وہ لوگ متعجب ہوئے اور اس عجیب و غریب خبر کی صحت معلوم کرنے کے لئے یمن کو واپس روانہ ہو گئے۔ اس خبر کے صحیح ثابت ہونے پر اُن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں کیا کلام ہو سکتا تھا۔ کیونکہ سوائے خدا کے اور کون ہے جو اتنے دور کے واقعہ کا ایک ہی رات میں پتہ دیدے

٭ یہ ایلچی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو پیغام لائے تھے اس کا مضمون یہ تھا۔ کہ باذان عامل یمن نے اس لئے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ کو ملک الملوک خسرو پرویز کے پاس لیجا دیں اگر آپ برضا و رغبت ہمارے ساتھ چلیں تو بہتر ہے اگر آپ انکار کریں تو آپ کو کسرےٰ کی طاقت کا خوب علم ہے وہ آپ کو آپ کی جماعت کے سمیت تباہ کر دیگا بلکہ کل ملک عرب کو برباد کر دیگا اس وقت اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو باذان کی وساطت سے کسرےٰ سے معافی طلب کر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلعم یہ پیغام سن کر مسکرائے اور فرمایا ٹھہرو ہم کل اس کا جواب دینگے منہ

کوئی ایسی تاریخی نہ تھی جو ایران کے دار الخلافہ کے اخبار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتی۔ ہاں ایسی خبر اگر کوئی دیتا تو محض ایک ملہم من اللہ ہی دے سکتا تھا۔ آخر وہ ایلچی یمن کو روانہ ہو گئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب صوبہ دار یمن کو دیدیا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو وہ بھی ششدر رہ گیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات سچی ثابت ہو جائے تو اس شخص کی نبوت میں کلام ہی کیا ہے۔ جس نے اتنے فاصلے کی خبر بتادی ہے۔ اور یہ خبر آخر کار سچی ہی ثابت ہوئی۔ کیونکہ ان ایلچیوں کے پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد شیرویہ پسر خسرو پرویز کا خط گورنر یمن کے نام آیا جس میں بعینہ وہی خبر درج تھی جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے دی تھی۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ ایک بین ثبوت تھا اور اس کا نتیجہ جو لازماً ہونا چاہیے تھا وہ یہ ہوا کہ گورنر فوراً صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔

ولیم میور سے کس طرح امید ہو سکتی تھی کہ وہ اس عظیم الشان معجزے کا اقرار کرتا۔ اس نے اس نشان کو ملیا میٹ کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسرے کی بیماری اور موت کی خبر پہلے پہنچ چکی ہوگی۔ یہ صاحب دیدہ و دانستہ اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں اور مطلقاً غور نہیں کرتے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اسی رات جبکہ یہ ایلچی مدینہ میں ہی تھے فرما دیا تھا۔ کہ آج ہی کی

رات تیرے مولا نے تمہارے آقا کو مار ڈالا ہے۔ اور جب اس امر کی تصدیق ہوئی تو گورنر اور اس کے بعض رفقا مسلمان ہو گئے۔ کیا گورنر یمن اور اس کے رفقا کے مسلمان ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی نے پورا ہو کر ان کے دلوں کو تسخیر کیا تھا؟ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر نیا شہنشاہ پہلے ہی تخت نشین ہو چکا تھا تو اس کا پہلا کام یہ تھا کہ سرکاری طور پر عامل یمن کو اپنی مسند نشینی سے آگاہ کرتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بعد میں پروانہ سرکاری آیا بھلا یہ کس طرح ممکن ہو سکتا تھا کہ مدینہ میں تو خبر پہنچ جاتی اور عامل یمن اور اس کے افسر بے خبر رہتے۔ ہمیں بار بار تعجب آتا ہے کہ جن لوگوں کو ایرانی معاملات سے تعلق تھا ان کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو ایسے سخت واقعہ کی خبر ابھی نہیں ہوئی تھی کہ بے تعلق لوگوں کو پہلے خبر پہنچ گئی۔ قابل غور یہ امر ہے کہ عامل یمن کو ابھی ابھی خسرو پرویز کا خط پہنچا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے بھیجے جس کی اس نے بلا تاخیر تعمیل کی اور مدینہ کو آدمی بھیج دیے پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس مختصر سے زمانہ میں خسرو کی موت کا واقعہ شہرت پا کر مدینہ تک پہنچ جاتا۔ اچھا اگر بغرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ عرب کے وسیع ریگستان کو عبور کر کے خبر مدینہ میں مشہور ہو چکی تھی پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو اس واقعہ کی کیوں خبر نہ ہوئی؟ کیا حیرت کا مقام نہ تھا

کہ وہ ایلچی یمن سے چل کر مدینہ آئے مگر انکے کان تک یہ خبر نہ پہنچی کہ کسریٰ اعظم حکی وہ رعایا ہے موت کا شکار ہو چکا ہے یہ مدینہ میں بھی اکر ٹھیرے اور پیغام لیکر واپس ہوئے جسطرح آتے وقت انکو اس عظیم الشان واقعہ کا کوئی علم نہ تھا اسیطرح واپس جاتے وقت بھی ان کو کسی نے خبر نہ دی اور ان دونوں ایرانی شخصوں کی شکل و شباہت بھی عربوں سے مختلف تھی۔ کیونکہ ایرانیوں کے دستور کے موافق ان کی ڈاڑھی مصفا تھی مونچھیں لمبی تھیں۔ سنہری پٹیاں باندھے ہوئے تھے ان کے اس لباس کا احادیث میں ذکر ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس بھیس کو ناپسند فرمایا تھا۔ الغرض ان کی صورت سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسریٰ کے دربار کے لوگ ہیں اور اگر ان کے بادشاہ کے متعلق کوئی ایسی خبر مشہور ہوتی تو ضرور رستہ کے لوگ ان سے اس کے متعلق دریافت کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب میور صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ خبر پہلے ہی شہرت پا چکی تھی سوائے تعصب اور دشمنی کے اور کس بات پر محمول ہو سکتا ہے۔ ہمیں سب سے بڑھ کر حیرت آتی ہے تو اس بات پر کہ ایسی بڑی سرکاری خبر مدینہ تو پہنچ گئی لیکن عامل یمن اور اس کی رعایا کو ان ایلچیوں کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی معلوم نہ ہوئی اور جب وہ یمن کو واپس آئے تو انہوں نے گورنر اور رعایا سب کو اس حادثہ سے ایسا ہی لاعلم پایا جیسا کہ ان کی روانگی سے پیشتر تھے۔ ان امور پر گہری نظر کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میور صاحب نے صریحاً غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی

الہام نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپؐ کے کانوں تک پہلے ہی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ خسرو اعظم کو قتل کر دیا گیا ہے۔ؔ

پھر یہ بھی ایک بات ہے کہ اڑتی ہوئی خبریں ہمیشہ سچی نہیں ہوتیں اور یہ کہاں ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی افواہ ہی سن کر فرما دیتے کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کا اسی کے بیٹے کو اس پر مسلط کر کے کام تمام کرا دیا ہے اور علاوہ ازیں یہ کس طرح ممکن تھا کہ آں حضرت صلعم ایک سنی سنائی بات پر یقین کر کے عامل یمن کے پاس اس کے آقا کی موت کی خبر بھیجتے اور وہ بھی ان کے ذریعہ جن کو عامل مذکور نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے بھیجا تھا مزید براں آپؐ نے تو یہ ظاہر کیا کہ اس خبر کی صداقت میری سچائی کا ثبوت ہوگی۔ ہمارے تو واہمہ میں بھی نہیں آسکتا کہ آں حضرت صلعم جیسا انسان جس کی عقل اور فراست کا مخالف بھی لوہا مانتے ہیں کس طرح کسی غیر معتبر اور نامعلوم الاسم شخص کے کہنے پر اتنی بڑی بات مشہور کرتا۔ اور اس خبر کی صحت پر اپنی رسالت کے دعوے کی صداقت کا انحصار کر دیتا ہوتا تو یہ چاہیئے تھا کہ دربار فارس کے ایلچی دیکھ کر اگر ایسی افواہ سنی بھی ہوتی تو اس پر یقین نہ کیا جاتا کیونکہ یہ ایلچی اس خبر سے بالکل بے خبر تھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے افواہ کی بنا پر یہ خبر نہیں سنائی تھی

ؔ اگر آپ افواہ کی بنا پر یہ خبر ایلچیوں کو سناتے تو یہ نہ کہتے کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو قتل کرا دیا ہے اور نہ اس کو پیشگوئی کے رنگ میں پیش کرتے۔ منہ

بلکہ خدا سے خبر پا کر اس کا اعلان فرمایا تھا۔ اگر افواہ ہوتی تو آپؐ زیچیوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیتے کہ افواہ غلط ہے عامل یمن اور اس کے رفقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا حال میور صاحب کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے بجائے میور کے ہم آہنگ ہونے کے اس بات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نشان مانا اور برضا و رغبت آپؐ کا مذہب قبول کر لیا۔ بھلا اس بیّن شہادت کی موجودگی میں ایک عقلمند آدمی کو جو میور سا متعصب دماغ نہ رکھتا ہو اس امر کے ماننے سے کیا انکار ہو سکتا ہے کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ اور اسی معجزہ نے عامل یمن اور اس کے رفقا کو۔ جن کے پاس دربار ایران سے اس خبر کی صحت کا خط آیا تھا۔ صدق دل سے مسلمان بنا دیا۔ گورنر اور اس کے رفقا کی تبدیلی مذہب سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ تھا۔ جس کو دیکھ کر انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن میور کے عیسوی تعصب سے یہ کہاں امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مان لیں اسی وجہ سے وہ ایک نئی بیخ نکالتا ہے اور اس ضرب المثل کا مصداق ہوتا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے بہت سے جھوٹوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ گورنر یمن کی تبدیلی مذہب کو ذاتی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ کہ ایران کا چراغ اب گل ہو چکا تھا اور عرصہ سے ایرانیوں کا

عرب پر پورا تسلط نہیں رہا تھا اور یمن کا گورنر بلا روک ٹوک ایسی حفاظت میں جا سکتا تھا جو اس کی رعایا کے لئے زیادہ موزون ہوتی اس لئے باذان (گورنر یمن) نے اسلام کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دیکھ کر خوشی سے اسلام قبول کر لیا اور نبی (صلعم) سے اپنا تعلق ظاہر کر دیا۔ اس تحریر سے میور کا یہ منشا ہے کہ گورنر یمن کسی نشان کو دیکھ کر ایمان نہیں لایا تھا بلکہ اس کی تبدیلی مذہب پولٹیکل اغراض پر مبنی تھی اس لئے ایمان خام اور منافقانہ تھا۔ اس طرح میور کی رائے میں یہ اسلام کی دن دگنی رات چوگنی ترقی تھی جس کی تحریک سے وہ مسلمان ہو گیا۔ لیکن جس جگہ اس نے یہ عبارت لکھی ہے اس سے چند ہی صفحہ پہلے خود ہی اپنے قلم سے اس کی تردید کرتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف بادشاہوں اور روسا کے پاس دعوت اسلام کے لئے سفیر بھیجنے کے متعلق لکھتا ہے " اس مدنی نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی یہ تجویز اس وقت محض موہوم اور بعید از قیاس تھی کیونکہ وہ اس وقت بہ مشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے اور اس سے بارہ ماہ قبل وہ نہائت ہی بے بسی سے محصور تھے اور حال ہی میں مکہ سے عمرہ کرنے کے بغیر واپس ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ پھر وہ کیونکر مصر، حبش، شام کے بادشاہوں بلکہ قیصر و کسرے کو دعوت کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا کیا"[1] یہ تھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پولٹیکل طاقت

---

[1] لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۳۵۹۔

جیسے ہم نے میور کے اپنے الفاظ میں دکھا دیا ہے پھر خدا معلوم وہ کس منہ سے کہتا ہے کہ گورنر یمن نے مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی غرض سے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہا تھا اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اختیار کیا تھا۔ جس شخص کی نسبت میور خود لکھتا ہے کہ " وہ بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے " بھلا اس کی حالت کیونکر ایک دور دراز صوبہ کے ایرانی عامل کو اس بات کی ترغیب دے سکتی تھی کہ وہ شاہ ایران کی ماتحتی کو چھوڑ کر نبی عرب صلعم کی ماتحتی اختیار کرلے۔ اور وہ جو حال ہی میں بالفاظ میور " عمرہ کئے بغیر مجبوراً واپس آیا تھا " وہ کیونکر خسرو اعظم سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ بیشک درست ہے کہ مدینہ میں ایک قسم کی ریاست سی تو قائم ہو گئی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سردار تھے۔ لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اس مختصر اور کمزور سی ریاست کے زیر سایہ دور دراز صوبوں کے شاہزادے اور گورنر آجاتے۔ کیا دنیا میں صرف یہی ایک بڑی سلطنت تھی جس کی حفاظت کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیا سلطنت فارس کی ہمسر صرف مدینہ کی چھوٹی سی ریاست ہی رہ گئی تھی جو بالفاظ میور " بارہ ماہ قبل نہایت بے بسی سے محصور ہو چکے تھے "۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ گورنر یمن خود بخود اپنی رعایا سمیت مدینہ کی مسلمان حکومت کا مطیع ہو جاتا۔ جس حکومت کے زیر سایہ آنے کی نسبت بڑے وثوق کے ساتھ دعوے کیا جاتا ہے اس کی طاقت کی نسبت معترض صاحب خود تو یہ لکھتے ہیں کہ بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے

قابل تھے۔ اور گورنر یمن نے اس حکومت کی طاقت کا یہ اندازہ کیا
کہ اس حکومت کے بادشاہ کی گرفتاری کے لئے صرف دو آدمی
بھیجدئے۔ پھر ایسی حکومت کی حفاظت کا وہ کیونکر طلبگار ہوسکتا تھا۔
اچھا ہم نے مانا کہ حکومت فارس کا یمن پر پورا قبضہ نہیں رہا تھا اور
عامل یمن بھی کسریٰ کی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتارنا چاہتا تھا۔
پھر اس کا کیا سبب پڑا تھا کہ وہ ایک جوا اتار کر دوسرے کے نیچے بلاوجہ
و بے فائدہ گردن بڑھا دیتا۔ مسلمانوں کا مذہب نیا تھا اس لئے ان کی
سلطنت عامل یمن کی رعایا کے لئے جو سب کے سب کافر تھے
کسی طرح موزوں اور ان کے حسب دلخواہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اور اگر بفرض
محال یہ بھی مان لیں کہ باذان عامل یمن نے ایرانی حکومت کا جوا اپنی گردن
سے اتارنے کے لئے مسلمانوں سے میل کر لیا تھا تو یہ تعلق اسلام
قبول کرنے کے بغیر بھی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ عرب کی بہت سی قوموں نے
پہلے بھی مسلمان ہونے کے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باہمی
امداد کا عہد و پیمان کر لیا تھا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک یہ
بھی شرط تھی کہ جو کوئی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باہمی
امداد کا معاہدہ کرنا چاہے اسے اجازت ہے۔ اس لئے عامل یمن
اسلام قبول کرنے کے بغیر بھی بآسانی تمام مسلمانوں کے ساتھ
باہمی امداد کا معاہدہ کرسکتا تھا۔ الغرض میور کا یہ کہنا کہ باذان نے محض
اس وجہ سے اسلام قبول کیا کہ وہ شاہ فارس سے خود مختار ہونا

اور مسلمانوں سے امداد حاصل کرنا چاہتا تھا بالکل غلط ہے اور واقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں اور سوائے میور کی قوت متخیلہ کے اور کسی جگہ اس کی اصلیت کا ذرا بھی پتہ نہیں لگتا۔ جس کشش نے باذان کو کھینچا وہ اسلام کی صداقت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور اسی صداقت نے اس کے تشنہ لبوں کو اسلام کا شیریں شربت پلایا۔ اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو صریح پورا ہوتے دیکھا اور ایک نہیں بلکہ دو نشان دیکھے۔ یعنی اول تو آں حضرت صلعم کے الفاظ پورے ہوئے دوم جس شخص نے آپ صلعم کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا وہ خود ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا* اور اس طرح دنیا نے ایک دوسرا معجزہ مشاہدہ کیا۔ ایک تو خدائے تعالےٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو ہلاک کیا اور دوئم اس کی موت کی خبر ایسے وقت دی جب کہ تمام عرب اس سے ناواقف تھے اور لطف یہ کہ خبر بھی دی تو اسی دن صبح کو۔ اس عظیم الشان نشان سے اکیلا باذان ہی مسلمان نہ ہوا بلکہ اس کے رفقا نے بھی دین حق قبول کر لیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک جھوٹ کے لئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑتے ہیں۔ اس لئے اس معجزہ کا اثر اڑانے کے لئے میور صاحب کو اور بھی کئی ایک دروغ بیانیاں کرنی پڑی ہیں

* جیسا آپ صلعم نے دعا فرمائی تھی کہ مزق اللہ ملکہ۔ منہ

مثلاً وہ لکھتا ہے کہ کسرے نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
مذہب کی تحقیقات کرانی چاہی تھی اور اسی خواہش کے باعث اس نے
عامل یمن کے نام حکم بھیجا تھا کہ " مدینہ میں سفیر بھیج کر اس نئے مذہب کے
متعلق صحیح صحیح اطلاع بہم پہنچائی جائے " یہ بیان نہ صرف بے بنیاد بلکہ
نہایت ہی لچر و پوچ ہے ۔ یہ خیال کرنا ہی بیہودگی ہے کہ مغرور شاہ
فارس نے اسلام کی تحقیقات کے لئے سفیر بھیجے تھے ۔ کیونکہ
جس شخص نے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پرزے
پرزے کر کے پھاڑ ڈالا تھا اور سفیر کو غضب کے ساتھ واپس کیا تھا۔
وہ کس طرح ایسا کام کر سکتا تھا ۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ
معتبر تواریخ کی رو سے جس بادشاہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا
تھا وہ خسرو پرویز تھا اور سیور کا خیال کہ اس کا بیٹا شیرویہ تھا غلط ہے ۔ ان
ایلچیوں کے آنے پر قریش کا خوش ہونا ایرانی سپاہیوں کا مارے
خوف کے کانپنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے رات
بھر ٹھیرنے کے لئے فرمانا اور صبح کو ایک جواب دینا وغیرہ وغیرہ
ایسی باتیں ہیں جن سے سیور کے اس بیان کی بیہودگی ثابت ہوتی
ہے کہ کسرے نے یہ ایلچی اسلام کی تحقیقات کے لئے بھیجے تھے ۔
سیور کے بیان کی ایک تاریخ دان بھی تصدیق نہیں کرتا اور اس کا سراغ
اگر کہیں مل سکتا ہے تو اس کے افترا کرنے والے دماغ تک ہی
محدود ہے ۔ سیور صاحب اس امر کی تشریح جتنی چاہیں کریں لیکن

یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تاریخ بھی خود ہی ایجاد کریں (اس واقعہ کا مفصل حال ملاحظہ ہو مدارج النبوت جلد دوم میں):

مضمون خط بنام کسرےٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد رسول اللہ الی کسرےٰ عظیم فارس ۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ ۔ و اٰمن باللہ ورسولہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ ادعوک بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

(ترجمہ) اللہ کے نام سے میں اس نامہ کو شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے ۔ یہ خط خدا کے فرستادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسرےٰ کے نام ہے ۔ سلامتی ہو اُس شخص پر جس نے اس ہدایت کی پیروی کی اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہے ۔ میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں ۔ مجھے خدائے تعالےٰ نے کل دنیا کے لوگوں کے لئے رسول کر کے بھیجا ہے تا جو شخص زندہ ہے میں اس کو ڈراؤں اور انکار کرنے والوں پر حجت پوری ہو ۔ اسلام کو قبول کرو تا کہ بچ جاؤ ۔ اور اگر تو نے انکار کیا تو یاد رکھ کہ کل قوم مجوس کے گناہ تیر

ذمہ ہوگا (زاد المعاد جزء ثانی صفحہ ۵۶)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مقوقس شاہ مصر کے نام

مقوقس شاہ مصر کی طرف جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر گیا۔ اس کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا۔ شاہ مصر نے اس کا بڑی عزت سے استقبال کیا اور جو تقریر اس نے شاہ موصوف کے حضور کی وہ بہت دلچسپ ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت صلعم کے سفیر محض ہرکارے ہی نہ تھے بلکہ مذہب اسلام کے واعظ بھی تھے۔ ان کو مجلس کے مطابق تقریر کرنی آتی تھی اور وہ دلائل کے ذریعہ اپنے سامعین پر اثر ڈال سکتے تھے۔ شاہ مصر کے حضور کھڑے ہو کر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو وہ نقشہ یاد آیا جو سینکڑوں برس پہلے اسی ملک کے دربار شاہی میں مشاہدہ کیا گیا تھا جس طرح موسےٰ علیہ السلام ایک زمانہ پہلے فرعون شاہ مصر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اسی ملک کے ایک اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا۔ فرق یہ تھا۔ موسےٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے خود کھڑے تھے۔ لیکن اب موسےٰ علیہ السلام سے بزرگتر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قائم مقام تھا جس نے نہایت مناسب الفاظ میں بڑی جرأت اور مناسب ادب سے موجودہ بادشاہ کو فرعون کا انجام یاد دلایا اور کہا "انہ کان قبلک رجل یزعم انہ الرب الاعلیٰ فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ

والاولیٰ فانتقم بہ ثم انتقم منہ فاعتبر بغیرک ولا یعتبر غیرک بک ۔ یعنی آپ سے پہلے ایک شخص گذرا ہے جس نے اپنے تئیں خدا وند خدا فی مرکیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلی اور پچھلی زندگی کی سزا میں گرفتار کیا پس آپ دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور ایسا نہ کریں کہ لوگ آپ سے عبرت پکڑیں۔ ہمارے ناظرین میں سے شاید کسی کو تعجب ہوگا کہ یہ صحرا اور بادیوں کے رہنے والے کس دلیری سے بڑے بڑے بادشاہوں کے بھرے درباروں میں بولتے تھے اور ان کی شان و شوکت کا ان پر کوئی رعب نہیں پڑتا تھا لیکن یاد رہے کہ اگرچہ وہ ڈرانے میں دلیر تھے تاہم ان کے الفاظ شیریں اور کرختی سے مبرا تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ الٰہی کلام نہیں کہ وہ ایک بڑے نذیر کی طرف سے موزوں قائم مقام تھے۔ یہاں پر یہ بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں نے دوسروں کی طرح ان بادشاہوں کو کبھی جھک کر سلام نہیں کیا اور جب کبھی ان سے دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ ہم صرف اپنے خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

الغرض شاہ مصر نے حاطب بن کی تقریر کا یہ جواب دیا کہ "ہم ایک مذہب کے پیرو ہیں اور جب تک کوئی بہتر مذہب نہ مل جائے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے" حاطب نے بادشاہ کا مطلب سمجھ لیا۔ اس کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرا معاملہ فرعون کے برعکس ہے فرعون

غلطی پر تھا اور اپنے تئیں خدا سمجھتا تھا۔ لیکن میں ایک سچے مذہب پر قائم ہوں اور الہامی کتابوں کو مانتا ہوں اس لئے اگر میں اپنے ہی مذہب پر قائم رہوں اور اس عرب کے نبی صلعم کے دعوی کو نہ سنوں تو میں فرعون کی طرح خدا کے حضور گنہگار نہیں ہو سکتا۔ حاطب رضا نے بادشاہ کی اس دلیل کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی۔ اور آپ صلعم کی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور کہا کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے تو یہودیوں کے لئے ضروری تھا کہ آپ عم پر ایمان لائیں اور اب اسی طرح جب وہ نبی صلعم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسے علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کی پیش گوئیوں کے عین مطابق ہو ورہوا ہے تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا فرض ہے کہ اس پر ایمان لائیں۔ ہم آپ کو اسی طرح قرآن کریم کی طرف بلاتے ہیں جس طرح آپ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہیں۔ جن لوگوں کے درمیان نبی مبعوث ہوتا ہے وہ اس کی قوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر فرض ہوتا ہے کہ اسے مانیں۔ چونکہ آپ اس نبی صلعم کے زمانہ میں رہتے ہیں اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اس پر ایمان لائیں" بادشاہ سے ان دلائل کا کچھ جواب نہ بن پڑا حضرت نبی کریم صلی اللہ کے خط کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے حاطب رضا سے کہا "میں نہیں دیکھتا کہ آں حضرت صلعم کوئی ایسی تعلیم دیتے ہیں جس سے مجھ کو پرہیز کرنا چاہئے یا ایسی چیز سے منع فرماتے ہیں جس کی مجھے خواہش ہے۔ نہ وہ صلعم ساحر ہیں

نہ غلطی خوردہ۔ نہ دغاباز ہیں نہ جھوٹے ہیں۔ میں ان میں نبوت کی علامات پاتا ہوں ''۔ اس کے بعد اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ڈبے میں رکھوا دیا اور اس پر مُہر کرکے اپنے خزانچی کے سپرد کر دیا۔ پھر مقوقس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت مودبانہ جواب لکھا جس میں تحریر کیا کہ '' مجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں لیکن میرا خیال تھا کہ وہ مقدس سرزمین شام میں پیدا ہوں گے ''۔ شاہ مصر کو جو ایک نبی کا انتظار تھا اس کی بنا ان پیش گوئیوں پر تھی جو استثنا ۱۸-۱۸ یوحنا ۱-۲۱ و ۲۵ اعمال ۳-۲۰ و ۲۲ یوحنا ۱۵-۲۶ اور دیگر عہد عتیق و عہد جدید کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اسی جواب کے ساتھ مقوقس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند تحائف بھی ارسال کئے (ملاحظہ ہو زادالمعاد صفحہ ۵۶-۵۷ جزو ثانی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو جو آپ نے قرب وجوار کے بادشاہوں اور شہزادوں کو ارسال کئے تھے اور جن کے جوابات احادیث میں مذکور ہیں میور صاحب ان سب کو بناوٹی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں آپ فرماتے ہیں '' جو خط ہرقل کو لکھا گیا تھا اس میں قرآن کی ایک آیت درج ہے جس کی نسبت ویل نے ثابت کیا ہے کہ وہ سنہ ۹ ہجری تک نازل ہی نہیں ہوئی تھی ''۔ چونکہ یہ تمام خطوط سنہ ہجری میں ہی لکھے گئے تھے اس لئے

میور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خطوط کی جو عبارت احادیث میں دی گئی ہے وہ بناوٹی ہے۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اصل خط دریافت ہوا جس نے احادیث کی وقعت کو بڑھا دیا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان خطوط کی جو عبارت احادیث میں درج ہے وہ اصل کے مطابق ہے۔ جو حدیث میں مقوقس کے خط کا مضمون درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط سربمہر کر کے ہاتھی دانت کے بکس میں رکھ دیا گیا تھا اور خزانچی کے سپرد کر دیا گیا۔ جو خطوط حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرب وجوار کے حکام کو لکھے تھے ان تمام میں سے صرف مقوقس کا خط ہے جس کی نسبت احادیث میں ذکر ہے کہ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ اور یہی خط تھا جو ۱۸۵۸ء میں ایک فرانسیسی سیاح نے شمالی مصر کی ایک عیسائی خانقاہ میں دریافت کیا تھا اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس خط کا معائنہ ڈاکٹر بیلی بیجر نے کیا اور پوری جانچ کے بعد اس کو اصل قرار دیا ہے۔ اس خط کی جو عبارت ڈاکٹر بیجر نے قرار دی ہے وہ بعینہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کا نشان بھی ہے جس پر بعینہ وہی عبارت کھدی ہوئی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے۔ اس خط کے دریافت ہونے سے احادیث کے معتبر ہونے کی ایک زبردست شہادت ملی ہے اور میور کی اس تحریر کی کہ خطوط کی عبارت جعلی ہے پوری تردید ہو گئی ہے۔ ایک ہی سال میں مقوقس اور ہرقل

دونوں کے نام خطوط لکھے گئے اوران کی جو نقلیں حدیثوں میں محفوظ ہیں ان میں قرآن کریم کی وہ آیت بھی درج ہے جس کی نسبت میور اور ویل لکھتے ہیں کہ ۹ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ اب چونکہ ڈاکٹر بیجر نے جو عبارت مقوقس کے خط کی دریافت کی ہے اس میں بھی یہی آیت درج ہے اس لئے میور اور ویل دونوں کا قول صریحاً غلط ثابت ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارد گرد کے بہت سے بادشاہوں اور رؤساء کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تھے جن کا ذکر احادیث میں ہے لیکن صرف ایک مقوقس کا ہی خط ہے جس کی نسبت احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ یہی ایک اب دریافت ہوا ہے۔ اور جس طرح اس کی حدیثوں میں نقل ہے بعینہٖ اسی طرح لفظ بہ لفظ اس خط کی عبارت ہے جو حال میں دریافت ہوا ہے اور یہ امر احادیث کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ اور جو واقعات حدیث جمع کرنے والوں نے بیان کئے ہیں ان سب کی اس سے تصدیق ہوتی ہے۔ اب اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایک خط کی عبارت جو حدیثوں میں مذکور تھی بالکل صحیح ثابت ہوئی ہے اسی طرح دوسرے خطوں کا جو مضمون درج ہے وہ بھی اصل اور صحیح ہے۔ جو صاحب اس خط کی زیارت کرنا چاہیں تو وہ ریویو آف ریلیجنز (قادیان) بابت اگست ۱۹۰۶ء ملاحظہ کریں جس میں اس مبارک مکتوب کا عکس دیا گیا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بنام شاہ حبش	حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ابی سینیا کے بادشاہ کے پاس یکے بعد دیگرے دو خط عمرو بن امیہ کے ہاتھ روانہ فرمائے پہلے میں وہی مضمون تھا جو دوسرے شاہوں اور رؤسا کے نام تھا یعنے دعوت اسلام - شاہ حبش کو اس نئے مذہب یعنے اسلام کا زیادہ علم تھا اور مسلمانوں کے اخلاق و عادات سے وہ بخوبی واقف تھا۔ کیونکہ بہت سے صحابہ نے اس کے ملک کی طرف ہجرت کی تھی اس خط کا جواب نجاشی نے بڑے انکسار سے دیا اور اسلام قبول کر لیا اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم کے حضور حاضر نہیں ہو سکتا۔ دوسرے خط میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شاہ مذکور لکھ بھیجا کہ ان مہاجرین کو جو اب تک ملک حبش میں باقی تھے مدینہ کو واپس بھیج دے۔ نجاشی کو جب یہ خط پہنچا تو اس نے دو جہازوں میں مہاجرین کو سوار کرا کر مدینے کو روانہ کر دیا جہاں وہ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر کی شہادت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سفیر مسمی الحارث بن عمیر الازدی جو عیسوی سلطنت کے ایک حاکم کی طرف بصرے میں بھیجا گیا تھا دمشق کے نزدیک اس کو شرجیل بن عمرو نام ایک غسانی سردار نے پکڑ لیا۔ اس کو رسول سے باندھ کر اس کا سر تلوار سے اتار دیا یہ ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے قوانین مابین الاقوام کو توڑ دیا اور اسلام و عیسائیت کے جو عظیم الشان جنگ بعد میں ہوئے ان کی ابتدا اسی جگہ سے ہوئی۔

نام کتاب	مصنف	قیمت
حیات صالح	منشی سعید احمد مارہروی	۶/
صلہ رحم	مولانا عبدالحی	۲/
روح کی بیداری	مولانا فدا علیخاں ایم۔ اے	۴/
الاسلام	مولوی فتح محمد خاں	۸/
اسلام کی دنیوی برکتیں	نواب اعظم یار جنگ مرحوم	۸/
تقلید و عمل بالحدیث	نواب محسن الملک مرحوم	۸/
الدین یسر	مولانا حالی	۳/
تدبیر	〃	۲/
سوانح مولانا روم	مولانا شبلی	۴عہ/
اورنگ زیب عالمگیر	〃	۸/
حیات خسرو	منشی سعید احمد	۱۲/
البرامکہ	منشی عبدالرزاق	عہ
تفسیر السموات	سر سید مرحوم	۸/
مسلمانوں کی ترقی و تنزل کے اسباب	نواب محسن الملک مرحوم	/
مسلمانوں کی تہذیب	〃	۴/
فلسفہ ابن عربی	مولانا عمادی	۲/
ہندو رانیاں		۸/
حضرت سلیمان	نواب اعظم یار جنگ بہادر	۳/
شعر العجم حصہ اول	مولانا شبلی	عہ

کتاب	مصنف	قیمت
شعر العجم حصہ دوم	مولانا شبلی	عہ/
زیب النساء	〃	۱/
جہانگیر	〃	۲/
جسمانی تعلیم	خواجہ لطیف احمد بی۔اے	۴/
شکوہ ہند	مولانا حالی	۲/
غم حسین و محرم کی بدعتیں	مولانا عمادی	۲/
علوم الاسلام	〃	عہ/
مہدی آخر الزمان	سر سید مرحوم	۳/
کاشنش	〃	۱/
ملائکہ و حور و غلمان	نواب محسن الملک مرحوم	۲/
فطرت اور قانون فطرت	〃	۳/
یورپ اور قرآن	نواب اعظم یار جنگ	۳/
رسایل شبلی	مولانا شبلی	عہ/
الفاروق	〃	ے
معیار الاخلاق	خواجہ غلام الحسنین	۶/
فن شاعری	مرزا سلطان احمد خاں ای اے سی	عہ/
تاریخ القرآن	مولانا اسلم جیراجپوری	عہ
جہاں آرا بیگم	〃	۸/